ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی

راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

نورانی تقریریں

حضرت علامہ الحاج عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ

رومی پبلیکیشنز

۳۸، اردو بازار ــــــ لاہور ۲

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی
راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

نورانی تقریریں

حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ

رومی پبلیکیشنز
۳۸ / اردو بازار ــــــ لاہور ۲

نام کتاب ———— نورانی تقریریں

مصنف ———— علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہٗ

محرک ———— سیّد اعجاز احمد

مصحح ———— محمد مختار حق عالم

کتابت ———— محمد نعیم خوشنویس۔ حضرت کیلیانوالہ

ناشر ———— رومی پبلیکیشنز۔ لاہور

مطبع ———— عالمین پرنٹرز۔ لاہور

قیمت ———— روپے

واحد تقسیم کار

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار، لاہور ۲

فہرست مضامین

۷۸۶
۹۲

حمد باری تعالیٰ

اے خدا سازندۂ عرشِ بریں | شام را دادی توزلفِ عنبریں
روز را با شمعِ کافور اے کریم | کردۂ روشن تراز عقلِ سلیم!
قادرا! قدرت تو داری بر کمال | انت ربی انت حسبی ذوالجلال

رَبَّنَا فَالحَمدُ لَکَ فِی کُلِّ حَالٍ
أَنتَ مَعنَی السِّرِّ فِی کُلِّ المَقَالِ

❁❁❁

نعت شریف

حق جلوہ گرِ ز طرزِ بیانِ محمد است | آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمد است
تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است | اما کشادِ آں ز کمانِ محمد است
ہر کس قسم بداں چہ عزیز است می خورد | سوگندِ کردگار بہ جانِ محمد است

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ وسلم)

❁❁❁

پہلا وعظ

عظمتِ میلاد

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

الحمد للہ الذی خلق نبیہ وزینہ بمکارم الوجودہ و فضلہ بالشفاعۃ الکبریٰ و المقام المحمودہ واشھد ان لا الہ الا اللہ الملک المعبود ہ واشھد ان سیدنا محمدًا عبدہ ورسولہ اکرم الخلق واحسن المولود ہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من میلادہ سعید وبقاءہ مسعودہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ المکرمین الی الیوم الموعودہ

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ہ

سَلِّمُوۡا یَا قَوۡمِ بَلۡ صَلُّوۡا عَلَی الصَّدۡرِ الۡاَمِیۡنِ
مُصۡطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ط

برادرانِ ملت! باآواز بلند درود شریف پڑھیے: اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وبارک وسلمؓ

محترم حاضرین! میں آج کے اس روح پرور دینی اجلاس میں حضور نبی رحمت کی ولادت باسعادت اور محفلِ میلاد شریف کی اہمیت وعظمت کے چند نقوش اجاگر کرنا چاہتا ہوں۔

حاضرین کرام! یہ جلسوں کا دور ہے، اور اس زمانے میں قسم قسم کے جلسے روزانہ ملک کے اندر منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے شاندار اجلاس ہوتے ہیں۔ اور شان دار پنڈالوں میں سجاوٹ اور آرائشیں بھی خوب ہوا کرتی ہیں۔ بجلی کے قمقموں سے جلسہ گاہ بقعۂ نور بنادی جاتی ہے، غرض بڑے بڑے جاذبِ نظر اہتمام وانتظام کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مگر برادرانِ ملت! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا یہ جلسہ جس میں ہم اور آپ حاضری کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ملک کے تمام جلسوں سے زیادہ عزت وعظمت والا، اور بزرگی وتقدس والا ہے۔ بلکہ میرا تو اعتقاد ہے کہ اس آسمان کے نیچے، اور اس زمین کے اوپر اس سے زیادہ عظمت والا دوسرا کوئی جلسہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ آجکل ملک میں جتنے جلسوں کا رواج ہے، عموماً ان جلسوں کا تعلق کسی نہ کسی سیاسی پارٹی، یا سیاسی لیڈر، یا سیاسی پروگرام، یا دوسری کوئی دنیاوی غرض سے ہوتا ہے کوئی کانگریس کا جلسہ ہے، تو کوئی کمیونسٹ کا، کوئی کسی لیڈر کے استقبال کا جلسہ ہے، تو کوئی الیکشن کا۔ غرض ہر جلسے کی نسبت اور اس کا تعلق سیاسیات یا دنیاوی اغراض سے ہوتا ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ جلسہ نہ تو کانگریس کا جلسہ ہے، نہ کمیونسٹ کا۔ نہ یہ الیکشن کا جلسہ ہے نہ کسی لیڈر کے سواگت کا، بلکہ اس جلسہ کی نسبت اور اس کا تعلق سبز گنبد کے مکین حضور رحمۃ للعالمین، نبی مکرم، خلیفۃ اللہ الاعظم جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے اور اس جلسہ کا نام ہی ہمارے "میلاد النبی" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور برادرانِ اسلام! یہ ایک نہایت ہی

اہم مسئلہ ہے کہ جس چیز کا تعلق حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے ہو جائے، اگرچہ وہ چیز کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو مگر اس کا رتبہ اس قدر بلند و بالا اور اتنا عظمت والا ہو جاتا ہے کہ ہماری ناقص و کوتاہ عقل اس کی رفعت و بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ یقین فرما لیجئے کہ جس طرح حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حق جل مجدہٗ کے محبوب اکرم ہیں۔ اسی طرح جن جن چیزوں کو آپ سے نسبت و تعلق ہے وہ چیزیں بھی بارگاہِ رب العزّت میں اتنی محبوب ہو جاتی ہیں کہ ان سے محبّت رکھنے والا بھی محبوبیت خدا کی منزل بلند پر فائز ہو جاتا ہے۔

ایک اہم مسئلہ

محترم حاضرین! یہاں تک بات آگئی ہے تو ایک مسئلہ بھی سُن لیجئے۔ اور یقین فرمایئے کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس مسئلہ پر صحیح معنوں میں عامل ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس سے کبھی بھی توہینِ محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کا گناہِ عظیم نہیں ہو سکتا۔ اور سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ میری لفاظی یا زورِ خیال کی پرواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن و حدیث کے مقدس پھولوں کا وہ عطر ہے جو اہلِ ایمان کے مشامِ جان کو معطر کر دیتا ہے۔

سامعین کرام! مسئلہ یہ ہے کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں۔ مگر اللہ والوں کی ہر ہر چیز بھی اللہ والی ہوتی ہے، اللہ کے محبوب تو اللہ کے محبوب ہوتے ہی ہیں مگر اللہ کے محبوبوں کی ہر ہر چیز بھی اللہ کے محبوب ہو جاتی ہے، دیکھئے قرآن مجید میں خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط یعنی اے تمام دنیا۔ سے حج کے لیے آنے والو! جب تم خدا کے مقدس گھر کعبہ شریف کے پاس پہنچو تو پہلے سات چکر بیت اللہ کا طواف کرو پھر کعبہ معظمہ سے چند قدم دُور چل کر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھو۔

مقامِ ابراہیم

میرے بزرگو اور بھائیو! یہ مقام ابراہیم کیا چیز ہے؟ آپ کو معلوم نہیں؟ مسلمانو! یہ ایک پتھر ہے پتھر! مگر ہاں! یہ ایک ایسا مقدس پتھر ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام

کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے۔ تو اسی پتھر پر کھڑے ہو کر خدا کے خلیل نے بیت اللہ کی دیواروں کو بنایا تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (بقرہ)

یعنی جب حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام بیت اللہ کی دیواروں کو تعمیر کر رہے تھے۔ تو یہ دعا مانگتے تھے کہ اے پروردگار! تو ہماری اس خدمت کو قبول فرمالے بیشک تو ہماری دعاؤں کا سننے والا ہے، اور ہماری نیتوں کا جاننے والا ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقدس پتھر پر کھڑے ہو کر دیواروں کو تعمیر فرما رہے تھے۔ آپ اتنی دیر تک اس پتھر پر کھڑے رہے کہ اس پر آپ کے دونوں قدموں کا نشان پڑ گیا جو آج تک قائم و باقی ہے۔ یہ آپ کا معجزہ ہے کہ پتھر موم کی طرح نرم ہو گیا اور آپ کا نقش قدم اس پر پیوست ہو گیا۔ اور آپ کے اسی نقشِ قدم کی وجہ سے یہ پتھر "مقام ابراہیم" کہلانے لگا۔ اور اس کو اس نسبت کی وجہ سے ایسی عزت و کرامت اور فضیلت و عظمت حاصل ہوئی کہ قرآنِ عظیم نے دو جگہ اس کی عظمت کا خطبہ پڑھا۔ ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ یعنی کعبہ معظمہ میں رب البیت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ اور انھیں نشانیوں میں سے ایک نشانی "مقام ابراہیم" بھی ہے۔ اور دوسری جگہ اس طرح خداوندی فرمان کا بیان ہے کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ یعنی اے مسلمانو! تم طواف کعبہ کے بعد نماز تو خدا کے لیے پڑھو۔ سجدہ خدا کا کرو۔ مگر تم اپنی پیشانیاں اُس پتھر کے پاس زمین پر رکھ کر سجدہ کرو جس پر ایک اللہ والے کے قدموں کا نشان بنا ہوا ہے۔ سبحان اللہ! ایک پتھر کو ایک اللہ کے پیارے سے اتنا تعلق پیدا ہو گیا کہ اس کے قدموں کا اس پر نشان بن گیا۔ تو اس پتھر کی محبوبیت کا یہ عالم ہو گیا کہ قرآن اس کی مدحت کا خطیب بن گیا۔ اور یہ پتھر تمام حجاج بیت اللہ کی سجدہ گاہ عجیب بن گیا۔

مسلمانو! اس آیت نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کر دیا کہ اے قرآن پڑھنے والو اس نکتہ سے غافل مت رہنا کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں مگر اللہ والوں کی ہر چیز بھی اللہ والی ہے۔ خدا کے پیارے تو خدا کے پیارے ہوتے ہی ہیں لیکن خدا کے پیاروں کی ہر چیز بھی خدا کی پیاری ہوتی ہے۔ مسلمانو! آپ نے دیکھا نہیں؟ کہ حضرت خلیل اللہ خدا کے پیارے ہیں۔ تو ان کے نشانِ قدم کو اپنے سینے پر اٹھانے والا پتھر بھی خدا کے نزدیک اتنا پیارا ہو گیا کہ اس پتھر کے پاس پیشانی رکھ کر جو سجدہ کیا جائے وہ بھی سجدہ خدا کا پیارا ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس پتھر کے پاس خدا کا سجدہ کرنے والا بندہ بھی خدا کا محبوب، اور اللہ والا ہو جاتا ہے۔

مسلمانو! یہ تو خدا کے تمام محبوبوں کا حال ہے۔ اب تم غور کرو کہ اگر کسی چیز کو خدا کے محبوبِ خاص یعنی حبیبِ مکرم و محبوبِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق حاصل ہو جائے تو پھر سبحان اللہ! اس کی عزت و عظمت، اور کمالِ محبوبیت کا کیا عالم ہوگا؟ اللہ اکبر! قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ط یعنی خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ مجھ کو شہر مکہ کی اس لیے قسم ہے کہ اے محبوب! تم اس شہر میں مقیم ہو۔ اللہ اکبر!

برادرانِ ملت! ذرا غور تو کیجئے کہ مکہ میں صفا و مروہ بھی ہے چاہ زمزم و مقام ابراہیم بھی ہے، بنیادِ خلیل یعنی کعبہ ربِّ جلیل بھی ہے۔ غرض سیکڑوں عظمتیں، اور ہزاروں بزرگیاں شہر مکہ میں جلوہ فگن ہیں مگر ربِّ کعبہ جب اس شہر کی قسم کا ذکر فرماتا ہے۔ تو یوں فرماتا ہے کہ مجھے شہر مکہ کی اس لیے اور اس بنا پر قسم ہے کہ اے محبوب یہ شہر مکہ تمہارا مسکن ہے! پتا چلا کہ مکہ مکرمہ اپنی بے شمار سابقہ عظمتوں کے باوجود، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اتنا مکرم و معظم ہو گیا کہ رب العرش اس کی عظمت کی قسم بیان فرماتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اسی مضمون

کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا ؎

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا! ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

مرزا غالب نے بھی اس مضمون پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے خوب کہا ہے ؎

ہر کس قسم بدانچہ عزیزاست می خورد
سوگند کردگار بجان محمدؐ است

یعنی ہر شخص کو جو چیز پیاری ہوتی ہے اس چیز کی وہ قسم کھاتا ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگارِ عالم کو اپنے حبیبؐ کی جان سب سے زیادہ پیاری ہے۔ اس لیے خداوند عالم کبھی اپنے محبوب کے کلام کی، کبھی ان کی زندگی کی، کبھی ان کے شہر کی قسم ذکر فرماتا ہے!

رمل

برادرانِ اسلام! نسبتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آگیا۔ تو ایک مسئلہ اور بھی سن لیجئے۔ حجاج کرام جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ پہنچ کر سب سے پہلا جو کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس میں "رمل" کرنا پڑتا ہے۔ "رمل" کیا ہے؟ عزیزانِ ملت! رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر، شانہ ہلا ہلا کر، خوب اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے طواف میں اس شان سے چلیں کہ گویا کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے مقابل سے کشتی لڑنے کے لیے نکلا ہے۔ چنانچہ میرے بزرگو اور بھائیو! تمام حجاج کرام طوافِ کعبہ کے شروع کے تین چکروں میں خوب اکڑ اکڑ کر رمل کرتے ہیں۔ اور جھوم جھوم کر مستانہ چال کے ساتھ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کے جوان جوان حاجیوں کے ساتھ ہمارے ملک کے اسی اسی برس کے کھوسٹ بوڑھے حاجی بھی اکڑ اکڑ کر رمل کی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بڑھاپے کی وجہ سے ان کا سینہ آگے کو بھاگتا ہے۔ اور کمر پیچھے کو! مسلمانو! یہ بڑی مصیبت ہے کہ یہاں کے مال داروں پر خدا کی ایسی مار ہے کہ جب تک یہ اسی یا نوے برس کے نہ ہو جائیں اس وقت تک گویا ان پر حج فرض ہی نہیں

ہوتا۔ ساری جوانی تو کمانے کھانے میں گزار دیتے ہیں اور جب منہ میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں۔ بالکل اُول جلوُل بوڑھے ہوگئے۔ اور دنیا میں کسی کام کے نہ رہے تب یہ سمجھے کہ اب ہمارے اُوپر حج فرض ہوا ہے۔ اور حج کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اب بھی نہیں چلتے، بلکہ زبردستی حج کے لیے چلائے جاتے ہیں، چنانچہ بہت سے بیٹے جب بوڑھے باپ کی موت کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور پھر بھی بڈھا نہیں مرتا۔ تو بیٹے زبردستی باپ کو اس نیت سے حج کے لیے بھیج دیتے ہیں کہ شاید اس لمبے سفر میں بڈھا قبرستان پہنچ جائے تو تجوری کی کنجی ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اسی نوے برس کا کھوسٹ بڈھا جو بلا کسی کے سہارے اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ بھلا وہ طواف میں رمل، اور صفا، مروہ کی سعی کیا خاک کرے گا؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ بڈھے حاجی طواف نہیں کر سکتے بلکہ ان لوگوں کو چارپائیوں پر لٹا کر، کندھوں پر اٹھا کر طواف کرایا جاتا ہے۔ اور ان لوگوں کو رکشا پر بٹھا کر صفا و مروہ کی سعی کرائی جاتی ہے اور جن غریب بوڑھوں کے پاس سواری کے لیے رقم نہیں ہوتی اور وہ پیدل سفا و مروہ کی سعی کرنے جاتے ہیں تو کمزوری کی وجہ سے گر پڑتے ہیں۔ اور سعی کرنے والوں کے ہجوم میں بہت سے پامال بھی ہو جاتے ہیں۔ میرے بزرگو اور بھائیو! تمہیں خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ اگر تم پر حج فرض ہو چکا ہے۔ تو خدا کے لیے جوانی اور طاقت کی حالت میں حج کر لو۔ اور بڑھاپے کی مجبوری اور لاچاری آنے سے پہلے ہی خدا کا فرض ادا کر لو۔

بہر کیف برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ طوافِ کعبہ میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا حکم ہے۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حرم کعبہ میں جو جلال و جبروتِ الٰہی کا مرکز ہے۔ اور جہاں قہر و جلال خداوندی کے خوف سے فرشتوں کے بال و پر بھی لرزہ براندام ہوتے ہیں۔ اس جگہ ہم گناہگار بندوں کے اکڑ کر چلنے کا مطلب

کیا ہے؟ قرآن میں رب کعبہ کا فرمان ہے:

لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۵ (بنی اسرائیل)	یعنی زمین پر اکڑتے اور اتراتے ہوئے مت چلو، بیشک تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ لمبائی میں پہاڑ کے برابر ہو سکتے ہو۔

برادرانِ اسلام دیکھا آپ نے زمین پر اکڑ کر اور اترا کر چلنا حرام و گناہ ہے۔ چنانچہ آپ ملک میں اکڑ کر چلیں تو گناہ، جدہ میں اترا کر چلیں تو گناہ، مکہ مکرمہ کی کسی گلی میں اکڑیں اور اترا کر چلیں تو گناہ، لیکن خاص خدا کے گھر کے پاس حرم الٰہی کے اندر اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلیں تو ثواب ہی ثواب ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ تمام روئے زمین پر اکڑ کر چلنا گناہ، اور خدا کے گھر کے پاس اکڑ کر چلنا ثواب ہے!

برادرانِ ملت! سنیئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ۷ھ میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو مشرکین مکہ نے طعنہ مارا کہ یہ صحابہ بھلا کیا طواف کر سکیں گے؟ ان لوگوں کو تو مدینہ کے بخار نے کچل ڈالا ہے۔ اور یہ بالکل ہی کمزور و لاغر ہو چکے ہیں۔ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے اس طعنے کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو "رمل" کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ تم لوگ اس طرح اکڑ اکڑ کر طواف کرو کہ ان مشرکین کے دلوں پر تمہاری شوکت و طاقت کا سکہ بیٹھ جائے چنانچہ آگے آگے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سینہ تانے اور شانہ ہلاتے ہوئے رمل کے ساتھ طواف فرمانے لگے۔ اور آپ کے پیچھے پیچھے صحابہ کرام نے بھی سینہ تان کر اکڑتے ہوئے شانہ ہلا ہلا کر طواف میں رمل کیا۔ مسلمانو! خدا کے گھر میں محبوبِ خدا کے اکڑ اکڑ کر چلنے کی یہ ادا خدا کو اتنی پیاری معلوم ہوئی ـــــ کہ خداوند قدوس نے اپنے تمام بندوں کو یہ حکم دے دیا کہ میرے بندو! روئے زمین کے کسی حصہ پر بھی تمہارے لیے اکڑ اکڑ کر اور اترا

اترا کر چلنا حرام وگناہ ہے۔ مگر جب تم مکہ مکرمہ میں میرے مقدس گھر کے طواف کے لیے آؤ تو یہاں پر تمہارا اکڑ کر چلنا ثواب ہی ثواب ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس مقام پر اکڑ کر چلنے کو میرے محبوب سے نسبت وتعلق ہے، اور میرے محبوب کی ہر ادا مجھے محبوب ہے کیوں کہ پیارے کی ہر ادا پیاری معلوم ہوتی ہے لہٰذا اے میرے بندو! تمہارا اس مقام پر اکڑ کر چلنا مجھے پیارا معلوم ہوتا ہے۔

برادرانِ گرامی دیکھا آپ نے؟ اکڑنے اور اترا کر چلنے کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوگئی۔ تو اکڑ کر چلنا اور اتراتے ہوئے طواف کرنا بھی خداوندِ قدوس کے نزدیک محبوب اور کارِ ثواب بن گیا۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں اس میں کیا شک ہے؟ مگر کمال تو یہ ہے کہ اللہ والوں کی ہر چیز بھی اللہ والی ہو جایا کرتی ہے۔ خدا کے پیارے تو خدا کے پیارے ہوتے ہی ہیں۔ مگر خدا کے پیاروں کی ہر ہر چیز بھی خدا کی پیاری ہو جاتی ہے۔ پڑھیے جھوم کر بلند آواز سے درود شریف اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم ابداً ابداً ط

دار الشفاء

برادرانِ ملت! ایک بات اور سن لیجئے! کون نہیں جانتا کہ مدینہ منورہ کا پرانا نام "یثرب" ہے، یہ شہر وباؤں کا مرکز اور بیماریوں کا گھر تھا مگر جب رحمۃ للعالمین کے قدم یہاں آئے اور اس شہر کو خدا کے محبوب سے نسبت وتعلق حاصل ہو گیا۔ اور یہ مدینۃ الرسول کہلانے لگا تو نسبتِ رسول کی وجہ سے اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلے یہ بیماریوں کا گھر تھا لیکن اب "دارالشفاء" اور تمام روحانی وجسمانی امراض کا شفا خانہ بن گیا۔ چنانچہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔

یعنی مدینہ کی مٹی لعابِ دہن میں لگا کر جس مریض کو بھی استعمال کرائی جائے اس کو خدا کے حکم سے شفا حاصل ہوگی۔

مولانا حسن بریلوی قدس سرہٗ نے اس حدیث کا نہایت ہی لطیف ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ؎

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے !
اٹھا لے جائے تھوڑی خاک اُن کے آستانے سے

خیر الامم

حاضرین محترم ! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارا اور آپ کا لقب "خیر الامم" ہے، یعنی تمام امتوں میں سب سے بہترین امت، کیا کبھی آپ نے اس پر غور کیا ؟ کہ امتیں تو بہت ہیں اور اگلی امتوں کی عمریں بھی بہت طویل ہوتی تھیں اور ان کے اعمال بھی بہت زیادہ تھے مگر کیا وجہ ہے ؟ کہ یہ امت باوجودیکہ ان کی عمریں کوتاہ اور اعمالِ صالحہ بھی بہت کم، پھر بھی قرآن مجید میں رب العزت جل و علا نے اس امت کے درجات عالیہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

یعنی اے میرے حبیب کی امت ! تم ان تمام امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئیں ۔ تم انسانوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے منع کرتے ہو !

برادرانِ اسلام ! آپ یقین فرمائیے کہ اس اُمّت کے "خیر الامم" یعنی بہترین امت ہونے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس امت کو خدا کے پیارے ہم غریبوں کے سہارے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق ہے اور اللہ کے پیارے تو اللہ کے پیارے ہوتے ہی ہیں ۔ اس میں کیا شک ہے ؟ مگر اللہ کے پیاروں سے نسبت رکھنے والے بھی اللہ کے پیارے ہو جاتے ہیں ۔ اس لیے سارے جہان سے زیادہ خدا کے پیارے کی امت بھی خدا کے نزدیک سارے جہان والوں سے زیادہ پیاری ہو گئی ! تو برادرانِ ملت ! اب آپ خود غور کیجئے

کہ جب مکہ مکرمہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت حاصل ہو گئی تو اس کی عزت وعظمت میں ایسا چار چاند لگ گیا کہ خداوند قدوس قرآن مجید میں اس کی قسم ذکر فرماتا ہے۔ جب "رمل" یعنی کعبہ کے طواف میں اکڑ کر چلنے کو حبیب خدا سے نسبت حاصل ہو گئی تو اکڑنا اور اترا کر چلنا بھی عبادت بن گیا۔ جب شہر مدینہ جو پہلے بیماریوں کا گھر تھا۔ نسبتِ حبیب کی وجہ سے دارالشفاء بن گیا۔ جب یہ امت نسبت محبوب کی بدولت "خیر الامم" ہو گئی تو پھر سمجھ لیجئے کہ وہ جلسہ جس کو حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو۔ اور اس کا نام ہی جلسۂ میلاد النبی ہو بھلا اس جلسے کی عزت وعظمت، اور اس کی فضیلت وکرامت کا کیا کہنا؟ یقیناً وہ جلسہ محبوب خدا ومقبولِ بارگاہِ کبریا ہوگا اور بلاشبہ نسبتِ رسول کی عظمت کی وجہ سے تمام جلسوں میں سب سے زیادہ مکرم ومعظم ہوگا۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ آسمان کے نیچے، اور اس زمین کے اوپر "جلسۂ میلاد النبی" سے بڑھ کر عظمت وتقدس والا دوسرا کوئی جلسہ ہو ہی نہیں سکتا۔

برادرانِ ملت! یہ وہ جلسہ ہے کہ آپ گھر سے چلے تو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی۔ اور جتنی دیر آپ اس جلسہ میں شریک اجلاس رہیں گے۔ رحمتِ خداوندی کے سائبان آپ پر سایہ فگن رہیں گے کیوں کہ جس جلسے میں آپ حاضر ہیں۔ یہ میرا، تمہارا، اِن کا، اُن کا جلسہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ محبوبِ خدا سرورِ انبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہے۔ لہٰذا میرا ایمان ہے کہ اس جلسے میں جذبۂ عقیدت وجوشِ محبت کے ساتھ شرکت والا بھی یقیناً خدا کا محبوب اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہوگا۔

برادرانِ گرامی! پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ اپنی میٹھی میٹھی نیند کو قربان کر کے اور اپنے نرم نرم بستروں کو لات مار کر اُن کی یاد میں یہاں جاگ رہے ہیں جنھوں نے سیکڑوں راتیں ہماری تمہاری یاد میں جاگ کر کاٹی ہیں۔ کیوں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات جاگ کر اپنی امت کی مغفرت کے لیے دعائیں مانگتے تھے اور امت کی یاد میں اتنا روئے، اور اس قدر جاگے

کہ خدا کی خدائی کو مصطفےٰ کی مصطفائی پر پیار آگیا۔ اور قرآن میں خدا کا فرمان اتر پڑا کہ:

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا

یعنی اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرمایئے مگر تھوڑا آدھی رات یا اس سے بھی کم کیجئے، یا اس سے کچھ زیادہ کر لیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے۔

برادرانِ اسلام! محبوبِ خدا رات رات بھر کھڑے رہتے، نمازیں پڑھتے، دعائیں مانگتے۔ حدیث گواہ ہے کہ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ یعنی اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ اللہ اللہ! محبوب کبریا کی یہ شب بیداری، عبادت گزاری، گریہ وزاری کیوں تھی؟ کس کے لیے تھی؟ سنو! ؎

تمہارے ہی لیے تھا اے گنہ گارو، سیہ کارو
وہ شب بھر جاگنا اور رات بھر رونا محمد کا (صلی اللہ علیہ وسلم)

برادرانِ ملت! یہ جلسہ میلاد شریف کیا ہے؟ اسی رحمت و شفقت والے آقائے نعمت کے ذکرِ جمیل، اور ان کی یاد کا جلسہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کے اہلِ محبت یعنی مسلمانانِ اہلِ سنت محفلِ میلاد شریف کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ ہمارے، آپ کے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ غم خوارِ امت، رسولِ رحمت کی مقدس یاد قائم و باقی اور تازہ ہوتی رہے! پڑھیئے درود شریف: اللھم صل وسلم و بارک علیٰ سیدنا و مولانا محمد نبی الرحمۃ و اٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔

خاتم النبیین ہی کا میلاد کیوں؟

میرے عزیزو اور دوستو! کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ "میلاد" کے معنی کیا ہیں؟ سنیے! میلاد عربی زبان کا لفظ ہے "میلاد" کے معنی پیدائش "میلاد النبی" یعنی نبی کی پیدائش —— برادرانِ ملت! اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ ولادت و پیدائش تو سبھی کی ہوئی ہے۔ ہم اور آپ بھی پیدا ہوئے، تمام اولیاء کی بھی پیدائش ہوئی، تمام انبیاء علیہم السلام کی بھی ولادت ہوئی۔ مگر کیا وجہ ہے؟

کہ ہم مسلمان کسی کی ولادت و پیدائش کا خیال نہیں رکھتے۔ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی و رسول کا جلسۂ میلاد منعقد نہیں کرتے۔ ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ سب کی تعظیم و تکریم بھی کرتے ہیں مگر میلاد شریف صرف خاتم النبیین ہی کا پڑھتے ہیں۔ آج تک کبھی آپ نے نہیں سُنا ہوگا کہ کسی نے حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا میلاد پڑھا ہو یا ان کی ولادت و پیدائش کا بیان کرنے کے لیے کوئی محفل سجائی ہو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ آخر میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ کون سی ایسی خصوصیت ہے؟ کہ مسلمان آج تک اپنے رسول کی ولادت و پیدائش کو نہیں بھول سکا۔ غور تو کیجئے کہ مسلمان اپنے تخت و تاج اور سلطنت کو بھول گیا۔ اپنے جاہ و حشمت، اور شان و شوکت کو بھول گیا، اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی عزت و عظمت کو بھول گیا۔ اپنا سب کچھ بھول گیا، مگر آج تک اپنے رسول کی پیدائش اور ولادت کو فراموش نہیں کر سکا۔ دیکھ لیجیے شادی ہو تو میلاد شریف! غمی ہو تو میلاد شریف! فرزند تولد ہو تو میلاد شریف! نیا مکان بنا تو میلاد شریف۔ مسلمانو! ان دونوں سوالوں کا جواب بہت اہم ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا میلاد شریف کیوں ہوتا ہے۔ دوسرے انبیاء اور رسولوں کا میلاد شریف کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود مسلمان اپنے رسول کی ولادت اور پیدائش کو کیوں فراموش نہیں کر سکا؟

تو بزرگو اور بھائیو! پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ بیشک تمام انبیاء اور رسولوں کی پیدائش ضرور ہوئی مگر یاد رکھئے! کہ جس طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت اور ان کی ہر ہر صفت بے مثل و بے مثال ہے اسی طرح ان کی پیدائش اور ولادت بھی بے مثل و بے مثال ہے۔

مسلمانو! کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ اس دنیا میں آج تک جتنے پیدا ہونے والے پیدا ہوئے سب روتے ہوئے پیدا ہوئے۔ ہر بچہ پیدا ہونے کے بعد رو رو کر

اپنی زندگی کا اعلان کرتا ہے جی ہاں! یہ نوجوان جو پتلونوں میں کسے کسائے اکڑ فوں کرتے ہوئے چلتے ہیں، اور سینہ تانے زمین پر پٹاخ پٹاخ بوٹ چٹخاتے ہوئے مٹر گشت کرتے پھرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں؟ کہ یہ جب پیدا ہوئے تھے تو ان کا کتنا پتلا حال تھا؟ جی کچھ پوچھیے مت مٹھی بندھی ہوئی، دم گھٹا، سانس گم! گٹھری کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ ماں باپ پریشان! اجل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو۔ خیر خدا خدا کر کے صاحبزادے کا سانس آیا۔ تو سب سے پہلے ایک چوکی روئے۔ اور رو رو کے اپنی زندگی کا اعلان کیا۔ تو ماں باپ کی جان میں جان آئی کہ الحمد للہ بچہ زندہ پیدا ہوا خیر بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج تک جتنے پیدا ہونے والے پیدا ہوئے سب روتے ہوئے ہی پیدا ہوئے۔ مگر برادرانِ ملت! آپ یہ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ایک ایسا بھی پیدا ہونے والا پیدا ہوا ہے جو روتا ہوا نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ تمام جہاں کے روتے ہوؤں کو ہنساتا ہوا پیدا ہوا۔ وہ پیدا ہونے والے کون ہیں؟ سنئے! وہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ کے گھر، حضرت بی بی آمنہ کی گود میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ مولودِ مسعود ہیں جو پیدا ہو کر روئے نہیں۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی حمدِ الٰہی کا خطبہ پڑھا۔ اور ؎

سر سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ حق سے عرض کی
یَا رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ

اللہ اکبر! برادرانِ ملت! دیکھ لیا آپ نے؟ رحمتِ عالم پیدا ہو کر روئے بلبلائے نہیں، آہ و زاری نہیں کی۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی اپنی ننھی سی پیشانی کو مالکِ حقیقی و مسجودِ تحقیقی کی بارگاہِ عظمت میں سجدہ ریز کر دیا۔ اور اپنے ننھے ننھے، پتلے پتلے گلابی ہونٹوں سے جن کی رنگینی و نزاکت پر گلاب کی کلیاں قربان ہوتی ہیں آپ نے دعا مانگی۔ پھر دعا بھی کس کے لئے؟ اپنے لیے نہیں۔ اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہ کے لیے نہیں اپنے جنتی پھولوں حسن و حسین کے لیے نہیں، اپنے ماں باپ، اپنے عزیز و اقارب کے لیے نہیں بلکہ سب سے پہلے آپ کے قلبِ نازک میں جس کا خیال آیا وہ امت کا خیال

تھا اور سب سے پہلی دعا جو لبِ پاکِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی وہ امت کے لیے تھی۔ اللہ اللہ! رسولِ رحمت کا یہ کرمِ عظیم؟ کہ اپنے والدین یا اولاد، یا کسی عزیز و اقرباء کو نہیں یاد فرمایا۔ بلکہ ہم کو آپ کو یاد فرمایا۔ اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے تمام لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ پر ایمان لانے والوں کو یاد فرمایا اور ان کے لیے دعا فرمائی!

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے ولادت تو ہر نبی اور رسول کی ہوئی ہے مگر للہ بتائیے؟ کہ ایسی انوکھی اور نرالی، اور اتنی بے مثل و بےمثال ولادت کسی نبی و رسول کی ہوئی ہے؟ پھر ذرا ولادتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اہتمام پر بھی نظر رکھئے؟ مسلمانو! رحمتِ عالم کی ولادت وہ عظیم الشان ولادت ہے کہ تمام انبیاء سابقین اس ولادت کی بشارت دیتے رہے۔ شبِ ولادت میں ستر ہزار ملائکہ مقربین کی جماعت کو لیکر جبریل امین فرشِ زمین پر اتر پڑے۔ استقبالِ ولادت کے لیے آسمان کے تارے جھک پڑے۔ بت منہ کے بل گر پڑے۔ آتش کدۂ ایران کی آگ بجھ گئی۔ غرض عجیب عجیب آیات بینات اور خوارقِ عادات کا ظہور رہا۔ باقی دوسرے انبیاء کرام پیدا تو ضرور ہوئے مگر ان محبوبانِ خدا کی ولادت و پیدائش کا نہ تو پہلے سے کوئی چرچا تھا نہ کوئی خاص اہتمام تھا۔ نہ ان کی ولادت کے وقت اتنی آیاتِ بینات اور نشانیوں کا ظہور ہوا۔ بس یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمان لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے مطابق ایمان تو ہر نبی و رسول پر لاتے ہیں۔ اور سب کی تعظیم و تکریم بھی کرتے ہیں مگر میلاد صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پڑھتے ہیں کیوں کہ ان کی ولادت میں جو خصوصی ندرت، اور امتیازی عظمت ہے وہ دوسرے کسی نبی و رسول کی ولادت میں نہیں ہے۔

برادرانِ گرامی! یہ تو پہلے سوال کا جواب ہے کہ میلاد شریف صرف خاتم النبیین ہی کا کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اب رہ گیا دوسرا سوال کہ مسلمان سب کچھ بھول گئے۔ مگر اپنے نبی کی ولادت کو کیوں نہیں بھولتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نبیِ رحمت نے اپنی اس ولادت کے وقت ہم کو یاد کیا۔ اس لیے ہم اس میلاد کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں، بھلا ہم اس میلاد کو کس طرح فراموش کر سکتے ہیں؟ جس میلاد کے وقت صاحبِ میلاد نے ہم کو یاد فرمایا، مسلمانو!

ہم اپنے نبی رحمت کے اس احسانِ عظیم کو بھلا کس طرح بھول سکتے ہیں۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے۔ اس لیے رحمتِ عالم نے اپنی جشن میلاد کے وقت ہم کو یاد فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ قیامت تک ہم اس میلاد کو فراموش نہیں کر سکتے اور اگر خدا نخواستہ ہم نے اپنی بدنصیبی سے اس میلادِ رحمت کو بھلا دیا تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہم سے بڑا احسان فراموش کوئی نہیں ہو سکتا! بزرگو اور بھائیو! ایک کتا بھی روٹی کے ایک ٹکڑے کا احسان مانتا ہے، اور اپنے محسن کے اس احسان کو فراموش نہیں کرتا، بلکہ دم ہلا ہلا کر، زبان نکال نکال کر اس احسان کو یاد کرتا اور شکریہ ادا کرتا رہتا ہے۔ اور ہم انسان پھر صاحبِ ایمان ہو کر اس رسولِ رحمت کے احسانوں کو بالکل فراموش کر دیں؟ کہ جو پیدا ہوئے تو ہمیں یاد کیا ساری زندگی ہمیں یاد کرتے رہے۔ قبرِ انور میں بھی ہمیں یاد فرما رہے ہیں۔ اور میدانِ محشر میں بھی ہماری یاد میں بے قرار رہیں گے اور ؎

عزیز بچے کو جس طرح ماں تلاش کرے
خدا گواہ یہی حال آپ کا ہوگا!

کبھی پل صراط پر، کبھی میزانِ عمل پر، کبھی جہنم کے دروازے پر پہنچ کر اپنی امت کے گناہگاروں کو بچاتے ہوں گے۔ اللہ اللہ! مسلمانو! محسنِ اعظم، نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تو ہم پر ایسے ایسے عظیم احسانات ہیں کہ اگر ہمارے جسم کے رونگٹے رونگٹے کو لاکھوں زبانیں مل جائیں پھر بھی سرکارِ نبوت کے عظیم احسانوں کا شکریہ نہیں ادا ہو سکتا مگر ہم اتنے احسان فراموش ہو جائیں کہ ان کی ولادت کو بھی بھول جائیں۔ اور یہ بھی یاد نہ رکھیں کہ وہ کب پیدا ہوئے؟ کس طرح پیدا ہوئے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ ان کا حسب نسب کیا ہے؟ ان کے والدین کریمین کا کیا نام ہے؟ مسلمانو! اللہ! انصاف۔ کیا ہمارے ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے یاد کرنے والے کو بالکل فراموش کر دیں۔ اور احسان فراموشی کریں؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں! مسلمان اگر سچا مسلمان ہے۔ تو ہرگز ہرگز کبھی وہ اپنے رسول کا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنا سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اور بھول گیا مگر اپنے نبی رحمت

کی ولادت باسعادت کو کبھی نہیں بھولتا اور ہر خوشی اور غمی کے موقع پر محفلِ میلاد شریف میں نبی رحمت کی ولادت باسعادت کا ذکرِ جمیل سن کر اپنی دنیائے ایمان کے لیے روحانی تسکین و اطمینان کا سامان پیدا کر لیتا ہے!

مسلمانو! مگر ہاں! ایک ذرا کڑوی بات بھی سن لو۔ کیا کروں مجبور ہوں کہنا ہی پڑتا ہے کیوں کہ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

کچھ لوگ اس زمانے میں ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو محفلِ میلاد شریف کو بدعت کہہ کر حرام بتاتے ہیں۔ مگر یہ محفلِ میلاد شریف پر اسراف و بدعت کا فتویٰ چپکا کر اس مقدس جلسہ کو حرام بتانے والے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ وہ جمیعۃ العلماء دیوبند، اور اپنے مدارس کے جلسوں میں تعیین، تداعی، روشنی، سجاوٹ، اہتمام سب کچھ ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں۔ اور اس پر دینی اجلاس، تبلیغی اجتماع، اسلامی جلسہ کا لیبل اور سائن بورڈ لگاتے ہیں۔ مگر غریب سنی اگر اپنے نبی رحمت کے میلاد شریف کا چھوٹا سا بھی جلسہ کرے تو اس پر اسراف و بدعت کی لال جھنڈی دکھا کر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی بناتے ہیں۔ مسلمانو! للہ! انصاف کرو کہ توحید کا ڈھنڈورہ پیٹنے والے مولویوں کی اس حرکت کو انصاف و دیانت سے بال برابر بھی کوئی تعلق ہے؟ کیا یہ ہمالیہ سے بڑا ظلم نہیں ہے؟ کہ مشرک لیڈروں کی جینتی اور مرتیو کی تقریبات میں اور اپنے جلسوں میں تو اہتمام روشنی، سجاوٹ اور تعیین و تداعی کے ہوتے ہوئے بھی شرکت کریں اور اس کو قوم و ملت کی خیر خواہی اور اسلامی خدمت قرار دیں۔ مگر میلاد شریف میں ایک چراغ دیکھ کر چراغ پا ہو جائیں اور شرک و بدعت کی توپوں سے اندھا دھند گولہ باری شروع کر دیں۔

برادرانِ ملت! برا نہ مانیئے۔ حق بات کڑوی ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دل کا چور ہے جو ان لوگوں کے قول و عمل سے پکڑا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محبتِ رسول اور عظمتِ مصطفےٰ کا چراغ ان کے دلوں کی دنیا میں گل ہو چکا ہے اس لیے ہر وہ عمل جس سے رسول کی محبت و عظمت کا اظہار ہوتا ہو۔ خواہ وہ درودِ تاج ہو، یا میلاد شریف ہو یا سلام و قیام

ہو اس پر وہابیت کی توپ سے شرک و بدعت کے گولے ضرور داغے جائیں گے۔ مسلمانو! کیا تم نے کبھی اس طرح شرم و غیرت کا جنازہ نکلتے دیکھا ہے؟ کہ اتباعِ شریعت اور محبتِ اسلام کا دعویٰ بھی ہو اور ذکرِ رسول و عظمتِ نبوت سے ایسی عداوت بھی ہو۔ سچ فرمایا ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے کہ ؎

ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک۔ کہ ہوں امت رسول اللہ کی

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

خیر برادرانِ ملت! آپ اس بات کا یقین کیجئے کہ جس کے دل میں محبتِ رسول کا اُجالا اور عظمتِ رسول کا بول بالا ہوگا وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی محفلِ میلاد شریف کا انکار نہ کرے گا۔ میرے بزرگو اور بھائیو! غالباً آپ نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا نام نامی سنا ہوگا۔ یہ بہت ہی جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ اور سلسلۂ مجددیہ کے ایک باکرامت ولی تھے۔ یہ محفلِ میلاد اور سلام و قیام سے بڑا والہانہ عشق رکھتے تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں ایک ایسے مولوی صاحب آگئے جن کا پائجامہ ضرورت سے زیادہ اُونچا اور کُرتا ضرورت سے زیادہ نیچا تھا۔ چمپو نما ٹوپی، گلے کا بٹن کھلا ہوا، پیشانی پر ڈالر کے برابر گھٹا۔ چونکہ میلاد شریف والوں کو بدعتی سمجھتے تھے۔ اس لیے نہ حضرت مولانا سے سلام کیا نہ مصافحہ۔ بس ایک دم آئے اور دھم سے بیٹھ گئے اور دانت نکال کر حضرت مولانا سے سوال کر دیا کہ کیا صحابہؓ کے زمانے میں میلاد شریف ہوتا تھا؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں! میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ کیا گالی گلوج ہوتا ہے؟ مولوی صاحب بولے کہ نہیں تو حضرت نے فرمایا کہ کیا ڈھول تاشہ بجتا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا نہیں تو۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا کچھ کفریات یا گناہ کے کلمات بکے جاتے ہیں؟ مولوی صاحب کہنے لگے نہیں نہیں۔ میلاد شریف میں یہ سب خرافات تو بالکل نہیں ہوتے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب! پھر آپ ہی بتائیے کہ میلاد شریف میں کیا کیا ہوتا ہے؟ تو مولوی صاحب ذرا ہکلا ہکلا کر کہنے لگے۔ کہ میلاد میں تخت و فرش بچھایا جاتا ہے

روشنی کی جاتی ہے۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے کچھ تلاوت، کچھ نعت خوانی، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اور نبوت کے کمالات و معجزات کا بیان ہوتا ہے، پھر صلوٰۃ و سلام پڑھ کر لڈو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میلاد شریف میں بس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر ہوتا ہے۔ مولوی صاحب سر ہلا ہلا کر کہنے لگے کہ جی ہاں۔ جی ہاں! بس رسول پاک کا ذکرِ خیر ہی ہوتا ہے۔ اب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کو جلال آگیا اور تڑپ کر فرمایا کہ جب میلاد شریف میں ذکرِ رسول ہی ہوا کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بیشک صحابۂ کرام کے زمانہ میں بھی میلاد شریف ہوا کرتا تھا ضرور ہوتا تھا۔ یقیناً ہوتا تھا مگر بس فرق اتنا ہے کہ آج کل تو لوگ چاندنی اور قالین کا فرش بچھا کر، لالٹین اور پیٹرومیکس گیس کی روشنی کے نیچے میلاد شریف کرتے ہیں لیکن صحابہ میدان جنگ میں چلچلاتی دھوپ میں گرم گرم ریت کے اُوپر کھڑے ہو کر تلواروں کی چمک کے نیچے میلاد شریف پڑھا کرتے تھے۔ اور آج کل تو لوگ میلاد شریف میں لیڑ دوا بانٹتے ہیں۔ مگر صحابہ موڑ وا بانٹتے تھے۔ پوربی زبان میں لڈو کو لیڑ دوا۔ اور سر کو "موڑوا" کہتے ہیں۔ یعنی آج کل تو لوگ میلاد شریف میں لڈو بانٹتے ہیں۔ مگر صحابہ کرام سر بانٹا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اے مولوی! تو خود اقرار کرتا ہے کہ ذکرِ رسول ہی کا نام میلاد شریف ہے۔ پھر بھی تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ صحابہ کے زمانے میں میلاد شریف ہوتا تھا یا نہیں؟ کیا تجھ کو نہیں معلوم؟ کہ صحابہ گھر میں۔ باہر یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی رسولِ رحمت کا ذکر و چرچا کرتے تھے۔ کیا تم نے جہادِ اسلامی کی کتابوں میں یہ نہیں پڑھا؟ کہ صحابہ جب جہاد کے لیے میدانِ جنگ میں پہنچتے تھے تو پہلے امیر لشکر کافروں کے سامنے یہ تقریر کیا کرتا تھا کہ اے گروہ کفار! سنو! ہم لوگ پہلے مشرک تھے بتوں کے پرستار، قتل و غارت اور لوٹ مار کے گناہگار تھے ـــ شراب خوری، اور حرام کاری وغیرہ کی لعنتوں میں گرفتار تھے۔ اچانک ہم پر فضلِ خداوندی ہوا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور انہوں نے ہمیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مقدس کلمہ عطا فرما کر ہم کو خدائے واحد کی توحید کا پرستار اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت

کا جاں نثار بنا دیا۔ اور اسلام کی مقدس تعلیم سے ہمیں نیکو کار و پرہیز گار بنا دیا۔

لہٰذا اے گروہ کفار — تم بھی یہ کلمہ پڑھ کر اسلام کے دامن رحمت میں آجاؤ۔ یا کم از کم نظامِ اسلام کی برتری کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرو۔ اور اسلامی فوجوں کی حفاظت میں پُرامن زندگی بسر کرو۔ ورنہ پھر تلوار کے فیصلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دیکھ لو! اسلامی لشکر کا امیر میدانِ جنگ میں میلادِ رسول پڑھ چکا۔ اب اگر لشکر کفار اسلام یا جزیہ دینے سے انکار کر دیتا اور اللہ و رسول کے خلاف باغیانہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتا تو پھر صحابہ کرام میلاد شریف ختم کر کے تلواریں میان سے نکال لیتے اور سر بانٹنا شروع کر دیتے اور صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر خدا و رسول کے باغیوں سے ایسی شجاعت اور بے جگری سے لڑتے تھے کہ آسمانوں کے فرشتے فتح مبین لے کر اتر پڑتے تھے اور میدانِ جنگ کا ذرہ ذرہ اُن کی تحسین و آفرین کرتے ہوئے زبان حال سے پکار اٹھتا تھا کہ ؎

مجاہد ہیں کہ جوش و ضبط کی خاموش تصویریں — عیاں ہے ان سے دین اللہ افواجاً کی تفسیریں

مولوی صاحب حضرت مولانا علیہ الرحمہ پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگانے آئے تھے مگر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی یہ حقانی و نورانی تقریر سن کر ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ اور اقرار کر لیا کہ محفل میلاد شریف بدعت نہیں ہے اور حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے روحانی تصرف سے ایک دم مولوی صاحب کے دل کے بند دریچے کھل گئے اور اپنی بدمذہبیت سے تائب ہو کر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے مرید ہو گئے اور میلاد شریف، و قیام و سلام میں ان کو بھی روحانی کیف اور ایمانی سرور محسوس ہونے لگا۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی روحانی طاقتوں کا کیا کہنا؟ ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

عید میلاد پر خوشی منانا

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میلاد شریف کی محفل منعقد کرنے، اور عید میلاد پر فرح و سرور کے اظہار اور خوشی منانے میں ہرگز ہرگز کسی بدعت کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ میلاد النبی پر شادمانی و سرور کا اظہار کرنا، اور ولادتِ رسول کے ذکر کا چرچا کرنا درحقیقت قرآن کے فرمان کی تعمیل ہے۔

برادرانِ ملّت! قرآن کا فرمان سُن لیجئے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس)	یعنی اے مسلمانو! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ! یہ ان تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے جنہیں لوگ جمع کرتے ہیں۔

دیکھ لیجئے! اس آیت میں خداوند قدوس نے اپنے بندوں کو کیا حکم دیا؟ آپ نے آیت اور اس کا ترجمہ سُن لیا۔ کہ خدا کے فضل و رحمت پر خوشی منانا یہ حکم خداوندی ہے۔

لہٰذا برادرانِ ملّت! اگر مسلمان سچا مسلمان ہے تو وہ اس رحمت و فضل ربانی، یعنی عید میلاد النبی پر ضرور فرح و سرور کا اظہار کرے گا۔ اور خوشی منائے گا!

برادرانِ ملّت! اسی طرح ذِکر میلاد کا چرچا کرنا، اور بار بار میلاد شریف کی محفل منعقد کرنا بھی فرمان قرآن ہی پر عمل کرنا ہے۔ سُن لیجئے! حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ یعنی اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ مسلمانو! للہ بتاؤ کیا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے بڑھ کر ہم مومنین کے لیے کوئی نعمتِ خداوندی ہو سکتی ہے؟ اجی! یہ تو وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ رب العزت جل جلالہٗ نے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ فرما کر مومنین پر اس نعمت کا احسان جتایا ہے اور فرمایا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک ایسے رسول کو بھیج دیا جو انھیں میں سے ہے! جب میلادِ محمدی نعمتِ خداوندی ہے۔ اور فرمانِ قرآن ہے کہ خدا کی نعمت کا چرچا کرو تو ثابت ہو گیا کہ بار بار میلاد شریف کرنا درحقیقت فرمانِ قرآن کی تعمیل ہے اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ اہل ایمان "میلاد النبی" کا چرچا کرتے ہی رہیں گے اور منافق اپنی آتش غیظ و غضب میں جلتے ہی رہیں گے ؎

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا　　پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

میلاد نماز

برادرانِ ملّت! میلادِ رسول خدا کی نعمت ہے۔ یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے اور اسلام تو اسلام تمام مذاہب عالم اس پر متفق ہیں کہ نعمت کا شکر ادا کرنا

واجب اور ضروری ہے۔ اب برادرانِ ملت! غور فرمائیے تو شکریہ ادا کرنے کی دو صورتیں بالکل ظاہر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نعمت دینے والے کی خدمت گزاری کی جائے اور دوسری یہ کہ اس نعمت کا چرچا کر کے نعمت دینے والے کی تعریف اور اس کی مدح و ثنا کی جائے۔ مثلاً آپ کو کوئی حاجت پیش آگئی۔ اور کسی سخی انسان نے آپ کی حاجت پر رحم کھا کر ایک ہزار روپے سے آپ کی مدد کر دی۔ تو یقیناً یہ اس مرد سخی کی طرف سے آپ کو ایک بڑی نعمت مل گئی۔ اب آپ دو طریقے سے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کے دروازے پر حاضری دیجئے اور اس کی خدمت چاکری کیجئے۔ اس کا ادب واحترام بجالائیے۔ تو آپ کی ان اداؤں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ آپ اپنے آقائے نعمت کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کے اس احسان و نعمت کا جا بجا چرچا کیجئے اور اس کی مدح و ثنا کرتے رہئے اُس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہا کیجئے۔ تو آپ کا آقائے نعمت اور دوسرے تمام دیکھنے والے یہی کہیں گے کہ یہ شخص اپنے محسن و منعم کا شکر گزار ہے۔ تو برادرانِ ملت! اسی طرح خداوند عالم نے ہم بندوں کو جو نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی کہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیا۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کی بھی دونوں صورتیں اور دونوں طریقے نہایت بہترین ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم اپنے منعم حقیقی پروردگار عالم کے دربار میں حاضری دے کر نماز پڑھیں اور طرح طرح سے اس کی خدمتِ عبادت بجالائیں۔ دوسرے یہ کہ ہر دم ہر قدم پر جا بجا اس کی نعمت کا چرچا کرتے رہیں۔ اور مجلس میلاد النبی میں ذکر میلاد پڑھ پڑھ کر خداوند کریم کی حمد و ثنا کرتے رہیں کہ اس رب کریم کا بہت ہی بڑا کرم عظیم ہے کہ اس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری ہدایت کیلئے بھیج دیا۔ تو برادرانِ اسلام! خوب سمجھ لیجئے کہ مسجد میں نماز، اور جلسوں میں ذکرِ میلاد یہ دونوں شکرِ نعمت کے طریقے ہیں ہم مسجد میں جاکر خدا کی نماز پڑھتے ہیں یہ بھی نعمتِ خداوندی کا شکریہ ہے اور محفل میلاد شریف میں بار بار ولادتِ رسول کا تذکرہ پڑھتے اور حمد الٰہی کرتے رہتے ہیں۔ یہ نعمتِ رب کے شکریہ ادا کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

لہٰذا اے برادرانِ اسلام! آپ مسجدوں میں نماز بھی پڑھیے۔ اور مجالس میں ذکر میلاد بھی کرتے رہیئے۔ اور دونوں طریقوں سے اپنے ربِّ کریم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہیئے! اور آپ یقین رکھیئے کہ نماز اور ذکرِ میلاد کا چرچا نہ مٹا ہے نہ مٹ سکے گا بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے مٹانے والے خود ایک دن مٹ جائیں گے۔ اسی لیے میرے بزرگو اور بھائیو! آپ تو نماز کے ساتھ ذکرِ میلاد کی بھی دھوم مچاتے ہی رہیئے۔ اور عید میلاد پر فرح و سرور کا مظاہرہ کرتے ہی رہیئے۔ اور منکرین کو ان کے غیظ و غضب کی آگ میں جلاتے ہی رہیئے۔! اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ؎

دشمنِ احمد پہ شدّت کیجئے	ملحدوں کی کیا مروّت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں	ذکر آیاتِ ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل	یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب	اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے

پڑھیے درود شریف صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ط

برادرانِ گرامی! خدا کی طرف سے کسی فضل و رحمت کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم تو آپ سورۂ یونس کی آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا کی تفسیر میں سُن چکے، اب خدا کی کسی نعمت کے ملنے پر عید منانے کے بارے میں ایک آیت اور بھی سن لیجئے۔ تاکہ آپ پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ حصولِ نعمت پر عید منانا انبیائے سابقین کی بھی سنّت کریمہ ہے۔

آسمان کا دسترخوان

برادرانِ اسلام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امّت نے یہ درخواست کی تھی۔ کہ آپ ہمارے لیے آسمان سے ایک دسترخوان نازل کرائیے تاکہ ہم اس میں سے کھائیں۔ اور ہمارے دلوں کو آپ کی صداقت کا اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا دعا کی؟ سنئے!

قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ہ

(مائدہ)

یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے عرض کی اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتار دے تاکہ وہ ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے "عید" ہو۔ اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

چنانچہ آپ کی اس دعا سے خداوندِ عالم نے آسمان سے ایک دستر خوان اتار دیا جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں پکی ہوئی تھیں۔ اور آپ کی امت نے اس میں سے کھا پی کر اطمینانِ قلب حاصل کیا۔

محترم سامعین! آپ نے غور کیا؟ کہ اس دعا میں تکون لنا عیدًا سے ثابت ہوتا ہے کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص رحمت نازل ہو۔ اس دن عید منانا، شادمانی و مسرت کا اظہار کرنا، عبادتیں کر کے شکر الٰہی بجالانا سنتِ انبیاء و طریقۂ صالحین ہے۔ اب آپ ہی بتائیے! کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کتنی عظیم ترین نعمت ہے،؟

لہٰذا ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا، میلاد شریف، پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا یقیناً ایک نیک عمل، بلکہ سنتِ انبیاء و طریقۂ صالحین ہے۔ جو الحمد للہ! کہ ہم اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے۔ اور اس سے ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں! کہ

غرض ہے دین کا ہو بول بالا | رسولِ حق کا چرچا جا بجا ہو

سلام و قیام

حضرات! بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ میلاد شریف تو خیر، ذکرِ رسول کی مجلس ہے۔ اس سے ہمیں انکار نہیں۔ مگر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ لوگ سلام و قیام کے ثبوت کے لیے بار بار قرآن و حدیث سے دلائل طلب کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ سلام و قیام کہاں سے ثابت ہے؟ تو برادرانِ ملت! ان لوگوں کا جواب دینے کے لیے سیدھی سی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں رب العالمین نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو، اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔

سامعین کرام! دیکھئے اس آیت میں خداوند قدوس نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہ حکم مطلق ہے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ تم بیٹھ کر درود وسلام پڑھو یا کھڑے ہو کر۔ بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ درود وسلام پڑھو۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ درود وسلام پڑھنے کے لیے کوئی خاص ہیئت معین نہیں ہے بلکہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر ہر طرح درود وسلام پڑھنا جائز و درست ہے۔ اسی لیے اہل سنت کا یہ عمل ہے کہ پہلے ذکرِ میلاد کے وقت بیٹھ کر بار بار درود وسلام پڑھتے ہیں۔ اور پھر میلاد کے خاتمے پر کھڑے ہو کر بھی چند بار درود وسلام پڑھ لیتے ہیں تاکہ بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں شکلوں میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سعادت حاصل ہو جائے۔

حضرات! جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر ہر طرح درود وسلام پڑھنا جائز ہے۔ اُس سے دلیل طلب کرنا کہ بتاؤ کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ یہ انتہائی درجے کی جہالت وحماقت ہے۔ دلیل تو اس سے طلب کی جائے گی جو یہ کہتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے تو درود وسلام پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم بتاؤ۔ تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ کہ بیٹھ کر تو صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔ اور کھڑے ہو کر ناجائز ہے۔

مسلمانو! اہل سنّت جو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح سلام پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا قول وعمل بالکل قرآن کے فرمان کی تعمیل ہے۔ کہ قرآن میں درود وسلام پڑھنے میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مطلق فرمایا گیا کہ درود وسلام پڑھو۔ مگر جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن نے کہیں نہیں فرمایا کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام مت پڑھو۔

ایک شبہ کا جواب

برادرانِ اسلام! سلام وقیام کے بعض منکرین کبھی

یوں بھی دھوکا دیتے ہیں، کہ دیکھو نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ التحیات اور درود شریف دونوں بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور التحیات میں "السلام علیك ایها النبی" ہے تو چونکہ صلوٰۃ وسلام نماز میں بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے میلاد شریف میں بھی بیٹھ کر ہی صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیئے۔

تو برادرانِ ملّت! اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نماز کی تمام دعائیں اور ہیئتیں شریعت کی طرف سے معین ہیں اور اس میں عقل وقیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس لیے میلاد کو نماز پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کیوں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر نماز میں صلوٰۃ وسلام بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے۔ تو میلاد میں بھی بیٹھ کر ہی پڑھا جائے۔ دیکھ لیجئے! نماز میں قرآن مجید صرف کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ اور نماز کے اندر رکوع یا سجدہ، یا بیٹھنے کی حالت میں قرآن پڑھنا منع ہے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ نماز میں قرآن کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے نماز کے باہر بھی قرآن کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے۔ اسی طرح "تسبیحات" نماز میں رکوع وسجدہ کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے؟ کہ تسبیحات چونکہ نماز میں رکوع وسجدہ کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے نماز کے باہر بھی "تسبیحات" کو رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں پڑھنا لازم ہے تو جب قرأت وتسبیح کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تو پھر صلوٰۃ وسلام کے بارے میں بھی یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ کہ چونکہ صلوٰۃ وسلام نماز میں بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے اس لئے میلاد میں بھی صلوٰۃ وسلام بیٹھ کر پڑھنا چاہیئے؟

اور برادرانِ اسلام! ایک دوسری خاص بات بھی ہے جو سننے کے قابل ہے وہ یہ کہ قرآن نے وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط فرمایا، دیکھئے! سَلِّمُوْا فعل امر کے بعد تسلیماط مفعول مطلق کا بھی ذکر کیا گیا۔ جو یہاں تاکید کے لیے ہے، تو اس کا حاصلِ مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ سلام پڑھو جیسا سلام پڑھنے کا حق ہے، یعنی ادب واحترام اور وقار کے ساتھ سلام پڑھو۔ اب غور کیجئے کہ نماز کی حالتوں، یعنی قیام، رکوع، سجود، قعود، قومہ، جلسہ، میں سب سے زیادہ ادب واحترام اور اطمینان ووقار کی حالت "قعود" یعنی بیٹھنے

کی ہیئت ہے۔ اور نماز کے باہر ہمارا عرف یہ ہے کہ سب سے زیادہ ادب و احترام اور وقار و تعظیم کی ہیئت "قیام" یعنی کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ بیٹھ کر سلام کرنے والے کو ہمارے عرف میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا کیوں کہ نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں زیادہ ادب واحترام اور اطمینان ووقار کا اظہار ہوتا ہے۔ اور نماز کے باہر میلاد وغیرہ میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں ہمارے عرف کے لحاظ سے زیادہ ادب واحترام، اور اطمینان ووقار کا مظاہرہ ہوتا ہے اس لیے اہل سنت نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور میلاد میں کھڑے ہو کر!

صلوٰۃ وسلام میلاد کے آخر ہی میں کیوں

برادران ملت! ہاں! اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ میلاد شریف کے خاتمہ پر کیوں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے اوصاف کا ذکر کرتے وقت صلوٰۃ وسلام کا التزام نہیں کیا جاتا مگر ذکرِ ولادت اور میلاد شریف کے خاتمہ پر بالالتزام صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا معمول ہے یہ کیوں؟ آخر ذکرِ ولادت سے صلوٰۃ وسلام کو کون سا ایسا خاص تعلق ہے کہ جب میلاد شریف پڑھا جاتا ہے۔ تو صلوٰۃ وسلام بھی ضرور پڑھا جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ذکرِ ولادت کے بعد سلام پڑھنا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے! دیکھ لیجئے! قرآن مجید میں خداوند قدوس نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلاد شریف، اور ان کی ولادت کا تذکرہ سورۂ مریم میں فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا مانگی پھر دعا قبول ہوئی۔ اور منجانب اللہ بیٹے کی بشارت ملی۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس طرح خداوند عالم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا پورا میلاد بیان فرمایا اور ذکرِ ولادت ختم فرما کر حضرت یحییٰ پر سلام بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ:

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ

یعنی حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی ولادت کے دن بھی، ان کی وفات کے دن بھی۔ ان

حَيًّاہ (مریم) | کے قبر سے اٹھنے کے دن بھی!

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد شریف جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بیان فرمایا۔ تو حضرت بی بی مریم کا حاملہ ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا۔ اور گہوارہ میں گفتگو کرنا وغیرہ سب کچھ مفصل بیان فرما کر جب ذکرِ ولادت ختم ہو گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانِ فیض ترجمان سے سلام پڑھنے کا ذکر خداوند کریم نے اس طرح فرمایا کہ:

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّاہ

یعنی سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں قبر سے زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔

برادرانِ اسلام! دیکھ لیجئے ذکرِ ولادت اور اسلام میں یہ تعلق ہے کہ حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں پیغمبروں کے میلاد کے خاتمہ پر سلام پڑھا گیا۔ اسی سنتِ باری تعالیٰ پر عمل کرنے کے لیے اہل سنت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے خاتمہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ پڑھئے درود شریف: اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم۔

بزرگو اور بھائیو! حقیقت تو یہ ہے کہ بعض لوگوں کو میلاد شریف اور سلام و قیام سے چڑ پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب کسی آدمی کو کسی چیز سے چڑ پیدا ہو جاتی ہے تو لاکھ اس کے سامنے اُس چیز کی خوبیاں بیان کرتے رہئے مگر وہ ہمیشہ اُس چیز میں عیب نکال نکال کر اُس سے اظہار نفرت ہی کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ کریلے سے، کچھ لوگ جلیبی سے، کچھ لوگ گلاب جامن سے چڑ جاتے ہیں، تو اب لاکھ ان لوگوں کے سامنے ان چیزوں کے فضائل اور ان کی خوبیوں کے دلائل پیش کرتے رہئے، مگر یہ لوگ ان چیزوں کا نام سنتے ہی گالیوں کے سوا دوسری کوئی بات ہی نہیں کریں گے۔ اسی طرح میلاد شریف اور سلام و قیام سے چڑ جانے والوں کے سامنے کتنے ہی دلائل کیوں نہ پیش کیے جائیں۔ مگر یہ لوگ میلاد و قیام کا نام سنتے ہی جل مرتے ہیں۔ اور کچھ سننے کے لیے تیار

ہی نہیں ہوتے ۔ برادرانِ اسلام! آپ لوگ دل میں کہتے ہوں گے کہ مولانا صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا میلاد و قیام بھی کوئی چڑھنے کی چیزیں ہیں؟ جو کوئی ان سے چڑ جائیگا؟ تو بھائیو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ کسی چیز سے چڑھ پیدا ہونے میں ذرا دیر نہیں لگتی کبھی کبھی ایسی چیزوں سے چڑھ پیدا ہو جاتی ہے جو آدمی کو بہت زیادہ پسند ہوتی ہیں۔

لطیفہ سُنا ہے کہ بمبئی میں ایک ملّاجی تھے، اور منشی جی ۔ دونوں بڑے گہرے دوست تھے ۔ اور ایک ہی محلّے میں رہتے تھے ۔ ملّاجی گلاب جامن سے چڑھتے تھے ۔ ایک دن منشی جی کہنے لگے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کو بعض چیزوں سے چڑھ کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟ ملّاں جی نے کہا کہ بھائی یہ حقیقت ہے کہ چڑھ ہو جاتی ہے ۔ اس کو کیا کیجئے گا؟ کہ کبھی کبھی اچھی چیزوں سے بھی آدمی چڑھنے لگتا ہے ۔ مگر منشی جی کسی طرح ماننے کو تیار نہیں ہوئے یہ اچھی چیزوں سے بھی چڑھ ہو سکتی ہے ۔ ملّاجی نے کہا اچھا منشی جی! بتایئے آپ کو چٹنیوں میں کون سی چٹنی بہت زیادہ پسند ہے؟ منشی جی بولے کہ آم کی چٹنی! ملّاجی خاموش رہے اور ایک ہفتے کے بعد چند آدمیوں کو تیار کیا کہ جونہی منشی جی کھانے کے لیے بیٹھیں لوگ باری باری جا کر منشی جی سے آم کی چٹنی مانگیں ۔ چنانچہ منشی جی ایک بجے دن میں اسکول سے دھوپ میں جلتے ہوئے گھر آئے ۔ اور جیسے ہی دسترخوان پر بیٹھے کہ ایک آدمی آیا اور سلام کے بعد کہا کہ منشی جی! ملّاجی نے آم کی چٹنی مانگی ہے ۔ منشی جی نے کہا بھائی! آج چٹنی نہیں بنی ہے جب بنے گی تو بھیج دوں گا ۔ یہ آدمی باہر نکلا ہی تھا اور منشی جی نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ منشی جی! ملّاجی نے آم کی چٹنی مانگی ہے ۔ اب کی مرتبہ منشی جی ذرا زور سے بولے کہ اجی کہہ تو دیا کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے ۔ دوسرا آدمی باہر نکلا تو تیسرا پہنچا ۔ اور بولا کہ منشی جی! ملّاجی نے آم کی چٹنی مانگی ہے ۔ اب منشی جی کا پارہ چڑھ گیا اور حلق میں لقمہ پھنستے پھنستے چلا کر بولے! اجی کیا بار بار چٹنی چٹنی لگا رکھا ہے کہہ تو دیا ایک مرتبہ کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے، تیسرا آدمی دروازے ——

ہی میں تھا کہ چوتھا آدمی دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ منشی جی! ملاجی نے چٹنی مانگی ہے۔ جلدی دیجیئے۔ منشی جی جھلا گئے۔ اور پوری طاقت سے تڑپ کر بولے کہ ابے مردود! کیا چٹنی، چٹنی لگا رکھا ہے؟ چٹنی کی بھی ایسی تیسی اور تیرے ملاجی کی بھی ایسی کی تیسی۔ بار بار کہتا ہوں کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے مگر پھر بھی چٹنی چٹنی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ منشی جی چوتھے آدمی پر برس ہی رہے تھے کہ پانچواں آدمی پہنچ گیا اور تڑاخ سے بولا کہ ملاجی نے چٹنی مانگی ہے اور خفا ہو رہے ہیں کہ ہم نے چار چار آدمیوں کو بھیجا مگر آپ چٹنی نہیں دیتے۔ اب تو منشی جی آپے سے باہر ہو گئے اور دسترخوان کے برتن پٹک پٹک کر اور منہ میں جھاگ بھر کر چیخنے اور چلانے لگے۔ ابے ظالمو! دیکھ لو۔ کہاں ہے چٹنی؟ جاؤ جا کر ملا شیطان سے کہہ دو کہ اب اگر کسی کو بھیجا تو خیریت نہیں ہوگی۔ پانچواں آدمی جوں ہی مکان سے نکلا اور منشی جی گلے کی رگ پھلائے غصے میں ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہے تھے کہ چھٹا آدمی دوڑتا ہانپتا آیا۔ اور چلا کر بولا کہ منشی جی چٹنی دیجیئے، جلدی چٹنی دیجیئے ملاجی بہت خفا ہو رہے ہیں۔ اب تو منشی جی جامے سے باہر ہو گئے۔ اور لکڑی اٹھا کر دوڑے کہ ٹھہر ملاجی کے بچے! ابھی بتاتا ہوں کہ کیسی ہوتی ہے آم کی چٹنی؟ منشی جی دوڑے اور یہ بھاگا۔ باہر نکلتے ہی ساتواں آدمی ملا اور کہنے لگا کہ ہاں ہاں آپ کہاں جا رہے ہیں؟ ارے ملاجی کے لیے آم کی چٹنی تو دیتے جائیے! اب کچھ نہ پوچھئے؟ منشی جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ! اور ایک لکڑی مار کر ساتویں آدمی کا سر پھاڑ دیا اور اس دن سے منشی جی کا یہ حال ہو گیا کہ جو آم کی چٹنی کا نام لیتا۔ منشی جی اس پر آگ بگولا ہو جاتے اور آم کی چٹنی منشی جی کی چڑھ بن گئی۔

"خیر" تو برادرانِ ملت! ان چڑھ جانے والوں سے تو ہمیں کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ مگر ہاں! ہمیں ان انصاف پسند لوگوں سے گزارش کرنی ہے جو ہر مسئلے کو ٹھنڈے دل سے سنتے، سوچتے اور سمجھتے ہیں ہمیں ان حق پسندوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ ...شریف اور صلوٰۃ وسلام ذکرِ رسول کا نام ہے۔ اور اس کی اصل قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔

میلاد اور قرآن

چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ جو میں نے خطبہ کے بعد تلاوت کی اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اور تشریف آوری کا ذکر خود خداوند قدوس نے بیان فرمایا چنانچہ مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝	یعنی بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جو تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، جو مسلمانوں پر بہت زیادہ مہربان، اور رحم فرمانے والے ہیں۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ اس آیت میں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ کے جملہ میں ولادت رسول کا ذکر فرمایا۔ اور مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے لفظ سے آپ کے نسب اور خاندان کا بیان فرمایا۔ اور عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ اور فضائل کا تذکرہ فرمایا۔ للہ! انصاف کر کے آپ بتا دیجئے! کہ میلاد شریف میں اس کے سوا اور کن چیزوں کا بیان ہوتا ہے! میلاد شریف میں ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں یہ سب کچھ قرآن میں خود رب العٰلمین نے فرمایا ہے۔

حدیثِ میلاد النبی

حضرات! قرآن کی ایک آیت میں تو آپ نے ذکرِ میلاد سُن لیا۔ اچھا آئیے! اب ذرا حدیثوں پر ایک نظر ڈالیے۔

برادرانِ اسلام! احادیث میں تو اس کثرت سے میلاد شریف کا تذکرہ ہے کہ مجھ جیسا کم علم بھی اس مضمون کی سیکڑوں حدیثیں پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ محدثین کرام مثلاً امام ترمذی نے تو اپنی کتاب میں "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا باب ذکر فرما کر اس میں ولادتِ رسول ﷺ اور سالِ پیدائش کی حدیث نقل فرمائی ہے لیکن میں اس وقت صرف ایک وہ حدیث پیش کرتا ہوں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنا میلاد شریف بیان فرماتے ہوئے صحابہ کرام کی محفل میں ارشاد فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف صـ۵۱۳ پر ہے۔

سَاُخْبِرُکُمْ عَنْ اَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَدْ خَرَجَ بِھَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَھَا مِنْہُ قُصُوْرُ الشَّامِ۔

یعنی میں تم لوگوں کو اپنے ابتدائی معاملہ کی خبر دیتا ہوں دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی اور میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خوشخبری ہوں۔ وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ اور میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا وَقَدْ خَرَجَ بِھَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَھَا مِنْہُ قُصُوْرُ الشَّامِ کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انھیں ملک شام کے محلات نظر آگئے۔

برادرانِ ملّت! حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اس کا کیا مطلب ہے؟ سنئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام میں رہتے تھے۔ اچانک حکم الٰہی ہوا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو حجاز کی اس بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر چلے آؤ جہاں کعبہ بننے والا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچّے کے ساتھ سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ حفیظ جالندھری نے کیا خوب لکھا ہے ؎

خدا کے حکم سے مرسل نے جب رختِ سفر باندھا
جنابِ ہاجرہ نے دوش پر لختِ جگر باندھا

خدائی قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر
معزز جس کو ہونا تھا زمینوں آسمانوں پر

چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر
جہاں دیتا ہے انساں موت کو ترجیح جینے پر

وہ صحرا جس کا سینہ آتشیں کرنوں کی بستی ہے
وہ مٹی جو سدا پانی کی صورت کو ترستی ہے

یہ وادی گو بظاہر ساری دنیا سے نرالی تھی
یہی اک روز دینِ حق کا مرکز بننے والی تھی

یہیں ننھے سے اسماعیل کو لاکر بسانا تھا
یہیں اپنی جبینوں سے خدا کا گھر بسانا تھا

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس سنسان بیابان میں حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو چھوڑ کر چلے آئے جب ماں اور بیٹا پیاسے ہوئے تو پروردگار عالم نے چشمۂ زمزم

جاری فرمایا۔ قصہ مختصر! جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر خدا کے حکم سے "کعبہ" بنایا اور کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے اپنے رب جلیل سے گڑ گڑا کر یہ دعا مانگی!

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (بقرہ)

یعنی اے میرے پروردگار! میری اولاد میں ایک رسول انھیں میں سے بھیج دے کہ وہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔ اور انہیں کتاب اور پختہ علم سکھائے۔ اور انھیں خوب ستھرا فرمائے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

برادران ملت! یہی وہ دعائے ابراہیمی ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ و اسلام فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ یعنی میری ہی ولادت و بعثت کے لیے حضرت خلیل اللہ نے کعبہ بنا کر دعا مانگی تھی۔

برادران اسلام! حدیث کا دوسرا جملہ کہ "میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خوشخبری ہوں" یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس وعظ کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے بنی اسرائیل کے سامنے فرمایا تھا جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے ان لفظوں میں فرمایا کہ:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ (الصف)

یعنی یاد کرو جب عیسٰی بن مریم علیہما السلام نے کہا تھا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا نام "احمد" ہے۔

حاضرین کرام! حدیث کا تیسرا جملہ کہ میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جس کو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ:

وَقَدْ خَرَجَ بِهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ۔

یعنی ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انھیں ملک شام کے محلات نظر آ گئے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے! اس حدیث میں خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع میں اپنا میلاد شریف بیان فرمایا۔ الغرض ذکرِ میلاد شریف قرآن و حدیث اور عملِ صحابہ سے ثابت ہے۔ قرآن و حدیث تو آپ سُن چکے۔ حضرت مخرمہ صحابی کا عمل بھی سُن لیجئے۔ آپ نے ایک مجمع میں ارشاد فرمایا کہ:

وُلِدْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِیْلِ۔

یعنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "عام الفیل" میں پیدا ہوئے۔ (ترمذی باب میلاد النبی)

فرمائیے! کیا یہ ذکرِ میلاد نہیں ہے؟ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ذکرِ میلاد خیر القرون سے آج تک صالحین امت کا معمول رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک امتِ رسول کے صالحین اس پر عمل کرتے رہیں گے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ میلاد شریف کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی خلافِ شرع بات نہ ہو۔ اور امام سیوطی نے فرمایا کہ میلاد النبی پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔ اور امام جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن و امان میں رہتے ہیں۔ اور اس میں جلد مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے۔ (روح البیان سورۂ فتح)

میلاد دافعِ شرک ہے

مگر افسوس کہ کچھ لوگوں نے اس عملِ خیر کو شرک و بدعت قرار دے کر اپنی آخرت کو خراب کر لیا حالانکہ اگر غور کیجئے تو میلاد شریف شرک سے بچانے والا عمل ہے۔ وہ کیسے! دیکھئے! حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت نے چند معجزات کو دیکھ کر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر محیر العقول ہیں۔ لہٰذا ممکن تھا کہ کم فہم آپ پر خدا ہونے کا گمان کر لیتا۔ مگر جب میلاد شریف میں یہ بار بار بیان ہوتا رہتا ہے کہ آپ اپنی والدہ کے شکمِ مبارک سے بارھویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور بی بی حلیمہ کا دودھ پیا۔ عبد المطلب پھر ابو طالب نے آپ کی پرورش کی۔ تو پھر کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ خدا ہیں۔ تو درحقیقت

میلاد شریف امت کو شرک سے بچانے کا ایک بہترین عمل ہے ۔ مگر اس کا کیا علاج ؟ کہ

؎ خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد ‏ ‏ ‏ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بیانِ ولادت

سامعینِ محترم ! بہر حال میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا ۔ اب میں نہایت مختصر لفظوں میں تولد شریف کا ذکر پڑھ کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں ۔ آپ لوگ باآواز بلند درود شریف کا ورد کریں ؎

رَبِّ سَلِّمْ عَلٰی رسول اللّٰہ	مَرْحَبَا مَرْحَبَا رسول اللّٰہ

حاضرین کرام ! خلاق عالم جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ :

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ	یعنی تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آئی ۔

مولیٰ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ۔ کہ میرا حبیب نور ہے ۔ حدیث شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَ كُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ وَاَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ ۔	یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا ۔ اور تمام مخلوقات کو میرے نور سے بنایا ۔ اور میں اللہ کا نور ہوں ۔

بزرگانِ ملت ! روایت ہے کہ زمین و آسمان کے پیدا ہونے سے بہت پہلے خداوندِ قدوس نے اپنے حبیب کے نور کو پیدا فرمایا پھر جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلعتِ وجود بخشا ۔ تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پیشانی میں ودیعت فرمایا ۔ اور فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کریں ۔ اس طرح حضرات ملائکہ کو نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا شرف حاصل ہوا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام بحکم رب العٰلمین روئے زمین پر تشریف لائے اور توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہونے لگا اور درجہ بدرجہ یہ نور مکرم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا ۔

اور ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ خاتون کو تفویض ہوا۔

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْنِ
مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرَ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی نُوْرِکَ الْاَنْوَرِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْمُنَوَّرِ ط
وَاَصْحَابِہٖ السُّرُجِ الْغُرَرِ ط اِلٰی یَوْمِ الْمَحْشَرِ ط

برادرانِ اسلام! جن جن پیشانیوں میں یہ نورِ منور جلوہ گر ہوا عجیب عجیب اور طرح طرح کے خوارقِ عادات کا ظہور ہوا۔ جب اس نورِ مقدس نے حضرت بی بی آمنہ رض کو مشرف فرمایا تو تمام بُت منہ کے بل اوندھے گر پڑے اور قریش جو قحط سالی کے وبال میں تھے اس نور کی برکتوں سے نہال ہو گئے۔ بارانِ رحمت سے سرزمین عرب سرسبز و شاداب ہو گئی۔ اسی لیے عرب نے اس سال کا نام سنۃ الفرح والابتہاج رکھ دیا۔ یعنی شادابی و شادمانی کا سال۔ حضرت بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو ایام حمل میں کوئی تکلیف یا گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور میں ہر رات خواب میں انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوتی تھی۔ ایک فرشتہ مجھے خواب میں اس طرح بشارت دیتا تھا کہ اے آمنہ! اے اللہ کی بندی! تجھے بشارت و مبارکباد ہو کہ بہترین خلائق تیری گود میں پیدا ہونے والے ہیں۔ جب یہ ہدایت و فلاح کا سورج طلوع ہو جائے تو ان کا نام نامی و اسم گرامی محمد رکھنا۔

پڑھیے درود شریف: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمد وصحبہٖ وبارِک وسلم!

محترم حاضرین! اب وہ ساعتِ سعید قریب سے قریب تر آگئی ہے کہ مُنعم ذوالجلال کی سب سے بے مثال نعمت اہلِ عالم کو نہال، اور خزائنِ الٰہی کی سب سے عظیم دولت روئے زمین کو اپنے وجودِ جمال سے مالا مال کرنے والی ہے یعنی ؎

ربیع الاوّل امیدوں کی دنیا ساتھ لے آیا
دعاؤں کی قبولیت کو ہاتھوں ہاتھ لے آیا
خدا نے ناخدائی خود کی انسانی سفینے کی

کہ رحمت بن کے چھائی بارہویں شب اس مہینے کی
مرادیں بھر کے دامن میں مناجات زبور آئی
امیدوں کی سحر پڑھتی ہوئی آیاتِ نور آئی !

عام الفیل - بارہویں ربیع الاول - دوشنبہ کی صبح صادق کے وقت حضرت جبریل امین ستر ہزار ملائکہ مقربین کی جماعت کے ساتھ روئے زمین پر تشریف لائے اور شہنشاہ دوسرا، محبوب کبریا، احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد پر استقبال کے لیے سراپا انتظار تھے - کہ ؎

یکایک ہو گئی ساری فضا تمثالِ آئینہ
نظر آیا معلق عرش تک اک نور کا زینہ
بجائی بڑھ کے اسرافیل نے پُرکیف شہنائی
ہوئی فوج ملائک جمع زیر چرخ مینائی
خدا کی شان رحمت کے فرشتے صف بصف اترے
پرے باندھے ہوئے سب دین و دنیا کے شرف اُترے
سحابِ نور آکر چھا گیا مکے کی بستی پر
ہوئی انوار کی بارش بلندی اور پستی پر

حضرت جبریل علیہ السلام ایک مرتبہ کعبہ میں خدا سے دعائیں کرتے اور ایک مرتبہ درِ رسول پر آمد آمد کی التجائیں کرتے - یہی منظر تھا کہ ناگہاں ؎

ہوا عرشِ مُعلیٰ سے نزولِ رحمتِ باری
تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری
ابھی جبریل اُترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے
مبارک ہو کہ ختم المرسلیں تشریف لے آئے
جناب رحمۃً للعالمیں تشریف لے آئے

بصد اندازِ یکتائی بغایت شانِ زیبائی

"امین" بن کر امانت آمنہ کے گود میں آئی !

یعنی ہزاروں جاہ و جلال ، اور شوکت و کمال کے ساتھ نبی آخر الزمان خاتم پیغمبران صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا۔ اور تولد ہوئے اور اس طرح ؎

ہوئے پہلوے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

حاضرین کرام ! بصد ادب و احترام کھڑے ہو کر شہنشاہِ مدینہ کی بارگاہِ عظمت میں چند بار صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیجئے !

صلوٰۃ و سلام

یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک	صلوات اللہ علیک

اَرۡسَلَ اللہ تعالیٰ	عندنا نورًا مُّبِینًا

مُصۡطَفٰی مَاجَاءَ اِلَّا	رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَا

یَا نبی سَلَام عَلَیۡكَ

آپ سلطانِ مدینہ	مہبط وحی السکینہ !

نور سے معمور سینہ	مشک سے بہتر پسینہ

یا نبی سَلَام عَلَیۡكَ

اے شہنشاہِ مدینہ	ہند میں مشکل ہے جینا

پار ہو میرا سفینہ	یا غیاث العالمینا

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین

دوسرا وعظ

تجلیات معراج

شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت
بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبیؐ

☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ فَوْقَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝ وَشَرَّفَهٗ بِغَايَةِ قُرْبِهٖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ وَاصْطَفَاهُ لِرُؤْيَتِهٖ وَكَلَامِهٖ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْمُجْتَبٰی ۝ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ صَعِدُوْا فِیْ مَعَارِجِ الْحَقِّ وَالْهُدٰی ۝ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (بنی اسرائیل)

محترم سامعین! پہلے بہ آواز بلند درود شریف کا ورد فرمایئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ ۝ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ هُدَاةِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ۝

حضراتِ گرامی! اس وقت میں نے سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت تلاوت کی ہے۔ اور آج میں "معراج النبی" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض گوشوں پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں "معراج" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزاتِ جلیلہ میں سے ایک بہت عظیم الشان اور نہایت ہی محیر العقول معجزہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص کبریٰ میں شمار کیا جاتا ہے۔ خصائص کبریٰ کیا؟ آپ یوں سمجھئے کہ خداوند عالم نے تمام انبیاء ومرسلین کے معجزات کو حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات میں جمع فرمادیا۔ اور ان کے علاوہ ایسے خاص خاص معجزات سے بھی حضرت حق مجدہٗ نے آپ کو ممتاز فرمایا جو آپ کے سوا کسی نبی ورسول کو نہیں عطا کئے گئے یہی معجزات آپ کے خصائص کبریٰ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ معجزۂ معراج بھی انہیں خصوصی معجزاتِ نبوّت میں سے ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی ورسول اس سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

معزّز حاضرین! "معراج" کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کے ایک مختصر حصّے میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ سے اُوپر جہاں تک باری تعالیٰ نے چاہا تشریف لے گئے۔ اور عرش وکرسی، لوح وقلم، جنّت ودوزخ وغیرہ آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا۔ اور رب العرش کے دیدار، اور اس کی بے انتہا نوازشوں، اور لاتعداد عنایتوں سے سرفراز ہو کر واپس تشریف لائے۔

برادرانِ ملّت! اس واقعۂ معراج کی صداقت پر دورِ صحابہ سے آج تک تمام اہلِ حق کا اتفاق رہا۔ اور کفّار وملحدین کے سوا کوئی بھی اس معجزہ کا منکر نہیں ہوا۔ اور حق تو یہ ہے کہ معراج سے انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ آخر معراج کیا ہے؟ در حقیقت معراج ایک نہایت ہی تیز رفتار حرکت ہی تو ہے کہ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی، بستر بھی رہا گرم
تا عرش گئے اور چلے آئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ ہی بتایئے کیا حرکت کی سرعت، اور تیز رفتاری کی کوئی حد معیّن ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ فلاں چیز کی رفتار سے زیادہ تیز کسی چیز کی رفتار نہیں ہو سکتی نہیں ہرگز نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ حرکت کی سرعت اور تیز رفتاری کی کوئی حد معین ہی نہیں ہے۔ للذا حرکت سریع سے سریع تر، اور تیز سے تیز تر ہو سکتی ہے۔

تیز رفتاری کا دارومدار

یاد رکھیے حرکت کی تیز رفتاری کا دارومدار درحقیقت محرک کی طاقت، اور متحرک کی صلاحیّت پر موقوف ہے۔

یعنی چلانے والے میں جس قدر زیادہ طاقت، اور چلنے والے میں جتنی زیادہ صلاحیّت ہوگی اسی قدر چال زیادہ سے زیادہ، اور رفتار تیز سے تیز تر ہوگی۔ مثال کے طور پر آپ یوں سمجھئے کہ اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک ریل گاڑی جس میں تھرڈ کلاس، سیکنڈ کلاس، فرسٹ کلاس وغیرہ کے بہت سے ڈبے جڑے ہوئے تھے، اور سینکڑوں مسافر اپنے اپنے سامانوں کے ساتھ سوار تھے اور اس ریل گاڑی کے آگے ایک چوہیا بندھی ہوئی تھی جو اس ریل گاڑی کو ایک گھنٹہ میں پچاس میل کی رفتار سے کھینچے لیے جا رہی تھی۔ تو آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ یہ شخص یا تو دنیا بھر کے جھوٹوں اور بنڈل بازوں کا پیرو مرشد ہے، یا اس کے دماغ کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اتنی بڑی ریل گاڑی کو ایک چوہیا کھینچ لے جائے۔ دیکھئے! آپ نے اس حرکت کا کیوں انکار کر دیا؟ اسی لیے تو کہ متحرک یعنی ریل گاڑی میں اگرچہ حرکت و تیز رفتاری کی صلاحیّت موجود ہے مگر محرک یعنی چوہیا میں اتنی طاقت نہیں ہے جو اتنی بڑی ریل گاڑی کو اس رفتار کے ساتھ چلا سکے۔ اسی طرح اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں نے ریلوے لائن پر ایک ایسا انجن دیکھا ہے جس کے پیچھے چند درخت اور چند مکانات اور کچھ پہاڑیاں جڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ انجن ریلوے لائن پر ایک گھنٹے میں پچاس میل کی رفتار سے ان درختوں، اور مکانوں، اور پہاڑوں کو کھینچے لیے چلا جا رہا تھا۔ تو آپ یہ سن کر فوراً پکار اٹھیں گے کہ یہ یا تو ہمالیہ سے بھی بڑا جھوٹ ہے، یا اس خبر کا سنانے والا تمام پاگلوں کا گرو گھنٹال ہے۔

کیوں؟ اس لیے کہ محرک یعنی انجن میں تو چلانے کی طاقت موجود ہے مگر درخت و مکانات اور پہاڑیوں میں ریلوے لائن پر چلنے کی صلاحیت موجود نہیں لیکن اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں نے ریلوے لائن پر ایک گاڑی کو دیکھا ہے کہ اس کو ایک انجن ایک گھنٹے میں ستر میل کی رفتار سے کھینچے جارہا تھا تو اس خبر میں ذرا بھی آپ کو نہ تعجب ہوگا نہ انکار بلکہ اس خبر کو آپ سو فیصدی صحیح مان لیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ انجن میں اس قدر تیز رفتاری سے چلانے کی طاقت موجود ہے۔ اور ریل گاڑی میں اتنی تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

برادرانِ ملت! پتا چلا کہ چلانے والے میں جس قدر زیادہ طاقت ہوگی اور چلنے والے میں جتنی زیادہ چلنے کی صلاحیت ہوگی۔ اسی قدر حرکت میں سرعت اور رفتار میں تیزی ہوگی۔ اب آپ غور کیجئے کہ معراج کی تیز رفتار چال میں چلانے والا کون ہے؟ اور چلنے والا کون؟ تو ارشادِ خداوندی ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی معراج میں چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور چلنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں — سبحان اللہ! مسلمانو! بتاؤ! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر طاقت و قدرت والا کون ہو سکتا ہے؟ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر صلاحیت والا کون ہو سکتا ہے؟ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی قدرت و طاقت والا نہیں۔ اور قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور سے بڑھ کر کسی چیز میں تیز رفتاری کی صلاحیت نہیں ہے تو پتا چلا کہ دنیا میں کوئی تیز سے تیز رفتار بھی معراج کی تیز رفتاری سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معراج کی تیز رفتار چال یعنی ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی، بستر بھی رہا گرم،
تا عرش گئے اور چلے آئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جس طرح چاند اور سورج کی روشنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح شبِ معراج میں صاحبِ لولاک سیّارِ افلاک صلی اللہ

علیہ وسلم کی تیز رفتاری کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا!

نور کی تیز رفتاری

برادرانِ ملت! کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ نور کی تیز رفتاری کا کیا عالم ہے؟ اللہ اکبر! دیکھئے پہلا آسمان زمین سے پانچ سو برس کے راستے کی دوری ہے۔ مگر ہماری آنکھوں کے نور کی یہ کیفیت ہے کہ ایک سیکنڈ میں ہماری آنکھوں کے نور سے نکلنے والی شعاع پہلے آسمان تک بلکہ چاند، سورج ستاروں تک پہنچ جاتی ہے جو زمین سے ہزاروں برس کی مسافت کے فاصلے پر ہیں۔ مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ ہماری آنکھوں کا وہ نور جو گوشت روٹی، دال، چاول بھاجی، ترکاری وغیرہ معمولی غذاؤں سے پرورش پاتا ہے۔ جب اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں لاکھوں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے تو پھر وہ نور جو نُورٌ عَلیٰ نُورٍ بلکہ تمام عالمِ انوار کا منشاء نور و مصدرِ ظہور ہے۔ اگر رات کے ایک مختصر حصے میں فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک کا راستہ طے کر لے تو اس میں کون سا تعجب ہے؟

برادرانِ ملت! یہ ایک تعجب خیز سانحہ ہے کہ پٹرول سے چلنے والا اور انسان کا بنایا ہوا ایک انجن سیکڑوں من لوہے کے ہوائی جہاز اور راکٹ کو ہزاروں فٹ کی بلندی پر چند منٹوں میں اڑا کر لے جاتا ہے اور ایک گھنٹے میں ہزار میل کی رفتار سے فضائے آسمانی میں اڑتا چلا جاتا ہے تو اس پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے نہ انکار، مگر خلاق عالم جو قادرِ مطلق اور قیوم برحق ہے اگر وہ اپنے نورِ خاص، سیارِ افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک چند ساعتوں میں سیر کراتا ہے تو سائنس کے غلام عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر تعجب و انکار کا جھنڈا لہرانے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ معراج کو ہماری عقل تسلیم نہیں کرتی۔

برادرانِ ملت! میں تو اکثر ان لوگوں سے یہ کہہ دیتا ہوں کہ بھائیو! تمہاری عقل کی بساط و حقیقت ہی کیا ہے؟ جو تم اس پر اتنا ناز کرتے ہو؟ دنیا میں ہزاروں حقائق ایسے ہیں جہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی مگر تم ان حقیقتوں کا

انکار نہیں کر سکتے۔ دیکھو بچہ بچہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ مگر للہ! بتاؤ؟ کیا تمہاری عقل میں یہ آتا ہے کہ ایک قطرہ نجس پانی سے ایک پیکرِ جمیل انسان پیدا ہو سکتا ہے؟ تمہاری عقل ہرگز ہرگز اس کو نہیں سمجھ سکتی۔ مگر تم اس کو مانتے ہو۔ اور یہاں ہماری، تمہاری عقل یہی کہہ کر سپر ڈال دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قادر ہے کہ ایک قطرۂ نجس کو انسانی روپ بخش دے۔ تو پھر یہاں بھی تمہاری عقل کو یہی کہنا پڑے گا کہ وہ قادرِ مطلق و قیوم برحق جو چاند و سورج اور ستاروں کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چلاتا ہے۔ اور جو ہماری آنکھوں کے نور کی شعاعوں کو ایک سیکنڈ میں چاند و سورج تک ہزاروں میل کی بلندی پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ قدرت والا خدا اس پر بھی قادر ہے کہ چند ساعتوں میں اپنے محبوب کو فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک سیر کرا دے۔

منکرینِ قیامت کا سوال و جواب

برادرانِ ملت! مشرکین عرب نے بھی قیامت کا ذکر سن کر یہی کہا تھا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝

یعنی یہ بات عقل سے بہت ہی بعید ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے؟

خلاقِ عالم جل جلالہ نے ان قیامت کے منکروں کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

کیا آدمی نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو پانی کی بوند سے پیدا کیا، پھر وہ ہم سے کھلم کھلا جھگڑا کرنے لگا ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۚ

اور ہمارے لیے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ

کہتا ہے کہ ایسا کون ہے جو گلی سڑی

وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ — ہڈیوں کو زندہ کر دے؟

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ○ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ (یٰس)

اے محبوب تم فرمادو کہ انہیں وہ زندہ کرے گا، جس نے پہلی بار انہیں بنایا۔ اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نطفہ کو خلاق عالم انسان بنا دیتا ہے۔ یہ بھی تو تمہاری عقل میں نہیں آسکتا مگر تم اس کو مانتے ہو کہ خالقِ کائنات ایسی قدرت والا ہے کہ نطفہ کو زندہ انسان بنا دیتا ہے تو پھر یہ بھی مان لو کہ وہ گلی سڑی ہڈیوں کو بھی دوبارہ زندہ فرما سکتا ہے۔ بس خدا کی قدرت پر ایمان لاؤ اور عقل کے مداری کا تماشا مت بنو کیوں؟ اس لیے کہ ؎

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارا، نہ واعظ ہے، نہ مُلّا نہ فقیہہ

لطیفہ بزرگو اور بھائیو! حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نیو لائٹ کے اندھیرے میں عقل کے گھوڑے پر سوار ہونے والے اکثر منہ کے بل اوندھے گرا کرتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مسٹر جنٹل مین تھے جن کو اپنی عقل پر بڑا ناز تھا، اور ان پر انگریزی عقل کا اتنا بخار سوار تھا کہ اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا، نہانا دھونا، کھانا، پینا، سب کچھ انگریزی ہی میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کسی عالم سے وعظ میں تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کی تفسیر سنی۔ مولانا صاحب نے وعظ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جیسا پیدا فرمادیا اس سے زیادہ حسین، اس سے زیادہ مناسب، اس سے بڑھ کر اچھی وہ چیز ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی بے ڈھنگا پن نکال سکے۔ مسٹر جنٹل مین ناک بھوں چڑھا کر بولے، اجی مولانا رہنے بھی دیجئے! (معاذ اللہ) خدا کی پیدا کی ہوئی بعض چیزوں میں تو بہت ہی بے ڈھنگا پن ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہے؟ تربوز کی بیل کتنی نرم و نازک ہے جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے مگر خدا نے اس نرم و نازک بیل میں بیس بیس سیر کا بڑا بڑا بھاری تربوز لگا دیا اور آم کے اتنے بڑے

میں اتنے چھوٹے چھوٹے پھل لگا دیئے۔ بھلا یہ بھی کوئی تک کی بات ہے؟ کیا یہ بے ڈھنگا پن نہیں ہے؟ کہ نرم و نازک بیل میں بڑے بڑے پھل اور بڑے بڑے درختوں میں چھوٹے چھوٹے پھل؟ مولانا صاحب سمجھاتے رہے کہ میاں! خداوند تعالیٰ علیم و حکیم ہے........ اس میں بھی ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی۔ مگر ہماری ناقص و کوتاہ عقل اس حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مسٹر جنٹل مین اپنی ضد پر اڑے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں چلتے چلتے آم کے باغ میں پہنچ گئے۔ مسٹر جنٹل مین ہیٹ ہاتھ میں لیے ہوئے ننگے سر تھے۔ بیچ سر کا بال بڑھاپے کا جانور چر چکا تھا اور چندیا بالکل صاف تھی۔ خدا کی شان کہ اس چکنی کھوپڑی پر بالکل اچانک درخت سے ایک آم گرا۔ پٹاخ کی آواز آئی اور ششی کر کے مسٹر جنٹل بیٹھ گئے۔ مولانا نے فرمایا کہیے! مسٹر جنٹل مین! دیکھ لی آپ نے خدا کی حکمت؟ اگر اس درخت میں آم کے بدلے تربوز پھلا ہوتا۔ اور اس وقت وہ تربوز آپ کی اس چکنی کھوپڑی پر گرا ہوتا۔ تو وہ تربوز، اور آپ کی گردن کے اوپر کا تربوز دونوں پھٹ پھٹا کر زمین پر پڑے ہوتے۔ اور آپ کا بھیجا گلقند کا نمونہ بن کر بکھر جاتا۔ اور آپ اس وقت ہندوستان میں رہتے نہ پاکستان میں بلکہ سیدھے قبرستان میں پہنچ جاتے مگر خدا کا شکر ادا کیجئے اور ایمان لایئے کہ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ؕ بے شک خداوندی حکمت کا یہی تقاضا تھا کہ لمبے لمبے درختوں میں چھوٹے چھوٹے پھل ہوں، اور تربوز وغیرہ بڑے بڑے پھل زمین پر پھیلی ہوئی بیلوں میں ہوں تاکہ انسان کے لیے ہلاکت یا ضرر کا باعث نہ ہوں۔ مسٹر جنٹل مین! یاد رکھئے کہ خداوند قدوس علیم و خبیر ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات کے رموز و اسرار سے خوب واقف ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض کر کے اپنے ایمان کو برباد کرنا یہ عقلمند کا کام نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض کائنات عالم میں کسی مخلوق کا راز ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اپنی عقل کا قصور سمجھنا چاہیئے اور احسن الخالقین کی حکمت بھری تخلیقات پر ہرگز ہرگز اعتراض کے لیے لب کشائی تو بڑی چیز ہے کبھی دل میں اعتراض کا خیال بھی نہیں لانا چاہیئے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کتنی سچی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن؛
کہ جاہا سپر باید انداختن؛

یعنی ہر جگہ (عقل کا) گھوڑا ہی نہیں دوڑانا چاہیئے بلکہ بہت سی جگہوں پر (تسلیم و رضا) کی سپر بھی ڈال دینی چاہیئے۔

مولانا کی یہ نورانی تقریر سن کر مسٹر جنٹل مین کو ایمانی روشنی نظر آگئی۔ اور انہوں نے کہدیا کہ میں ایمان لایا کہ تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ٥

عزیزانِ ملت! سچ پوچھو تو یہ عقل، عقل کا نعرہ لگانے والے اور حقیقت بالکل ہی عقل سے بیدل ہیں۔ اجی! ان سے پوچھو تو سہی! کہ تمہاری عقل کی بساط و حقیقت ہی کیا ہے؟ جو تم اس عقل پر اس قدر ناز کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں کہ تمہاری عقل تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ تمہارا پیٹ بھر سکے۔ تمہیں تندرست رکھ سکے۔ دیکھ لو! ایک بیوپاری تجارت میں اپنی ساری عقل کا زور لگا دیتا ہے مگر پھر بھی جب اچانک بازار کا بھاؤ گر پڑتا ہے تو کروڑ پتی دیوالیہ بن جاتا ہے اور اس کی عقل اس وقت کچھ کام نہیں آسکتی۔ ایک ڈاکٹر اپنی تندرستی کے لیے اپنی عقل کی مشینری کو دن رات پوری طرح مصروف عمل رکھتا ہے۔ مگر ناگہاں اس پر ایسے مہلک مرض کا حملہ ہو جاتا ہے کہ اس کی عقل ہرن ہو جاتی ہے۔ سینکڑوں تیر بہدف دوائیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اور پچاسوں ڈاکٹر اپنی اپنی عقل کے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس مرض کے حملہ کو دفع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ پھر بھی مرض غالب آجاتا ہے۔ اور عقل کا منہ کالا، اور قدرت کا بول بالا ہو جاتا ہے۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے عقل کی لاچاری۔ اب ذرا سوچو تو سہی کہ ایسی لاچار و ناقص عقل جو ہمیں تجارت کے گھاٹے سے نہیں بچا سکتی۔ جو ہماری بیماری کو نہیں دفع کر سکتی۔ بھلا اس عقل کو مسائلِ نبوّت و الٰہیات کا دارو مدار بنانا بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے؟

عقل و عشق

مسلمانو! یاد رکھو۔ یہ ایمانیات کا میدان ہے۔ یہاں عقل کا گھوڑا لنگڑا ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ اس میدان کو تو عشق کا شہباز ہی طے کر سکتا ہے۔ نبوت و الٰہیات کے مسائل میں عقل کا جھنڈا نہیں لہرانا چاہیئے بلکہ اللہ و رسول کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایسا عشق پیدا کرنا چاہیئے کہ ہر فرمانِ خداوندی و ارشادِ نبوی پر عاشقوں کی طرح والہانہ انداز میں سر تسلیم خم کر کے ایمان لانا چاہیئے۔ آپ نے یہ کہاوت سنی ہو گی کہ "عقل" اور "عشق" میں کبھی نہیں بنی۔ کیوں؟ اس لیے کہ عقل کا مقام اور ہے اور عشق کا جہاں اور۔ علامہ اقبال نے عقل اور عشق کا فرق بیان کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ ؎

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل\
عشق اگر مصلحت اندیش ہو تو ہے خام ابھی\
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق!\
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

برادرانِ ملت! سُن لیجئے اور یاد رکھیئے کہ جب تک ایمانیات کے مسائل میں انسان عشقِ ایمانی کی اس منزل پر نہیں پہنچے گا۔ ہرگز ہرگز اس کو ایمان کا نور نصیب نہیں ہو سکتا اور وہ ہمیشہ شکوک و اوہام کی اندھیری گھاٹیوں میں اندھے اونٹ کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہے گا۔

برادرانِ ملت! یہی وہ ایمان افروز حقیقت ہے جس کو عارف رومی نے اپنے عارفانہ انداز میں کیا خوب کہا ہے ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے\
فخرِ رازی راز دارِ دیں بُدے

یعنی اگر عقلی دلیلوں پر دین کا دار و مدار ہوتا۔ تو فخر الدین رازی جو عقلی دلیلوں کے بادشاہ تھے آج دنیا میں دین کے راز دار کہلاتے مگر ایمانیات میں تو عقلی دلیلوں کا کوئی مقام ہی نہیں ہے کیوں؟ اس لیے کہ ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یعنی عقلی دلیلوں کا سہارا لینے والوں کا پاؤں تو لکڑی کا پاؤں ہوتا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ لکڑی کا پاؤں انتہائی کمزور ہوتا ہے۔

آخر میں عارف رومی ایمانیات میں عشق ایمانی اور والہانہ تسلیم و رضا کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

قال را بگزار و مرد حال شو
پیش مردِ عارفے پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

یعنی اپنی قال اقوال اور عقلی دلیلوں کو چھوڑ دے اور کسی عارف باللہ کے روبرو اپنے کو اس طرح پامالِ عقیدت کر دے کہ ایمانیات میں وہ جو کچھ کہے اُسے بلا چوں و چرا تسلیم کر لے اور عقلی دلائل کی ساری کتابوں کو نذرِ آتش کر دے۔ کیونکہ عقلی دلیلوں سے تجھے خدا نہیں مل سکتا بلکہ خدا تک رسائی کا واحد راستہ یہی ہے کہ تو اپنے دِل کے چہرے کو اپنے دلدار کی طرف متوجہ کر دے یعنی عقل کی بھول بھلیوں سے نکل کر عشقِ خدا و رسول کی شاہراہ پر گامزن ہو جا۔ پھر دیکھ کہ کس طرح اور کتنے معرفتِ الٰہی کے دروازے تجھ پر کھُل جاتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اسی حقیقت کی نقاب کشائی فرمائی ہے کہ ؎

فلسفی کو بحث میں ہرگز خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سِرا ملتا نہیں

لہٰذا برادرانِ ملّت! مسئلہ معراج ہو یا دوسرے ایمانی مسائل! اس میں ہرگز ہرگز عقل کا دخل نہ دیجئے۔ بلکہ سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ جذبہ عشق و محبت رکھتے ہوئے ہر شرعی مسئلہ پر بلا چون و چرا ایمان لائیے کیوں؟ اسلیے کہ ؎

عشق ہی ابتدائے ذات، عشق ہی انتہائے ذات
عشق نہ ہو تو شرع و دیں، بتکدۂ تصورات

بہرحال برادرانِ ملت! میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ معراج کو یہ کہہ کر کہ ہماری عقل میں نہیں آتا، انکار کر دینا یہ انتہائی جُرمِ عظیم ہے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ اگر عقلِ سلیم سے بھی اس کا جائزہ لیا جائے تو ہرگز ہرگز مسئلہ معراج عقل و فلسفہ کے خلاف نہیں، بلکہ مجھے یقین ہے کہ اگر فلسفہ کی روشنی میں بھی مسئلہ معراج کا مطالعہ کیا جائے تو معراجِ نبوی کا سمجھ لینا نہایت ہی آسان ہے۔

معراج اور فلسفہ

برادرانِ اسلام! دیکھئے فلسفۂ طبعیات کا یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک حیز طبعی اور اصلی مقام ہوتا ہے مثلاً مٹی کا اصلی مقام پانی کے نیچے، پانی کا اصل مقام ہوا کے نیچے ہوا کا اصلی مقام آگ کے نیچے ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنے حیز طبعی یعنی اصلی مقام میں رہے یا اصل میں چلی جائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز اپنے حیز طبعی یعنی اپنے اصلی مقام سے نکل کر کسی دوسرے مقام میں چلی جائے تو یہ باعثِ تعجب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً مٹی کا ڈھیلا اگر پانی میں ڈوب کر پانی کے نیچے زمین تک چلا جائے تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ مٹی کے ڈھیلے کا حیز طبعی و مقامِ اصلی پانی کے نیچے اور زمین کے اُوپر ہے۔ لیکن اگر کوئی مٹی کا ڈھیلا پانی کے اُوپر تیرنے لگے یا ہوا میں اُڑنے لگے تو یقیناً یہ بہت ہی تعجب کی چیز ہوگی کہ ڈھیلا اپنے اصلی مقام سے نکل کر دوسرے مقام میں چلا گیا۔ اسی طرح اگر گیند میں ہوا بھر کر اس کو پانی میں ڈالا جائے اور گیند پانی کے اُوپر تیرنے لگے تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کیونکہ ہوا کا مقامِ اصلی پانی کے اوپر ہی ہے۔ لیکن اگر ہوا بھری ہوئی گیند پانی کی تہ میں بیٹھ جائے تو یقیناً یہ انتہائی تعجب کی بات ہوگی کہ ہوا اپنے اصلی مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام میں کس طرح چلی گئی؟

برادرانِ ملت! فلسفہ کے اس مسئلہ کی روشنی میں اگر مسئلہ معراج کا جائزہ لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا حیز طبعی اور مقامِ اصلی

کیا ہے؟ تو اس کو ایک بچّہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ نور کا اصلی مقام عالمِ بالا ہے، دیکھئے! چاند و سورج اور ستارے نورانی ہیں۔ تو ان سب کا مقام اُوپر ہی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ نورِ محمدی کا اصلی مقام بھی عالمِ بالا ہی ہے۔ تو اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین سے عرش بریں کی بلندی پر تشریف لے گئے تو اس میں کوئی تعجّب کی بات نہیں۔ کیونکہ نورِ محمدی کا اصلی مقام بالا ہی ہے اور کوئی چیز اگر اپنے اصلی مقام میں پہنچ جائے تو اس میں ذرا بھی تعجب کا محل نہیں ہے۔ لہٰذا معراجِ محمدی ہرگز ہرگز کوئی تعجب کی چیز نہیں! ہاں البتہ سچ پوچھو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس عالمِ اسفل یعنی زمین پر تشریف لانا بہت زیادہ باعثِ تعجب ہے کہ آپ نور ہوتے ہوئے اپنا مقامِ اصلی یعنی عالمِ بالا چھوڑ کر زمین پر کس طرح تشریف لائے؟ تو درحقیقت "معراجِ محمدی" باعثِ تعجب نہیں۔ بلکہ "میلادِ محمدی" باعثِ تعجب ہے کہ وہ نورِ مبین عالمِ بالا کے مکین ہوتے ہوئے فرشِ زمین پر تشریف لائے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ ؎

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں، کسی عالم میں رہ جاتے

یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

برادرانِ ملّت! یہ مسئلہ کہ "معراجِ محمدی" سے زیادہ "میلادِ محمدی" قابلِ تعجب ہے اگر غور کیجئے تو قرآن مجید میں بھی اس کی طرف ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔ دیکھئے! قرآن مجید کا یہ اصول ہے کہ وہ قسم ایسی ہی چیزوں کی بیان فرماتا ہے جو عجیب سے عجیب تر ہوں اور جن میں کوئی انوکھاپن اور نرالی ندرت ہو۔ اب غور کیجئے کہ قرآن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج میں اوپر تشریف لے جانے کا بھی ذکر فرماتا ہے۔ اور معراج سے زمین پر اترنے کا بھی۔ لیکن معراج میں عالمِ بالا پر تشریف لے جانے کی قسم قرآن میں نہیں بیان کی گئی مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالمِ بالا سے زمین پر اترنے کا قرآن نے بیان فرمایا تو یوں کہا کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی۔ یعنی اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترے (ترجمہ رضویہ) دیکھا آپ نے؟ معراج میں اوپر تشریف لے جانے کی قسم نہیں بیان کی گئی۔ کیونکہ یہ چنداں قابلِ تعجب چیز نہیں تھی۔ اس لیے کہ آپ

اپنے اصلی مقام میں تشریف لے گئے تھے۔ مگر معراج سے اترنے کی قسم بیان کی گئی۔ کیونکہ آپ کا عالمِ بالا سے عالمِ اسفل میں آنا بہت ہی نادر اور نہایت ہی عجیب بات تھی!

معراج اور چاند کا سفر

برادرانِ ملت! بلکہ میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ آج جو روس اور امریکہ چاند کے سفر کا پروگرام بنا رہے ہیں اور چاند کی سطح تک راکٹ پہنچائے جا رہے ہیں۔ یہ ساری ترقیاں میرے آقا و مولیٰ، صاحبِ لولاک سیّاحِ افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہی کا صدقہ ہے ورنہ دنیا کی تاریخ پڑھ لو، میرے آقا کی معراج سے پہلے کسی انسان نے اس کا تصوّر بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی انسان عالمِ بالا کا سفر کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے چاند اور سورج کی رفعتوں اور عالمِ بالا کی بلندیوں کو اپنے قدموں سے پامال کر کے انسان کو یہ تصوّر بخشا کہ ایک ساکنِ زمین بھی فضلِ رب العالمین سے عالمِ بالا کا مکین بن سکتا ہے۔ ورنہ بتا دیجئے کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی انسان کو یہ خیال بھی آیا تھا کہ ہم چاند کا سفر کر سکتے ہیں؟

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ چاند تک پہنچنے کی یہ ساری جدوجہد اور دورِ حاضر کی یہ ساری فضائی ترقیاں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی رہینِ منّت ہیں۔ یہی وہ مضمون ہے۔ جس کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

پتہ چلا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے

کہ عالمِ بشریّت کی زد میں ہے گردوں

یعنی معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام انسانوں کو اس کا پتا چلا کہ آسمان بھی عالمِ بشریّت کی زد میں ہے۔ اور فضلِ ربانی سے عالمِ انسانی کی رسائی آسمانوں پر بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ اگر معراجِ محمدی نہ ہوتی تو انسان اس کا تصوّر بالکل وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی انسان آسمان تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ سبحان اللہ! قربان جائیے میرے آقا کی معراج پر جس نے انسان کو اتنی بلند پروازی کا درس دیا۔

پڑھیئے درود شریف اللّٰھمّ صلّ علیٰ سیّدنا ومولانا محمّدٍ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ

اجمعین وبارک وسلم۔

معراجِ انسانیّت

حضرات! اسی لیے میرا تو یہ نظریہ ہے کہ ستائیسویں رجب کی یہ معراج ایک طرح سے دیکھئے تو یہ معراج محمدی کے طفیل میں انسانیّت کی معراج ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عرش پر تشریف لے جانا یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ۔ آپ تو اپنے نورانی پیکر میں ہزارہا برس تک عالمِ بالا میں جلوہ گر رہ چکے ہیں۔ اور عالمِ بالا آپ کا اصلی وطن ہی ہے۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا عرش تک آتے جاتے ہی رہے ہیں۔ مگر اس معراج سے قبل جب بھی آپ عرش تک تشریف لے گئے تو نوری لباس اور نورانی پیکر میں تشریف لے گئے لیکن ستائیسویں رجب کی معراج میں ایک بڑی اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ جامۂ بشری و پیکرِ انسانی میں فرشِ زمین سے عرشِ بریں پر تشریف لے گئے تاکہ آپ کے طفیل میں انسانیّت کی معراج ہو جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ اس دنیا میں ایک ایسا بھی انسان ہوا ہے جو دم زدن میں فرش سے عرش تک گیا اور پھر واپس آگیا۔ اللہ اکبر۔ یہ معراج محمدی کا طفیل ہے کہ ہر انسان فخر کے ساتھ یہ کہے گا کہ ہماری نوعِ انسانی کا ایک فرد اتنا عظیم المرتبت ہوا ہے جو عالمِ بالا کی رفعتوں کو پامال کرتا ہوا عرشِ مجید تک پہنچ گیا۔

حضرات! اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب کسی قوم کا کوئی شخص کسی بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ ساری قوم کے لیے باعثِ فخر و موجب سربلندی ہو جاتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی برادری کا کوئی شخص وزیر اعظم یا چیف جسٹس سپریم کورٹ یا صدر جمہوریہ بن جائے تو اس پوری برادری کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ پھر اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانی شکل و صورت میں فرش سے عرش تک تشریف لے گئے تو یہ تمام انسانی برادری کے لیے بہت ہی بڑا قابلِ فخر اعزاز و شرف ہو گیا۔ اسی طرح گویا پوری انسانی برادری کی معراج ہو گئی ۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ ستائیسویں رجب کی معراج محمدی سے انسانیّت کی معراج ہو گئی۔

⁂

معراج اور قرآن

برادرانِ اسلام! بہرحال معراجِ مصطفےٰ ایک ایسی درخشندہ و تابناک حقیقت ہے کہ عقل و فلسفہ بھی اس کی حقانیت کے اعتراف پر مجبور ہے اور قرآن کی آیاتِ بیّنات اور احادیثِ صحیحہ کی تجلیّات تو اس عظیم الشان معجزہ پر ایسی عالم افروز روشنی ڈال رہی ہیں کہ آفتاب نصف النہار کی طرح یہ مسئلہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ چنانچہ انہیں آیاتِ بیّنات میں سے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت کریمہ بھی ہے جو میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے۔ اس آیت میں خداوند سبّوح و قدّوس نے معراجِ حبیب کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

حاضرین محترم! پہلے اس آیت مقدسہ کا ترجمہ سن لیجئے پھر ان شاء اللہ تعالیٰ میں اس کی تفسیر کے بعض گوشوں پر بھی روشنی ڈالوں گا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ بہت زیادہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

حضرات! اس آیت میں سب سے پہلے لفظ "اَسْرٰی" پر غور فرمایئے کہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ خداوند تعالیٰ ان کو لے گیا۔

حضرات! خدا کے یہاں کسی کا خود جانا یہ اور بات ہے۔ اور خدا کسی کو اپنے دربار میں خود لے جائے۔ یہ اور بات ہے۔ کہاں خود گئے؟ اور کہاں خدا لے گیا؟ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت جامی نے کیا خوب فرمایا ؎

زسرِ سینہ اش جامی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں
زمعراجش چہ می پرسی کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی

اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے

لکھا کہ ؎

نہ عرش ایمن، نہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یَا اَحْمَد نصیب لَنْ تَرَانِیْ ہے

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں خود سے اپنے رب کے دیدار کے لیے گئے اور محبوب خدا کو عرش پر اپنا جلوہ دکھانے کے لیے خود خدا لے گیا تو کہاں وادی ایمن کی "معراجِ موسوی" اور کہاں عرش کی "معراجِ محمدی" پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست پیش کی تو یہ جواب ملتا ہے کہ لَنْ تَرَانِیْ یعنی تمہاری آنکھوں میں ہمارے جمالِ باکمال کے دیدار کی تاب و طاقت ہی نہیں ہے اس لیے تم ہرگز ہرگز ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ مگر جب صاحبِ لولاک سیّار افلاک صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر مہمان بنا کر بلائے گئے۔ اور سرادقات جاہ و جلال خداوند عالم یزل ولا یزال کے جمال کی تجلیاں دیکھ کر قدم آگے بڑھانے سے رُک گئے۔ تو خداوند قدوس نے خود پکارا کہ "اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ" یعنی قریب آؤ اے احمد، قریب آجاؤ اے محمد۔ اللہ اکبر! کہاں جواب لَنْ تَرَانِیْ اور کہاں ندائے ربانی؟ اعلیٰحضرت قبلہ نے قصیدۂ معراجیہ میں اس موقع پر کیا خوب فرمایا کہ ؎

تبارک اللہ شان تیری تُجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لَنْ تَرَانِیْ کہیں تقاضے وصال کے تھے

عبدہٗ کا ایک نکتہ

برادرانِ اسلام! اس آیت میں ایک بڑا ہی وجد آفرین نکتہ اور بھی سنئے۔ رب العزت نے اس آیت میں اپنے حبیب کو بعبدہٖ سے تعبیر فرمایا۔ یہاں برسولہٖ یا بنبیہٖ یا بحبیبہٖ نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ خداوند عالم اپنے رسول یا اپنے نبی یا اپنے حبیب کو معراج میں لے گیا بلکہ یوں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو معراج میں لے گیا۔ اس طرز بیان میں خداوند عالم نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ معراج کا اعزاز جو میں نے اپنے حبیب کو عطا فرمایا ہے۔ یہ میرے حبیب کی سب سے پہلی صفت "عبدیت" کا انعام ہے۔

اَب اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب محبوب کی سب سے پہلی صفت "عبدیت" کا انعام معراج ہے۔ تو پھر میرے حبیب کی دوسری بڑی بڑی صفات عالیہ یعنی نبوّت، رسالت، محبوبیّت وغیرہ کے جلیل القدر انعاموں کا کیا عالم ہو گا؟

حضرات اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی بادشاہ کا ایک وزیر ہے اور یہ وزیر ایسا شخص ہے کہ اپنے گاؤں کا پردھان بھی ہے۔ اور اپنے صوبہ کی یونیورسٹی کا چانسلر بھی ہے۔ اور پورے ملک کا وزیرِ اعظم بھی ہے۔ اب بادشاہ اس وزیر کے اعلیٰ کارناموں پر آج انعام کا اعلان کرنے والا ہے۔ چنانچہ بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ میں نے اپنے وزیر اعظم کو اپنے گاؤں کا ایک بہت اچھا پردھان ہونے کی حیثیت سے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا تو بادشاہ کے اتنے ہی اعلان سے ہر شخص یہ سمجھ لے گا کہ جب پردھان ہونے کی حیثیت سے اتنا بڑا انعام ملا ہے تو ظاہر ہے کہ یونیورسٹی کا چانسلر ہونے کی حیثیت سے اس کو کتنا بڑا انعام ملے گا۔ اور پھر وزیرِ اعظم ہونے کی حیثیت سے یہ شخص کیسے کیسے عظیم و گراں قدر انعاموں کا مستحق ہو گا۔

تو حضراتِ گرامی! بلا تشبیہ اسی طرح "اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" کو سنتے ہی اہل علم پر روشن ہو جائے گا کہ جب ربّ العزّت نے اپنے حبیب کو عبد یعنی صرف اپنا بندہ ہونے کی حیثیت سے معراج جیسا عظیم الشان انعام عطا فرمایا، تو پھر نبی اللہ، اور رسول اللہ اور حبیب اللہ ہونے کی حیثیّت سے رب العالمین اپنے پیارے رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے کیسے نامی گرامی انعام و اکرام کی نوازشوں سے سرفراز فرمائے گا۔

برادرانِ ملّت! عبدیت ایک ایسی عام صفت ہے کہ ہر مخلوق میں یہ صفت موجود ہے۔ کون ہے جو خدا کا بندہ نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ:

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○

یعنی زمین و آسمان کی تمام کائنات خدا کی عبد یعنی بندہ ہے۔

مگر سبحان اللہ! یہی صفت "عبدیت" جب محبوبِ خدا کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے تو جس طرح صاحبِ جمال و جلال، نبی بے مثال کی تمام صفات بے مثل و

بے مثال ہیں۔ اسی طرح ان کی صفت "عبدیت" بھی ایسی بے مثل و بے مثال ہو جاتی ہے کہ آپ کی اس ایک صفت کا انعام "معراج" ہے!

برادرانِ ملت! میں نے تمہید میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ خیر اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ میری آج کی تقریر کا موضوع "معراج" ہے۔

حضرات! معراج ایک ایسا جامع موضوع ہے کہ اگر اس کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی جائے تو اس کے لیے ہفتوں، بلکہ مہینوں کا وقت درکار ہے مگر آج کی مجلس میں میں معراج کے صرف تین سوالوں پر نہایت مختصر گفتگو کروں گا۔ اور پھر آخر میں حدیثِ معراج کا ترجمہ سنا کر آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ معراج کس لیے ہوئی؟

معراج جسمانی تھی یا روحانی

حضرات! یہ بحث کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ اس کے بارے میں مفسرینِ کرام نے بڑی جامع اور حقیقت افروز بحثیں کی ہیں۔ مگر ان کو پیش کرنے کے لیے نہ تو وقت ہی میں گنجائش ہے نہ یہ مجمع ہی اس کے لیے مناسب ہے۔ اس لیے میں تمام دلائل کو چھوڑ کر اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اہلِ سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم و روح کے ساتھ عالمِ بیداری میں معراج حاصل ہوئی اور میں اس مسئلہ پر روایت کی بجائے صرف ایک روایت پیش کرنا چاہتا ہوں جو ان شاء اللہ تعالیٰ طالبِ حق کے لیے کافی ہے۔

برادرانِ ملت! یہ تو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ شبِ معراج کی صبح کو جب حضور علیہ السلام نے اپنے سفرِ معراج کا حال بیان فرمایا تو کفار میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور آپ نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ میں رات ہی میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک گیا۔ کہ کفار پاگل اونٹوں کی طرح بدکنے لگے اور چلا چلا کر تکذیب و انکار کرنے لگے۔

کوئی بیت المقدس کی نشانیاں پوچھنے لگا۔ کسی نے ملک شام سے آنے والے قافلہ کا حال دریافت کیا۔ کوئی راستہ کی منزلوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا۔ کچھ مذاق اڑانے لگے۔ کچھ لوگ چلا چلا کر یہ کہنے لگے کہ معراج کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔ غرض ہر طرف ایک شور و غوغا کا طوفان برپا تھا۔ حد ہو گئی کہ ابو جہل، حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ اے ابوبکر! آج تمہارے پیغمبر نے یہ کہا ہے کہ وہ رات کی چند ساعتوں میں بیت المقدس تک جا کر واپس آ گئے۔ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ ایک ماہ کا راستہ چند منٹوں میں کوئی طے کر لے؟ یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا کہ اے ابو جہل! اگر میرے رسول نے یہ فرمایا ہے تو میں دل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور زبان سے شہادت دیتا ہوں کہ ان کی ہر بات سچی ہے۔ لہٰذا ان کی معراج بھی حق ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر آسمان سے آپ کے لیے "صدیقِ اکبر" کا خطاب نازل ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معراج کا کافروں نے انتہائی شدّ و مد کے ساتھ انکار کیا۔ جھٹلایا اس کا مذاق اڑایا۔ اس پر دلیلیں طلب کیں۔ ان پورے پورے حالات و واقعات پر نظر ڈالنے سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی اعلان فرمایا تھا کہ میں بیداری کی حالت میں اپنے جسم کے ساتھ معراج میں گیا تھا ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر معراج صرف ایک خواب کی بات ہوتی تو ہرگز ہرگز کفار اس کا انکار نہ کرتے اور نہ مذاق اڑاتے کیونکہ دنیا میں لوگ بڑے بڑے عجیب و غریب خواب دیکھا کرتے ہیں۔ اور برملا بیان بھی کرتے ہیں۔ مگر کوئی بھی نہ خواب کو جھٹلاتا ہے نہ اس کا مذاق اڑاتا ہے نہ اس پر دلیل طلب کرتا ہے۔

لہٰذا برادرانِ ملت! میرے نزدیک معراج جسمانی بحالتِ بیداری ہونے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ کفار نے انتہائی شدت کے ساتھ اس کو جھٹلایا انکار کیا۔ مذاق اڑایا۔ اور دلیل طلب کی۔ اسی لیے اہل سنت و جماعت کا مسلمہ عقیدہ

ہے کہ معراج بحالتِ بیداری جسم و روح کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ ملّا احمد جیون علیہ الرحمۃ نے تفسیراتِ احمدیہ میں فرمایا کہ:

مَنْ قَالَ اَنَّہٗ بِالرُّوْحِ فَقَطْ اَوْ فِی النَّوْمِ فَقَطْ فَمُبْتَدِعٌ، ضَالٌّ مُضِلٌّ فَاسِقٌ۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۳۲۹)

یعنی جو شخص یہ کہے کہ معراج صرف روح کو حاصل ہوئی۔ یا فقط خواب میں معراج ہوئی تو وہ شخص بدعتی، گمراہ، گمراہ کُن اور فاسق ہے۔

حضرات! معراجِ جسمانی کے منکرین اکثر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول پیش کرتے ہیں کہ وہ معراج روحانی کی قائل تھیں۔ مگر محققین کے نزدیک اُن کا یہ قول اس لیے قابلِ اعتبار نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراج کے وقت بہت ہی کمسن تھیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں۔ (صاوی ج ۲ ص ۲۳۵)

بہر حال عزیزانِ ملت! اس درایت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ معراج بحالتِ بیداری ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم و روح کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے۔ پڑھیئے درود شریف: اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ط

معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی

برادرانِ ملت! اب رہا دوسرا سوال کہ معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی؟ اور اس کی اعتقادی حیثیت کیا ہے؟ تو اس بارے میں اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ معراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کے اُوپر بالائے عرش مجید جہاں تک رب العالمین نے چاہا محبوبِ خدا نے سیر فرمائی۔ اور معراج کی اعتقادی حیثیت کے بارے میں عام طور پر علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی معراج کا ثبوت تو قرآن مجید سے ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور مسجدِ اقصیٰ سے آسمانِ دنیا تک معراج حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اور اس کا منکر بدعتی و گمراہ ہے اور آسمانِ اوّل سے بالائے عرش تک کی معراج خبر واحد سے ثابت ہوئی ہے اور اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۳۲۸)

مگر محققین علماء کا یہ قول ہے کہ مسجد حرام سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی معراج کا ثبوت بھی قرآن مجید سے ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی سے جس طرح مسجدِ اقصیٰ تک معراج کا ثبوت بالکل واضح ہے۔ اسی طرح سورۃ "والنجم" کی آیاتِ کریمہ سے آپ کا "سدرۃ المنتہیٰ" تک تشریف لے جانا بھی ظاہر ہے بالکل۔ دیکھ لیجئے! "سورۂ والنجم" میں ارشادِ خداوندی ہے کہ:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ط ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ

یعنی انہیں تعلیم دی سخت قوتوں والے طاقتور نے، پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا۔ تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ط مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ط عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی یعنی دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا، تو کیا تم اُن سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

برادرانِ اسلام! سورۂ والنجم کی ان آیات میں مفسّرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ کہ آیت میں "شدید القویٰ" سے مراد باری تعالیٰ کی ذات ہے اور حضور نے باری تعالےٰ کو دیکھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ "شدید القویٰ" سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ بہرحال ان آیتوں سے اتنا تو یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "سدرۃ المنتہیٰ" اور جنۃ الماویٰ تک پہنچے اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور جنۃ الماویٰ

ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔ الحاصل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ والنجم کی آیتوں کے پڑھنے سے آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور مسجدِ اقصیٰ سے ساتویں آسمان کے اُوپر سدرۃ المنتہیٰ اور جنّت الماویٰ تک معراج کا ثبوت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ ملّا احمد جیون علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اِنَّ الْمِعْرَاجَ اِلٰی مَا فَوْقَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ اَیْضًا ثَابِتٌ بِالْقُرْاٰنِ وَقَدْ یَدُلُّ عَلَیْہِ مَا ذُکِرَ فِیْ سُوْرَۃِ وَالنَّجْمِ وَھُوَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ (نور الانوار)

یعنی حق یہ ہے کہ بیت المقدّس سے اُوپر کی معراج بھی قرآن مجید سے ثابت ہے اور سورۂ والنجم کی آیات اس کی دلیل ہیں۔

معراج کس لیے ہوئی

غیر برادرانِ ملّت! اب رہ جاتا ہے تیسرا سوال کہ معراج کس لیے ہوئی؟ تو اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ "لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا" یعنی ہم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج میں اس لیے بلایا تاکہ ہم ان کو اپنی قدرتِ ربوبیت اپنی حکمت غرض اپنی تمام صفات کی آیات بیّنات اور عالمِ ملک و ملکوت کی تمام کائنات کا مشاہدہ کرا دیں۔

حضرات! خداوند قدوس کی نشانیاں دو قسم کی ہیں۔ ایک آیاتِ صغریٰ یعنی چھوٹی نشانیاں اور دوسری آیاتِ کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں۔ سورۂ والنجم میں رب العزّت جل جلالہٗ نے فرمایا کہ:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔

یعنی محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

مطلب یہ ہے کہ آیاتِ صغریٰ تو بہت سے خواص یعنی اولیاء و انبیاء علیہم السلام کو دکھائی گئیں مگر آیاتِ کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ لینا یہ صرف نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصّہ تھا۔ جن کو دکھانے کے لیے رب العرش نے آپ کو معراج میں بلایا۔ اب رہا یہ سوال کہ کن کن آیاتِ کبریٰ کا ربّ العزّت نے اپنے حبیب کو مشاہدہ کرایا؟ اور کون کون سی بڑی بڑی نشانیوں کو حبیبِ خدا نے دیکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے

کہ اس کا علم اللہ اور رسول کے سوا کسی کو نہیں۔ اس کو بس دکھانے والا ہی جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا دکھایا۔ اور دیکھنے والے ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا دیکھا؟

بزرگو اور بھائیو! آپ اس کو یوں سمجھیئے کہ دنیا میں اگر کوئی مہمان کہیں بلایا جاتا ہے تو قاعدہ ہے کہ جس حیثیت کا مہمان اور میزبان ہوتا ہے اسی حیثیت کی مہمانداری و مہمان نوازی ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ بھی قاعدہ ہے کہ میزبان اپنے مہمان کو اپنے شہر کی انوکھی اور عجیب عجیب چیزیں دکھایا کرتا ہے۔ بس اسی طرح آپ سمجھ لیجئے کہ جب رب العالمین نے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کو اپنا مہمان بنا کر معراج میں بلایا تو ظاہر ہے کہ جس شان کا مہمان، اور جس شان کا میزبان ہے اسی شان کی مہمان نوازی بھی ہوئی ہوگی، اور اسی لحاظ سے مہمان کو عجائب قدرت و غرائب حکمت اور آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ بھی کرایا گیا ہوگا۔ اب دیکھ لیجئے کہ مہمان رحمۃ للعالمین اور میزبان رب العالمین ہیں تو پھر سمجھ لیجئے کہ کتنی شاندار مہمان نوازی ہوئی ہوگی۔ اور کیا کیا انہیں دکھایا گیا ہوگا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ سمجھے تو کون سمجھے؟ اور بتائے تو کون بتائے؟ یہاں تو وہی معاملہ ہے کہ اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ؎

اُٹھے جو قصرِ دنا کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

سراغِ این و متیٰ کہاں تھا؟ نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا!
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے!

معراج کی مہمان نوازیاں

برادرانِ ملت! شبِ معراج دربارِ خداوندی میں عرشِ مجید کے مہمان کی کیسی کیسی مہمان نوازیاں ہوئیں؟ اور رب العرش نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسی کیسی عظمتوں اور عزتوں کی سربلندیوں سے سرفراز فرمایا؟ تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم انسانوں کو اس کا وہم و گمان

بھی نہیں ہو سکتا۔

دوستو، اور بزرگو! ہم کیا چیز ہیں؟ خود عرش بریں کو خبر نہیں کہ بالائے عرش کیا ہوا؟ اللہ اکبر! سچ فرمایا اعلیحضرت قبلہ نے ؎

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جانِ مراد اب کدھر؟ ہائے ترا مکان ہے
عرش پہ جا کے مرغِ عقل تھک کے گرا غش آگیا
اور ابھی منزلوں پرے پہلا ہی آستان ہے!

مگر بہر حال مہمانِ معراج کی چند مہمان نوازیوں کے جلوے آپ کو دکھاتا ہوں۔ اگرچہ الفاظ کی تاب وطاقت نہیں ہے کہ کما حقہٗ اس کی تصویر کشی کر سکے۔ سنیئے! روایت ہے کہ جب سُرادقاتِ جاہ وجلال کو طے فرما کر مہمانِ معراج مقام قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل بلند پر تشریف فرما ہوئے۔ اور بارگاہِ رب العرش میں انتہائی قرب کے شرف سے سرفراز ہوئے تو دربارِ خداوندی میں آداب کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔	یعنی ہماری قولی، فعلی، مالی تمام عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔

اس کے جواب میں مالکِ عرش مجید نے تحفۂ سلام پیش فرما کر مہمانِ معراج کا استقبال فرمایا کہ:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ؕ	یعنی اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

جب خداوند عالم نے اپنے حبیب کو سلام کیا تو عرشِ اعظم کے مہمان نے سلامِ خداوندی کا اس طرح جواب دیا کہ:

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ؕ	یعنی اے خدا تعالیٰ! ہم پر بھی سلام ہو اور تیرے نیک بندوں پر بھی۔

پھر عالمِ بالا کے فرشتوں نے یہ نعرہ لگایا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ

اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

سبحان اللہ! سے

ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں ادھر سے انعام خسروی تھے؛
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پُر نور میں پڑے تھے

برادرانِ ملّت! بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس سلام و جوابِ سلام کے بعد تَكَلَّمَ مَعَہٗ تِسْعِیْنَ اَلْفَ حِكَایَۃٍ اِسْرَارًا وَّ اَخْبَارًا وَّ اَحْكَامًا۔ (تفسیرات احمدیہ ص۳۳۰) یعنی خداوند قدوس نے اپنے حبیب سے نوّے ہزار حکایتیں بیان فرمائیں جن میں سے کچھ اسرار تھے، کچھ خبریں تھیں، کچھ احکام تھے۔

بزرگو اور بھائیو! یہی وہ حکایات و کلماتِ ربانیہ ہیں جن کو سورۂ والنجم میں فرمایا کہ:
فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔ یعنی جو کچھ اپنے بندے کی طرف وحی کرنی تھی وہ خداوند عالم نے وحی کر دی۔

اور جو کچھ اپنے محبوب سے فرمانا تھا وہ فرما دیا۔ غور کیجئے کہ اس کلام میں کس قدر ابہام و اختصار ہے؟ محبوب و محب میں کیا کیا گفتگو ہوئی؟ اور رب العرش نے اپنے مکرم مہمان کو کن کن کلاموں سے نوازا۔ اس کی کوئی تفصیل خداوند عالم نے بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ صرف اتنا بیان فرما دیا کہ جو کچھ کہنا تھا اپنے محبوب سے کہہ دیا۔

علّامہ صاوی فرماتے ہیں کہ اس ابہام میں اس طرف اشارہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ایسی ایسی عظیم الشان باتیں اپنے محبوب سے فرمائی ہیں کہ نہ تو الفاظ ان کے متحمل ہو سکتے ہیں، نہ مخلوقات میں کوئی ایسا ہے جو ان باتوں کو سمجھ سکے (صاوی جلد۴ ص ۳۳۸)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ:
قَدْ اَوْحَى اللّٰهُ یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَ اَنْتَ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ خَلَقْتُهٗ لِاَجْلِكَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ وحی فرمائی کہ اے محمد! میں ہوں اور تُو ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے لیے پیدا فرمایا ہے۔

تو جواب میں مہمانِ عرش نے عرض کیا کہ:

يَا رَبِّ اَنَا وَاَنْتَ وَمَاسِوٰى ذٰلِكَ تَرَكْتُهٗ لِاَجْلِكَ۔ (تفسیرات احمدیہ ص۲۲۹)	یعنی اے پروردگار! میں ہوں اور تو ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شبِ معراج جو کچھ وحی کی گئی ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں۔

۱۔ ایک نماز کی فرضیت۔

۲۔ دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام گناہ شرک کے سوا بخش دیئے جائیں گے۔ (حاشیہ جلالین بحوالہ لمعات ص ۲۲۷)

برادرانِ اسلام! سبحان اللہ! مہمانِ عرشِ عظیم کی مہمانی کا کیا کہنا؟ خداوند عالم نے سلام کے بعد رحمتوں اور برکتوں کو نچھاور فرمایا۔ پھر نوے ہزار حکایتیں سنا کر محبوب کی دلبستگی فرمائی۔ جن حکایتوں میں اسرار و اخبار اور احکامِ شرعیہ کے خزانے بھرے ہوئے تھے۔ اس طرح فضلِ ربانی سے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ خزائنِ علوم و عرفان کا سفینہ بن گیا۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام کائنات کا علم عطا فرما کر آپ کو اعلم الخلق بنا دیا۔

حضرات! یہ میری شاعری یا لفّاظی نہیں بلکہ یہ مستند حدیثوں کا عطر ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ سن لیجئے! ایک حدیث پڑھ دیتا ہوں۔ صاحبِ معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

رَاَيْتُ رَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى۔ قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ۔	یعنی میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے فرمایا کہ اے محبوب اُوپر والی جماعت یعنی فرشتے کس چیز کے بارے میں بحث کر رہے ہیں۔
قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ	تو میں نے عرض کیا کہ الٰہی! تو ہی اس کو

فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ۔ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(مشکوٰۃ ص۷۲)

زیادہ جانتا ہے۔
پھر خداوند قدوس نے اپنے فیض رسانی کی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں محسوس کی۔
تو مجھے ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے مہمانِ معراج کی ضیافت و مہمان نوازی کی شان! کہ مالکِ عرشِ مجید نے اپنی رحمت و شفقت کی ہتھیلی کو محبوب کے شانوں پر رکھ کر اپنی لامحدود نوازشوں سے اپنے محبوب کو نوازا۔ اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینے کو تمام کائناتِ آسمان و زمین کے علوم کا خزانہ بنا دیا۔

برادرانِ گرامی! صاحبِ مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں بڑی نفیس بات لکھی ہے جو سننے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"دونوں شانوں کے درمیان ہتھیلی رکھنا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خداوند عالم کا فضلِ عظیم اور فیضانِ عمیم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بہت ہی زیادہ ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی پر بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے تو اس کے دونوں شانوں کے درمیان ہتھیلی رکھ دیتا ہے۔ تاکہ سب لوگوں کو متنبہ کر دے کہ یہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ مہربانی و لائقِ اکرام ہے۔ اور اس کو سب سے زیادہ میری تائید و نصرت اور امداد و اعانت حاصل ہے۔" (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۷۰)

پڑھیئے درود شریف: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ۔

معراج المومنین

حضرات! معراج کے تحفوں کا ذکر آگیا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ نماز پنجگانہ بھی انہیں تحائف میں سے ہے جو مالکِ عرش نے مہمانِ عرش کی مہمان نوازی میں عطا فرمایا یہ اتنا عظیم الشان تحفہ ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے۔

برادرانِ اسلام! نماز مومنوں کی معراج کس طرح ہے؟ کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ دیکھئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت قربِ خداوندی حاصل تھا۔ مگر سب سے زیادہ قرب معراج میں حاصل ہوا۔ تو چونکہ مومنین کو سب سے زیادہ قربِ خداوندی نماز میں حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے نماز مومنوں کی معراج ہوئی۔ معراجِ عرش تو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق ہے۔ اس لیے انہیں معراجِ عرشِ بریں عطا کی گئی، اور آپ کے غلاموں کی شان کے لائق یہی معراج تھی کہ انہیں خداوند قدوس کی نزدیکی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ انہیں نمازیں یہ معراج زمین پر عطا کی گئی، اور یہ تو آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ پہلے پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے بار بار مہمانِ عرش نے بارگاہ رب العرش میں تخفیف کی التجا کی۔ تو کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نماز رہ گئی۔ مگر خداوند قدوس نے فرمایا کہ:

"اے حبیب! یہ پانچ وقت کی نمازیں پچاس وقت ہی کی نمازیں ہیں۔ کیونکہ میں آپ کی امت کو پانچ وقت کی نماز پر پچاس وقت کی نمازوں کا ثواب دوں گا۔"

چند آیاتِ کبریٰ

بہرکیف برادرانِ ملت! میں عرض کر رہا تھا کہ معراج کس لیے ہوئی؟ تو خداوند عالم نے معراج کی حکمت خود ہی بیان فرمائی کہ:

لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ یعنی معراج اس لیے ہوئی تاکہ ربّ العرش مہمان عرش کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔

اور یہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ سورۂ والنجم میں ارشادِ ربّانی ہے کہ ان نشانیوں

سے مراد آیاتِ کبریٰ یعنی بڑی نشانیاں ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں چندان بڑی نشانیوں کا بھی ذکر سنا دوں جن کا معراج میں مہمانِ عرش کو مشاہدہ کرایا گیا۔

دیدارِ الٰہی برادرانِ ملت! سب سے بڑا انعامِ ربانی اور اعلیٰ سے اعلیٰ نشانی تو یہی ہے کہ ربّ العزّت جل جلالہٗ نے مہمانِ معراج کو اپنے دیدارِ پُر انوار کی دولت سے مالا مال فرما دیا اور اس طرح کہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ یعنی نہ آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اور آپ نے اپنی آنکھوں سے ربِّ کریم کا دیدار کر لیا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں خود ارشاد فرمایا کہ:

فَخَاطَبَنِیْ رَبِّیْ وَرَأَیْتُہٗ بِعَیْنِیْ بَصَرِیْ فَاَوْحٰی ۔ یعنی میرے رب نے مجھ سے کلام فرمایا اور میں نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس نے میری طرف وحی فرمائی۔

(صاوی، ص۳۲۸)

سبحان اللہ! کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا کو کسی نے نہ آنکھوں سے دیکھا
مگر جا کے خیر البشر دیکھ آئے

حضرات! مجھے اس وقت حضرتِ عارف برعی علیہ الرحمہ کے تین اشعار یاد آگئے جو سننے کے قابل ہیں ؎

وَاِنْ قَابَلْتَ لَفْظَۃَ لَنْ تَرَانِیْ
بِمَا کَذَبَ الْفُؤَادُ فَہِمْتَ مَعْنٰی

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دیدار کی درخواست پر لن ترانی فرمایا گیا اور حبیب کے لیے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ارشاد ہوا۔ اگر تم ان دونوں کا مقابلہ کرو گے تو ایک بہت بڑا مطلب تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَلَّمَ ذَاکَ وَحْیًا
وَکَلَّمَ ذَا مُشَافَھَۃً وَّ اَدْنیٰ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی دور سے کلام فرمایا اور حبیب کو انتہائی قرب عطا فرما کر بالمشافہ کلام فرمایا۔

فَمُوْسٰی خَرَّ مَغْشِیًّا عَلَیْہِ!
وَاَحْمَدُ لَمْ یَکُنْ لِیَزِیْغَ ذِھْنًا

پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی دیکھ کر استغراق کی کیفیت میں زمین پر لیٹ گئے۔ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں کوئی کجی بھی نہیں پیدا ہوئی۔

حضرات! بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار اپنے سر کی آنکھوں سے فرمایا۔ چنانچہ حضرت امام اشعری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے صحابۂ کرام کی بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے کہ:

رَاٰی رَبَّہٗ بِبَصَرِہٖ وَعَیْنَیْ رَأْسِہٖ۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح مذہب ہے۔

(زرقانی جلد۶ ص ۱۸۶)

جنّت و دوزخ کی سیر

برادرانِ ملّت! پیارے مصطفےٰ نے دیدارِ الٰہی کے علاوہ سدرۃ المنتہیٰ عرش و کرسی، لوح و قلم، جنّت و دوزخ وغیرہ کے تمام عجائب و غرائب کا معائنہ فرمایا۔ جو سب آیاتِ کبریٰ اور بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ آپ نے داروغہ جنّت حضرت رضوان اور داروغہ جہنّم حضرت مالک علیہما السلام سے بھی ملاقات فرمائی اور جنّت و جہنّم کی نعمتوں اور عذابوں کے مناظر بھی دیکھے جہنّم میں یہ دیکھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور دوسرے خاص خاص مجرمین کو بھی عذابوں میں مبتلا دیکھا۔ مثلاً ایک قوم کو دیکھا کہ فرشتے پتھر کی چٹانوں

سے اُن کے سر کچل دیتے ہیں اور پھر ان کے سر بدستور درست ہو جاتے ہیں۔ جبریل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ فرض نمازوں سے ان کے سر بوجھل ہوا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

ایک جماعت کو کانٹوں والی گھاس اور تھوہر کا درخت کھاتے دیکھا جو ان کی حلقوں میں پھنستا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتے تھے۔ ایک گروہ کو دیکھا کہ قینچیوں سے ان کی زبان اور ہونٹ کو فرشتے بار بار کاٹ رہے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ الْفِتْنَةِ۔ یہ وہ واعظین ہیں جو اپنے وعظوں سے امت میں فتنہ پھیلاتے تھے۔

ایک جماعت کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے پیٹ بڑے بڑے گنبدوں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ جب اُٹھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں حضرت جبریل نے بتایا کہ:

هٰؤُلَاءِ اَكَلَةُ الرِّبَا۔ کہ یہ سود خوار لوگ ہیں۔

(زرقانی جلد ۶ ص ۴۲ وصحاح ستہ)

اسی طرح جب جنّت کی سیر فرمائی تو اپنے بعض خاص خاص غلاموں کو بہشت میں دیکھا اور بعض اُمتیوں کے جنّتی محلات کو بھی ملاحظہ فرمایا، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوبدار کی طرح جنّت میں اپنے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا، اور حضرت ابو طلحہ صحابی کی بیوی حضرت رمیسا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی آپ نے جنّت کی نعمتوں سے سرفراز دیکھا۔ جناب اقبال احمد سہیلؔ نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

نظر سے عالمِ ناسوت کے سارے حجاب اُٹھے
بنوری العین کی سیر بہارستانِ رضوانی
رُمَیسا زوجۂ بو طلحہ کی تقدیر کیا کہنا
کہ خود دیکھا نبی نے ان کو فی رَوحٍ وَرَیحانٍ

سُنی سرکار نے جنّت میں آواز خرام ان کی
بلالِ پاک کے طالع کی اللہ رے درخشانی!

حضرت عمر کا جنّتی محل

اسی طرح اپنے دوسرے غلاموں کے بہشتی محلات کے ساتھ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک محل جنّت میں دیکھا جو اپنی خوبصورتی و نفاست کے لحاظ سے بہت ہی امتیازی شان رکھتا تھا۔ جناب سہیلؔ اس کی تصویر کشی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

بڑھے آگے تو وسط ساحتِ فردوس میں دیکھا
بلند و پُر شکوہ و دل کشا اِک قصرِ لاثانی
وہ شفاف و شفق گوں رنگ جیسے حل ہو گوہر میں!
تباشیرِ سحر، سیمِ قمر، یاقوت رُمّانی؛
چمن میں رشکِ شبنم کی جگہ دُرِّ نجف غلطاں
روش پر سنگریزوں کی جگہ لعلِ بدخشانی
یہ ایواں دیکھتے ہی آپ نے حیرت سے فرمایا!
ہے کس کے واسطے یہ اہتمام جلوہ سامانی!
فرشتوں نے کہا فاروق کی دولت سرا ہے یہ؛
یہ قصر اس کا ہے طالب جس کے ہیں محبوب یزدانی
شہید اور منصبِ صدیقیت کے اوّلیں وارث
امیر اور مسندِ ختم الرسل کے جانشیں ثانی؛

الغرض مہمانِ معراج جنّتوں کی سیر فرماتے ہوئے اور عجائبِ قدرت کی آیاتِ بیّنات کا نظارہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے تو کیا کیا دیکھا؟ اللہ اکبر اللہ اکبر! ؎

یہاں سے پھر بڑھے سرور تو وہ جلوے نظر آئے
کہ اجمالاً بھی کچھ لکھئے تو اِک دفتر ہو طولانی

غرض ملکوت کا ہر گوشہ چھانا اور جہاں پہنچے
نظر کے سامنے آتی گئیں آیاتِ ربّانی!

برادرانِ ملت! یہی مطلب ہے "لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا" کا یعنی ہم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج میں اسی لیے بلایا تھا تاکہ وہ ہماری ان آیاتِ کبریٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پڑھیے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ط

حضرات! اب اس آیتِ کریمہ کا آخری جملہ رہ گیا اس کے بارے میں بھی کچھ سُن لیجئے۔ ارشادِ ربّانی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ یعنی بے شک وہ بہت زیادہ سننے والا اور بہت زیادہ دیکھنے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مفسرین کرام کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ سُننے والا، اور بہت زیادہ دیکھنے والا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت زیادہ سُننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ (صاوی جلد ۲ ص ۳۳۵)

برادرانِ اسلام! یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ اور اس کی تمام صفتوں کی طرح اس کا سُننا اور دیکھنا بھی ازلی، ابدی اور لامحدود ہے۔ مگر دوسرے قول کی بنا پر جب یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صفتیں قرار دی جائیں تو یہ ایسا ہی ہوگا جس طرح خداوند پاک نے اپنے دوسرے چند نام مثلاً رؤف، رحیم وغیرہ۔ اپنے حبیب کو عطا فرمائے اسی طرح سمیع و بصیر اپنے دو مقدس ناموں کو بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا۔ اور سبحان اللہ! محبوبِ خدا کے سُننے اور دیکھنے کو کیا کہنا؟ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ یعنی اے دنیا والو! میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں

وَاِنِّیْ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ ۝ جن کو تم لوگ نہیں دیکھتے۔ اور میں وہ سن رہا ہوں جس کو تم لوگ نہیں سُن پاتے۔

مسلمانو! یہ بات ایمان کی ہے اور ذرہ برابر اس میں شبہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا اور سُننا تمام عالم سے بڑھ کر ہے کیونکہ خداوند قدوس نے آپ کو سمیع و بصیر فرمایا ہے۔

"خیر" بزرگو اور بھائیو! میں نے تمہید میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ اب میں حدیثِ معراج سُنا کر آپ سے رخصت ہوں گا۔

حضرات! بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ معراج کے بارے میں احادیث کے ذخیروں کا یہ عالم ہے کہ واقعۂ معراج کی روایتیں تقریباً پینتالیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اور حدیثِ معراج کو ان تمام محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے جو بلاشبہ فنِ حدیث کے امام بلکہ یوں کہیے کہ آسمان علم الحدیث کے ایسے روشن ستارے ہیں جن سے قیامت تک علم و عمل کی دنیا روشن رہے گی۔ میں ان روایات کا ایک جامع خلاصہ آپ کو سناتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ واقعاتِ معراج کا ایک نہایت روشن نقشہ آپ کے ایمانی ذہنوں میں نقش ہو جائے گا۔ لہٰذا بغور سُنیے!

حدیثِ معراج

حضرات! نبوت کا بارہواں سال اور رجب کی ستائیسویں رات تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ام ہانی بنت ابوطالب کے گھر میں بسترِ نبوت پر استراحت فرما رہے تھے۔ آنکھیں محوِ خواب تھیں، مگر دل بیدار تھا، کہ ناگاہ جبریل امین بارگاہ رحمۃٌ للعالمین میں حاضر ہوئے اور عالم قدس کی بزم نور میں شرکت کے رب العزت کا دعوت نامہ پیش کیا۔ چنانچہ مہمانِ عرش حریم ام ہانی سے نکل کر حرم کعبہ میں تشریف لائے۔

حضرت سہیل لکھتے ہیں کہ ؎

رجب کی بست و ہفتم بارہواں سال نبوت تھا
کہ بخشا خلوت آرائے ازل نے فخرِ مہمانی

حریم ام ہانی میں حضور آرام فرما تھے
در اقدس پہ قدسی و ملک تھے محو دربانی
دو چشم نرگسیں تھیں بند لیکن چشم دل وا تھی!
سرہانے طالع بیدار کرتا تھا نگہبانی
ادب سے آ کے جبریل امیں نے یہ گزارش کی
کریں سرکار بزم نور تک تشریف ارزانی

پھر جناب جبریل علیہ السلام نے آپ کا سینۂ مبارک چاک کر کے قلب منور کو آب زمزم سے دھویا۔ اور حلم و علم اور یقین و ایمان سے پُر کر کے پھر قلب انور کو سینۂ منور میں رکھ کر بند کر دیا۔ اور حرم کعبہ سے روانہ ہوئے۔ اور براق پہ سوار ہو کر مہمان الٰہی سفر معراج کے لیے چل پڑے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں تک نگاہ جاتی تھی راستا لمبا اس کا ایک قدم ہوتا تھا ؎

سُنی روح القدس سے جب طلب بزم حضوری کی!
اُٹھے اور دی براق پاک پر داد سُبک رانی!
براق برق پیکر لے چلا یوں ذات انور کو
فضا میں تیر جائے جس طرح بجلی کی تابانی
حرم سے چل کے اوّل مسجد اقصیٰ میں منزل کی
وہاں سے جلوہ گاہ قدس تک جانے کی پھر ٹھانی!

بیت المقدس پہنچ کر دیکھا کہ انبیاء و رسولوں کی مقدس جماعت استقبال و خیر مقدم کے لیے حاضر ہے۔ امام المرسلین نے امامت فرمائی۔ اور تمام انبیاء و مرسلین نے مقتدی بن کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اعلیٰحضرت قبلہ فرماتے ہیں ؎

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہوں معنیٔ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

نماز کے بعد جناب جبریل امین نے ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ پیش

کیا سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا برتن اُٹھا لیا۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اَصَبْتَ الْفِطْرَۃَ ۔ یعنی آپ نے دینِ اسلام کو پالیا۔

اگر آپ شراب کا برتن لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک برتن میں پانی بھی تھا۔ اور حضرت جبریل امین نے فرمایا کہ اگر آپ پانی کو پسند فرماتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔

برادرانِ ملّت! اب یہاں سے آسمانِ دنیا کی طرف عروج فرمایا، اور آنِ واحد میں فضا کو پار کر کے آسمانِ اوّل پر تشریف فرما ہو گئے۔ سبحان اللہ! ؎

حضور اس طرح گزرے گنبدِ مینائے گردوں سے
نظر جس طرح شیشے سے گزر جائے بہ آسانی

ملائک اور رُسل صف بستہ استقبال کو آئے
اُٹھا افلاک میں ہر سمت شورِ تہنیت خوانی!

سرِ راہ ہر قدم پر ذوقِ نظارہ کی تسکیں کو،
حقائق کا ترا کم تھا، مناظر کی فراوانی!

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ فرما کر استقبال فرمایا، اور دعائیں دیں۔ اسی طرح دوسرے آسمان میں حضرت عیسےٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام سے، اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے، اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقاتیں کیں سب نے مرحبا کہہ کر خیر مقدم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے مسند لگا کر رونق افروز ہیں۔ آپ نے مرحبا اور دعا کے بعد فرمایا کہ اے پیارے نبی! آپ اپنی امت سے میرا سلام و پیغام کہہ دیجئے کہ جنّت کی مٹی بہت خوشبودار اور پانی نہایت ہی شیریں ہے اور جنّت کے درخت سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔ بیت المعمور کا یہ منظر دیکھا کہ روزانہ اس میں ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جن

کو زندگی میں پھر دوبارہ حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ بیت المعمور کی آیاتِ کبریٰ کا معائنہ فرمانے کے بعد آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کے جمالستان کا نظارہ فرمایا۔ وہ یہ دیکھا کہ سونے کی بے شمار ٹڈیاں سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ یہی وہ حسین منظر ہے جس کو قرآن مجید نے فرمایا کہ:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۔ یعنی جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

پھر آپ نے مقام "مستویٰ" میں عروج فرمایا۔ جہاں قضا و قدر لکھنے والے فرشتوں کے قلموں کی آوازیں آپ کو سنائی دیں۔ اس مقام پر آپ نے دیکھا کہ رفرف سواری کے لیے حاضر ہے۔ چنانچہ جب آپ نے رفرف پر سوار ہو کر عروج کا ارادہ فرمایا تو کیا دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے جدا ہو رہے ہیں۔ اس وقت مہمانِ عرش نے حیران ہو کر فرمایا ؎

بدو گفت سالار بیت الحرام　　کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

سردار بیت الحرام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے وحی کے لانے والے اُوپر چلئے!

چو در دوستی مخلصم یافتی　　عنانم ز صحبت چرا تافتی

اے جبرئیل! جب دوستی میں آپ نے مجھے مخلص پایا تو پھر میری ہمراہی سے آپ اعراض کیوں کر رہے ہیں؟

بگفتا فراتر مجالم نماند　　بماندم کہ نیروئے بالم نماند!

جناب جبرئیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ یا رسول اللہ! اب اس سے اوپر چلنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ میں اب عاجز آ چکا ہوں۔ کیونکہ میرے بازوؤں کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ یا رسول اللہ! اب میں آپ کے ساتھ ایسے مقام تک آگیا ہوں کہ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم　　فروغِ تجلّی بسوزد پرم

یعنی اگر میں بال کی نوک کے برابر اس مقام سے اوپر پرواز کروں گا تو پھر خداوندی جاہ و جلال کی تجلیات سے میرے پر جل جائیں گے۔

برادرانِ ملت! عرشِ الٰہی کے مہمان اب ایک ایسی منزل میں پہنچ رہے ہیں کہ نہ اس کو منزل کہہ سکتے ہیں نہ مکان۔ اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟ کہ آپ لامکاں میں تشریف لے جا رہے ہیں جہاں نہ کسی کا وہم پہنچ سکتا ہے نہ گمان ؎

خرد سے کہدو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کوئی بتائے کدھر گئے تھے
سراغ "این و متیٰ" کہاں تھا؟ نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے!

الغرض آپ رفرف پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ اور عالم ملک و ملکوت کی سیر فرما کر اب عالم عزت و جبروت کی منازل کو طے فرماتے ہوئے عروج فرما رہے ہیں۔ روایت ہے کہ عالم تنہائی میں جب آپ جاہ و جلال کے پردوں سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت ربانی جلال و جبروت کی ہیبتوں سے آپ پر کچھ خوف، کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ:

قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّي۔ یعنی ٹھہر جائیے آپ کا رب آپ پر رحمت نازل فرما رہا ہے۔

یارِ غار کی آواز سن کر آپ کو سکونِ قلب حاصل ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں اسی فکر میں تھا کہ ابوبکر کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ کہ اتنے میں مجھے ربِ اعلیٰ نے پکارا کہ اُدْنُ يَا اَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ۔ (زرقانی جلد ۶ ص ۹۳) آخر چلتے چلتے رفرف بھی رک گیا۔ اور آپ مقام دَنَا فَتَدَلّٰی اور منزلِ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی میں پہنچ کر بارگاہِ سبوح و قدوس میں شرفِ باریابی سے سرفراز ہو گئے ؎

سوادِ لامکاں تک رُک گیا رفرف کہ اس کو بھی
کہاں اس خلوتِ وحدت میں اذنِ گرم جولانی
کسی نے لے لیا خود بڑھ کے آغوشِ محبت میں
ہوا ملکِ قدم خلوت سرائے حسنِ امکانی

برادرانِ ملت! منزل قابَ قَوسَینِ اَو اَدنیٰ کیا ہے؟ قربِ الٰہی کی وہ بلند ترین منزل ہے جو صرف مہمانِ عرش ہی کو حاصل ہوئی۔ آپ کے سوا کسی نبی و رسول یا مقرب فرشتے کو کبھی یہ رتبہ نصیب نہیں ہوا۔

قابَ قوسین کی ایک تفسیر

حضرات! "قابَ قوسین او ادنیٰ" کی تفسیر میں امام مجاہد نے ایک بڑی نفیس بات فرمائی ہے جس کو اکثر مفسرین نے بہت ہی پسند فرمایا۔ اس کو بھی سُن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عرب کے محاورے پر نازل ہوا ہے۔ اور عربوں کا دستور تھا کہ جب دو باشاہ ایک دوسرے سے انتہائی محبت کا معاہدہ کرتے تھے تو دونوں اپنی کمانیں اور تیر لے کر میدان میں نکلتے تھے۔ اور دونوں اپنی اپنی کمانوں کو ایک ساتھ ملا کر دونوں کمانوں سے ایک تیر چلایا کرتے تھے۔ یہ اس بات کا اعلان ہوتا تھا کہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے ایسے محب اور دوست بن گئے ہیں کہ جو ایک کا دوست ہوگا وہ دوسرے کا بھی دوست ہوگا اور جو ایک کا دشمن ہوگا، وہ دوسرے کا بھی دشمن ہوگا۔ یہی اتحاد و محبّت کا معاہدہ عرب میں "قابَ قوسین" کہلاتا تھا۔ چونکہ معراج میں رب العرش اور مہمانِ عرش کا یہی معاہدہ ہوا تھا کہ اے محبوب! جو تمہارا دوست وہ ہمارا دوست۔ اور جو تمہارا دشمن وہ ہمارا دشمن۔ جس سے تم راضی اس سے ہم بھی راضی۔ جس سے تم ناراض اس سے ہم بھی ناراض۔ اس لیے اس معاہدہ کو عرب کے محاورہ کے مطابق قرآن نے فرمایا کہ "فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنیٰ"۔ یعنی محبُوب و محب کے درمیان "قابَ قوسین" کا معاہدہ ہوا۔

(حاشیہ جلالین ص ۴۳۵)

الغرض مہمانِ عرش بارگاہِ رب العزت میں بے شمار اعزاز و اکرام، اور قسم قسم کی لا تعداد نوازشوں سے سرفراز ہو کر پھر زمین پر تشریف لائے۔ اور جب حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر صبح کو اپنے اس سفر کا ذکر فرمایا تو ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ رات کو میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا کہ کفار چلّا چلّا کر انکار کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ یہ نا ممکن ہے کہ آپ رات بھر میں بیت المقدس تک جا کر واپس پلٹ آئیں۔

چونکہ کفّار نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا انکار کیا تھا اس لیے ان کی دہن دوزی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی (سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت سبحٰن الذّی اسریٰ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا ذکر ہے۔ اور مسجد اقصیٰ سے اُوپر کی معراج کا ذکر "سورۂ والنجم" میں ہے۔) جس کا بیان آپ سن چکے ہیں۔ چونکہ معراج کی تصدیق سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے کی اس لیے وہ صدیق اکبر کے خطاب ولقب سے سرفراز کئے گئے! سبحان اللّٰہ"

بجز ذاتِ مُطہر یہ شرف کس کو ہوا حاصل
بجز صدیق اکبر یہ حقیقت کس نے پہچانی؟

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ

علیٰ خیر خلقہ محمّد واٰلہٖ و

صحبہٖ اجمعین ط

تیسرا وعظ

بُرہانِ مُعجزات

زبرہاں تابہ ایماں سنگھا دارد رہِ واعظ
ندارد ہیچ واعظ ہمچو برہانے کہ من دارم

۷۸۶
۹۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ نَبِیَّهٗ فَسَوَّاهُ وَعَدَّلَهٗ وَجَعَلَهٗ بُرْهَانًا وَّنُوْرًا بِالْحَقِّ اَرْسَلَهٗ وَعَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ شَرَّفَهٗ وَفَضَّلَهٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ عَظَّمَهٗ وَبَجَّلَهٗ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (نساء)

برادرانِ اسلام! ہدیہ درود و سلام حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ کے دربار عالی مقام میں بہ آواز بلند پیش کیجئے۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَسَیِّدٍ حَبِیْبِ اِلٰهِ الْعٰلَمِیْنَ مُحَمَّدٍ
بَشِیْرٍ نَذِیْرٍ هَاشِمِیٍّ مُکَرَّمٍ عَطُوْفٍ رَءُوْفٍ مَنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدٍ

حضرات! میں آج کے وعظ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ابھی ابھی خطبہ کے بعد سورۂ نساء کی ایک آیہ کریمہ تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور اتارا۔"

محترم سامعین! تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں برہان سے مراد حضور پُر نور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اور روشن نور سے مراد قرآن مجید ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو خداوند عالم نے بُرہان یعنی دلیل بتایا اور آپ کو معلوم ہے کہ دلیل کسی نہ کسی دعویٰ کی ہوا کرتی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا دعویٰ ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی دلیل بنا کر بھیجے گئے ہیں تو میرے بزرگو اور بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں تشریف لا کر یہ دعویٰ فرمایا کہ "محمدٌ رسول اللہ" یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہر دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا ہے تو پھر محمد رسول اللہ بھی ایک دعویٰ ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے۔ تو خداوند جَلّ وعلا نے ارشاد فرمایا کہ: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی اے دنیا والو! میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس دعویٰ کی دلیل خود ان کی ذات ہی ہے اور وہ تمہارے پاس خداوند قدوس کی طرف سے اس دعویٰ کی دلیل بن کر تشریف لائے ہیں۔ یعنی اگر تم لوگ محمد رسول اللہ کے دعویٰ پر دلیل طلب کرتے ہو تو محمد رسول اللہ کی ذات کو دیکھ لو۔ محمد رسول اللہ کی دلیل خود محمد رسول اللہ ہیں۔ سبحان اللہ!

"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

یعنی جس طرح سورج کی دلیل خود سورج کی ذات ہے۔ اسی طرح "محمد رسول اللہ" کی دلیل خود محمد رسول اللہ کی ذات ہی ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سورج موجود ہے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سورج کی ذات ہی سورج کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی آپ کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح سورج کو ایک نظر دیکھنے والا یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ سورج موجود ہے اسی طرح جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بیں نگاہوں سے ایک مرتبہ بھی دیکھ لے گا تو اس کے قلب و دماغ میں آفتاب عالم تاب سے بڑھ کر یہ حقیقت روشن و آشکار ہو جائے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں!

حضرات! یاد رکھئے کہ انبیاء و رسولوں کی نبوت و رسالت کی دلیلوں کو "معجزہ" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر نبی و رسول کو ان کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر پروردگارِ عالم نے کچھ معجزات عطا فرمائے، جن کو پیش کر کے انبیاء اور رسولوں نے دنیا والوں کے سامنے اپنی اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا۔ مگر ہر نبی و رسول کا معاملہ یہ رہا کہ ان کے معجزات ان کی ذات سے الگ کچھ مافوق العادات اور تعجب میں ڈال دینے والے کمالات ہوتے رہے کہ جن کو دکھا کر انبیاء سابقین اپنی اپنی نبوت کو اپنی اپنی امتوں کے سامنے ثابت کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا۔ — یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے عطا کئے ہوئے معجزات کے ساتھ بھیجا۔

یعنی عصاء، یدِ بیضاء، دریا کا پھٹ جانا، پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکال دینا وغیرہ معجزات لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ اسی طرح تمام انبیاء اور رسولوں کے بارے میں رب العزت جل جلالہٗ نے فرمایا کہ:

جَآءُوْا بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ — یعنی یہ انبیاء معجزات اور صحیفے، اور روشن کتاب لے کر آئے۔

غرض ہر نبی و رسول کے بارے میں یہی دستور خداوندی رہا کہ اُن کے معجزات ان کی ذات سے الگ کچھ محیر العقول چیزیں ہوا کرتی تھیں جن کو لے کر انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے تھے۔ اور انہیں معجزات کو دکھا کر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی نبوتوں کو

دنیا والوں کے سامنے ثابت کرتے تھے اور یہی معجزات ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتے تھے۔ مگر نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبران صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شان تمام انبیاء اور رسولوں سے انوکھی اور نرالی ہے کہ آپ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ آپ اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے چند معجزات بطور دلیل لے کر تشریف لائے بلکہ فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی نبوت کی دلیل بن کر تشریف لائے۔

اور خود آپ کی ذات ہی سراپا آیات بینات و مخزن معجزات ہے اور برادران ملت! اس میں ذرا برابر شک نہیں کہ اگر غور کیجئے تو یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات، ان کی ہر ادا، ان کی ہر بات، بلکہ ان کے تن اقدس کا رونگٹا رونگٹا اور ان کے جسم منور کا بال بال سراپا کمال و معجزۂ بے مثال ہے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان ایک نظر بھر جمالِ نبوت کا نظارہ کرلے تو وہ آپ کی نبوت ورسالت کے اقرار پر مجبور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ جمالِ نبوت کا دیدار کیا، مگر ایک ہی نظر میں میری دنیاء دل کے اندر ایسا انقلابِ عظیم پیدا ہوگیا کہ:

وَاللّٰہِ لَقَدْ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْھَہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ ط یعنی میں نے جان لیا اور پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

ہاں البتہ وہ بدنصیب انسان جن کے دلوں میں کفر وانکار کی مہر لگ چکی ہے اور جو اپنی آنکھوں پر بغض وعناد کی عینک لگائے ہوئے ہیں وہ اگر لاکھوں بار بھی جمالِ نبوت کے جلوے دیکھیں پھر بھی انہیں رحمتِ عالم کی حقانیت و صداقت اور ان کی نبوت ورسالت کا آفتاب نظر نہیں آسکتا۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

یعنی اگر دن میں چمگادڑ کی آنکھ سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتی تو اس میں سورج کا کیا گناہ ہے؟ سورج تو اپنی آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے یہ چمگادڑ کی آنکھ کا قصور ہے کہ وہ سورج کی روشنی کا جلوہ دیکھنے سے محروم ہے۔ اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم منوّر کے ذرّے ذرّے میں معجزاتِ نبوّت کے ہزاروں آفتاب روشن ودرخشاں ہیں۔ مگر کافروں اور منافقوں کی آنکھیں جن پر کفر ونفاق کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اگر انہیں پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ نبوّت کے آفتاب وماہتاب نظر نہیں آتے تو یہ ان کی بدبخت آنکھوں کا قصور ہے۔ ورنہ آفتابِ نبوّت کی تجلّیاں تو زمین وآسمان کے ذرّے ذرّے کو رشکِ آفتاب وماہتاب بنا رہی ہیں ؎

انہیں کی بو، مایۂ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں سے رنگت گلاب میں ہے

برادرانِ اسلام! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم منوّر کا ذرّہ ذرّہ معجزاتِ نبوّت کا ایک عالم ہے۔ اور آپ کی ذات بابرکات سراپا معجزات ہی معجزات ہے۔

عزیزو اور دوستو! بات یہاں تک آگئی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آئیے۔ اب میں آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کے چند معجزات کا نظارہ بھی کرا دوں کہ کس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا معجزات ہے؟ آئیے سب سے پہلے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس آنکھوں کا اعجاز دیکھئے۔

نورانی آنکھ

برادرانِ ملّت! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمِ منوّر کی شانِ اعجاز اور ان کی معجزانہ نگاہِ نبوّت کا کیا کہنا؟ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ ۔ یعنی اے دنیا والو! میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم دنیا والوں میں سے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔

اللہ اکبر! مسلمانو! تم نے غور کیا؟ دنیا والوں میں حضرت ملک الموت بھی تو ہیں اور ان

کہ نظر کا کیا حال ہے۔ کائناتِ عالم کے تمام جاندار ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔ دنیا بھر میں جس کی موت کا وقت آجاتا ہے حضرت ملک الموت فوراً اس کے پاس پہنچ کر اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اسی طرح منکر و نکیر کی آنکھیں ساری دنیا کے مُردوں کو ہر وقت دیکھتی رہتی ہیں اور ہر میت کے پاس پہنچ کر یہ دونوں سوالات کرتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام تمام دنیا والوں کی روزی کا بحکم الٰہی انتظام کرتے ہیں۔ ہر مخلوق کے رزق کو ان کی آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں۔ غرض کائناتِ عالم میں بڑی بڑی دور تک دیکھنے والی آنکھوں والے موجود ہیں۔ مگر رحمتِ عالم کا ارشاد ہے کہ اے آنکھ والو! تمہاری آنکھیں کتنا ہی زیادہ کتنی ہی دُور تک دیکھنے والی کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی میری آنکھیں جن کو دیکھ رہی ہیں۔ وہ تم میں سے کسی کی آنکھ کو بھی نظر نہیں آسکتیں انی اریٰ مالا ترون میں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جن کو تم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ:

اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ بَعْدِیْ۔ (مشکوٰۃ صہ۸۲)

یعنی اے لوگو! تم رکوع و سجود کو درست طریقے سے ادا کرو۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

برادرانِ ملت! یہ ہے رحمتِ عالم کی آنکھ کا بے مثال اعجاز کہ آج تک دنیا میں کسی آنکھ کو یہ کمال نصیب نہیں ہوا کہ وہ بیک وقت آگے اور پیچھے دیکھ لے۔ بلکہ تمام فلاسفہ اور ماہرین نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کے لیے یہ شرط ہے کہ دیکھی ہوئی چیز آنکھ کے سامنے ہو۔ اس لیے کہ کوئی آنکھ پیچھے کی چیزوں کو نہ آج تک دیکھ سکی ہے نہ آئندہ دیکھ سکتی ہے۔ مگر رحمتِ عالم کی مقدس آنکھوں کا یہ معجزہ ہے کہ وہ بیک وقت آگے اور پیچھے دونوں طرف دیکھ لیتی ہیں۔ چنانچہ صاحب مرقاۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَهِیَ مِنَ الْخَوَارِقِ الَّتِیْ اُعْطِیَهَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ صہ۸۲)

یعنی یہ اُن معجزات میں سے ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے گئے ہیں۔

اچھا! اس سے بھی بڑھ کر سنیئے! بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ:

وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ۔ (بخاری ص۵۹)

یعنی خدا کی قسم تمہارا رکوع و خشوع میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔

اللہ اکبر! واہ رے مصطفیٰ پیارے کی چشم اقدس کا اعجاز کہ بیٹھ کے پیچھے نمازیوں کے رکوع بلکہ خشوع کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ حضرات! خشوع کیا چیز ہے؟ خشوع دل میں خوف اور عاجزی کی ایک کیفیت کا نام ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے مگر نگاہِ نبوت کا یہ معجزہ دیکھو کہ جو چیزیں آنکھ سے دیکھنے کے قابل ہی نہیں، ان چیزوں کو بھی رحمتِ عالم نے اپنی مقدس آنکھوں سے دیکھ لیا۔ عزیزو اور دوستو! نگاہِ نبوت کا ایک اور معجزہ بھی سن لیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ:

یَرٰی فِی الظُّلْمَاءِ کَمَا یَرٰی فِی الضَّوْءِ۔ (خصائص کبریٰ، ج۱، ص۶۱)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندھیرے اور اُجالے میں یکساں دیکھتے تھے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہاں ہیں آنکھ والے؟ آئیں اور دیکھیں نگاہِ مصطفیٰ کا اعجاز۔ کون نہیں جانتا کہ فلسفۂ بصر و نظر کے ماہرین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کے لیے روشنی اور اُجالا شرط ہے، مگر یہ نگاہِ نبوت کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ جس طرح اجالے میں تمام چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح اندھیرے میں بھی دیکھا کرتے تھے۔ حضرات! میں سرکارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں کے کون کون سے معجزات بیان کروں؟ اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب فرمایا:

شش جہت، سمتِ مقابل، شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے اُمّی! تری دانائی کی

سینکڑوں میل دور ہونے والے واقعات کو مدینہ میں بیٹھ کر اپنی آنکھوں سے

دیکھ لیا۔ اس مضمون کی سینکڑوں روایات موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ جنگِ موتہ میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرما کر امیرِ لشکر مقرر فرمایا۔ اور مجاہدین سے ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر امیرِ لشکر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ علمبردار اور لشکر کے سپہ سالار بنائے جائیں گے۔ اور اگر وہ بھی شرفِ شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو پھر مجاہدین کسی کو امیرِ لشکر منتخب کر لیں۔ چنانچہ جب یہ لشکر موتہ کی سرزمین پر پہنچا۔ جو مدینہ منورہ سے ایک ماہ بلکہ اس سے بھی زائد کا راستہ ہے۔ اور جنگ شروع ہوئی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے اس جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ مگر وہ شہید ہو گئے پھر فرمایا کہ اب جعفر نے جھنڈا اٹھایا۔ مگر وہ بھی شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ اب عبد اللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں پرچم اسلام آیا۔ لیکن وہ بھی جامِ شہادت سے سیراب ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ آخر میں خدا کی ایک تلوار (خالد بن ولید) نے نشانِ جنگ کو ہاتھ میں لیا۔ اور فتح مبین ہو گئی۔ رحمتِ عالم صحابہ کو موتہ کے میدانِ جنگ کی کیفیات سناتے رہے۔ اور چشمانِ رحمت سے آنسوؤں کے قطرات موتی بن کر رخسارِ نبوت پر نثار ہو رہے تھے۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱۶۷)

برادرانِ ملت! سینکڑوں میل کی دوری تو کیا حقیقت رکھتی ہے؟ رحمتِ عالم نے تو اپنی آنکھوں سے تمام روئے زمین اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کو بیک وقت دیکھ لیا۔ بارہا آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی۔ پھر ایک مرتبہ سن لیجئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام زمین کو سمیٹ دیا۔

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذَا۔

(مواہب، ج ۲، ص ۱۹۲)

یعنی میں زمین اور اس میں قیامت تک ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

برادرانِ اسلام! بتائیے روئے زمین کی کیا حقیقت ہے! نگاہِ مصطفےٰ نے تو مسجد نبوی کی محراب میں کھڑے ہوئے جنت و دوزخ کو دیکھ لیا۔ جنت و دوزخ بھی کیا حقیقت ہے۔ ان آنکھوں نے تو تمام فرش و عرش کو دیکھ لیا سارے جہان کو دیکھ لیا۔ ساری خدائی کو دیکھ لیا! خدا کو دیکھ لیا۔ پڑھیئے درود شریف!

اللّٰھمّ صلّ علیٰ سیّدنا محمّد وعلیٰ اٰلہٖ واصحٰبہ وبارک وسلّم۔

مُقدّس کان

حضرات! اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گوشِ مبارک کی قوتِ سامعہ بھی معجزانہ شان رکھتی ہے۔ سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ:

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ ۝

(خصائص کبریٰ، ج ۱، ص۶۷)

یعنی میں وہ دیکھتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں دیکھتا اور میں وہ سنتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں سنتا۔

برادرانِ ملت! اس حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سننا اور دیکھنا دوسرے انسانوں کے مثل نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام صفتوں کی طرح آپ کے سمع و بصر کی قوت بھی بے مثال اور ایک معجزانہ شان رکھتی ہے۔ دُور دُور کی آواز سن لینا یہ آپ کے مقدس کانوں کا مشہور معجزہ ہے۔

بزرگانِ ملت! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آگئی ہے۔ حضرتِ بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات تہجد کے وقت میرے حجرے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے کہ ناگہاں آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ لبیک لبیک لبیک پھر تین مرتبہ فرمایا کہ:

نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ۔ یعنی میں تم لوگوں کی مدد کے لیے حاضر ہوں۔

حضرت بی بی میمونہ نے نہایت تعجب کے ساتھ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ یہاں تو میرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ نے ہمارے حلیف بنی کعب پر انتہائی ظالمانہ حملہ کر دیا ہے،

اور وہ بیچارے مصیبت کے مارے مجھ سے مدد طلب کر رہے ہیں تو میں نے اس وقت ان کی فریاد کا جواب دیا ہے۔ اور ان کی امداد کا وعدہ کر کے ان کی ڈھارس بندھائی ہے۔ چنانچہ تیسرے دن نماز فجر کے بعد ہی بنی کعب کا قاصد قصیدہ پڑھتے ہوئے فریاد اور امداد طلب کرنے کے لیے مدینہ آگیا۔ علامہ زرقانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

لَا بُعْدَ فِیْ سِمَاعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسِیْرَۃِ ثَلَاثٍ فَقَدْ کَانَ یَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَآءِ۔

(خصائص، جلد، ص۵۳۔ حاشیہ الدولۃ المکیہ ص۱۸)

یعنی اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دن کی راہ سے ایک فریادی کی فریاد کو سُن لیا تو یہ کوئی آپ سے بعید نہیں ہے کیونکہ آپ تو زمین پر بیٹھے ہوئے آسمانوں کی چرچراہٹ کو سن لیا کرتے تھے بلکہ عرش کے نیچے چاند کے سجدے میں گرنے کی آواز کو بھی سماعت فرما لیتے تھے۔

حضرات دلائل الخیرات شریف میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

اَسْمَعُ صَلَاۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلَاۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا۔

یعنی میں اپنے اہلِ محبت کا درود شریف خود سُن لیتا ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! اس حدیث سے آفتابِ عالم تاب کی طرح روشن ہو گیا کہ سرکارِ دو جہاں سے محبّت کرنے والا مسلمان اگرچہ لاکھوں میل دور ہو، صحرا میں ہو یا سمندر میں ہو، آبادی میں ہو یا ویرانے میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا گہرے غاروں میں، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے درود کو سُن لیتے ہیں! سبحان اللہ! یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گوشِ مبارک کا بے مثال اعجاز۔ اسی مضمون کو اعلیٰحضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام!

زبان مبارک

برادرانِ اسلام، اسی طرح آپ کی زبان فیض ترجمان کو دیکھئے تو وہ بھی سرچشمۂ آیات و مخزنِ معجزات ہے۔ فصاحت و بلاغت کو دیکھئے تو وہ بھی حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے عرب کے فصحاء و بلغاء آپ کے کلام بلاغت نظام کو سُن کر دنگ رہ جاتے تھے ؎

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کلام کی عظمت و تقدس کو دیکھئے تو وہ بھی سراپا معجزہ، چنانچہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ — یعنی یہ پیغمبر اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ ان کا کلام تو وحی الٰہی ہے۔

اسی طرح زبان کی شانِ حکمرانی پر نظر ڈالیے تو وہ اعجاز کہ زبان سے جو فرمادیا وہ معجزہ بن کر عالمِ وجود میں آگیا۔ روایت ہے کہ غزوہ ذی قرد میں ایک کھاری پانی کے چشمہ پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا۔ یہ چشمہ بَیسان کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس چشمے کا پانی نہایت ہی بدمزہ اور کھاری ہے یہ سُن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

بَلْ هُوَ نُعْمَانُ وَهُوَ طَيِّبٌ۔ — یعنی اس چشمے کا نام بیسان نہیں بلکہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے۔

صحابہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہی اس چشمے کا پانی بالکل شیریں، خوش ذائقہ اور خوشگوار ہو گیا۔ (حجۃ اللہ ص ۴۴۲)

اسی طرح ایک کافر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ حضور اگر میری مری ہوئی لڑکی کو زندہ فرمادیں تو میں ضرور اسلام قبول کر لوں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی بیٹی کی قبر پر تشریف لے گئے اور لڑکی کا نام لے کر پکارا تو وہ زندہ ہو کر لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ - کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ (دلائل النبوۃ)

اسی طرح ایک کافر نے سوال کیا کہ آپ کھجور کے درخت کو حکم دیں اور وہ کھجوروں کا ایک خوشہ گرادے تو میں ایمان لاؤں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھجور کے ایک درخت کی طرف اشارہ فرمادیا تو اس نے فوراً ہی پکی ہوئی کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کردیا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۱)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک گستاخ حکیم بن ابی العاص دربارِ نبوت میں حاضر ہوتا تو منہ بگاڑ بگاڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نقلیں اتارتا تھا۔ ایک دن آپ نے نہایت پُرجلال لہجے میں فرمایا کہ:

كُنْ كَذٰلِكَ وَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ۔

(خصائص، ج ۲، ص ۹)

یعنی تو ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ زبانِ مبارک کا معجزہ دیکھو کہ مرتے دم تک اس خبیث کا منہ اسی طرح ہلتا رہا۔

سبحان اللہ ؎

وہ زبان جس کو سب کُن کی کنجی کہیں

اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضرات! مجھے مرزا غالب کا ایک شعر یاد آگیا۔ انہوں نے اس مضمون پر کیا خوب کہا ہے ؎

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است

اما کشادِ آں ز کمانِ محمد است

یعنی اس میں شک نہیں کہ تقدیرِ الٰہی کا تیر خدا ہی کے ترکش قدرت میں ہے۔ لیکن اس تیر کا چلنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ؟

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مَفَر مَقَر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دندانِ نور

حضرات! اسی طرح اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دانتوں پر ایک نظر ڈالیں گے تو وہ بھی صاحبِ اعجاز نظر آئیں گے۔ چنانچہ آپ

کے دندانِ مبارک کا یہ معجزہ تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا ضَحِكَ يَتَلَأْلَأُ فِي الْجُدُرِ لَمْ أَرَ مِثْلَهُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ۔ (ترمذی)

یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبسم فرماتے تھے تو دیواروں پر دندانِ مبارک کی چمک کا عکس پڑتا تھا۔ اور میں نے رحمتِ عالم کا مثل نہ آپ کے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔

برادرانِ ملت! دنیا میں بڑے بڑے حسین اور چمکدار دانتوں والے ہوئے مگر دانتوں میں ایسی چمک کہ تبسم کے وقت ان کی تجلی سے مکان کی دیواریں اندھیری رات میں جگمگا اٹھیں یہ رحمۃ للعالمین ہی کے دانتوں کا جمالِ نبوت ہے۔ جس کو معجزہ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

سبحان اللہ! سبحان اللہ! ؎

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اِس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام!
جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے!
اِن ستاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

دستِ اقدس

برادرانِ ملت! اچھا آیئے۔ اب ذرا رحمتِ عالم کے مقدس ہاتھوں کا بھی اعجاز سُن لیجئے۔ بخاری شریف کی حدیث تو بارہا آپ لوگوں نے علماءِ کرام سے سُنی ہو گی۔ حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدِيْ۔

یعنی میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھدی گئیں۔

اللہ اکبر! میرے بزرگو اور بھائیو! آپ نے کبھی غور کیا؟ کہ زمین کے خزانے کون کون ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ ہیرے، جواہرات، سونا، چاندی، لوہا، پیتل وغیرہ تمام دھاتیں، تیل، پٹرول یہ سب زمین ہی کے خزانے ہیں۔ پھر تمام نباتات، ہر قسم کے اناج، پھل پھول، سب کے خزانے تو زمین ہی میں ہیں اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں

کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

حضرات! کسی کے ہاتھ میں تالا کنجی دینے کا کیا مطلب ہوا کرتا ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ کسی کے ہاتھ میں تالا کنجی دینے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس شخص کو تصرف کا اختیار دے دیا گیا۔ تو برادرانِ ملّت! اس حدیث کا صاف صاف مطلب یہی ہوا کہ پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کے ہاتھوں میں زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دے کر زمین کے تمام خزانوں پر اقتدار و اختیار بخش دیا ہے کہ محبوبِ خداوند زمین کے خزانوں میں سے جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا فرما سکتے ہیں۔ سچ فرمایا کہ کسی اہلِ محبت نے ؎

کفِ دستِ رحمت میں ہے سارا عالم
زمیں آپ کی، آسماں آپ کا ہے

حضرات! پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی معجزانہ شان پر قربان جائیے۔ یہ وہ صاحبِ اعجاز ہاتھ ہے کہ اس ہاتھ سے جس چیز کی طرف اشارہ فرما دیا۔ وہ عالمِ وجود میں آ گئی۔ یہی وہ ہاتھ ہے کہ اس کے اشارے سے چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اسی ہاتھ کے اشارے سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ اسی کا اعجاز تھا کہ جنگ اُحد کے دن عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو رحمتِ عالم نے اپنے دستِ اقدس سے ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ دے دی۔ جو دستِ رحمت کا اشارہ پاتے ہی ایک بہترین تلوار براق بن گئی۔ یہی مقدّس ہاتھ تھا کہ رحمتِ عالم نے ابو زید انصاری کی داڑھی اور سر پر پھرا دیا۔ اور فرمایا کہ الٰہی! ان بالوں کو زینت بخش دے تو ان ہاتھوں کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ سو برس کی عمر میں بھی ان کے سر اور داڑھی کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا۔ اور تمام عمر چہرے پر جوانی کا جمال باقی رہا۔ (حجۃ اللہ ص ۴۳۷)

دستِ مبارک کا اس سے بڑھ کر ایک معجزہ اور بھی سُن لیجئے۔ جو انتہائی عجیب و غریب ہے۔

ہڈیاں زندہ ہو گئیں

حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے لیے

ایک بکری ذبح کی۔ اور اس کا گوشت پکایا۔ حضور رحمتِ عالم اور صحابہ نے یہ گوشت کھایا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو سرکارِ دو جہاں نے تمام ہڈیوں کو ایک برتن میں جمع فرمایا۔ اور ان ہڈیوں پر دستِ مبارک رکھ کر کچھ فرمایا۔ تو یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ:

فَاِذَا الشَّاةُ قَدْ قَامَتْ تَنْفُضُ ذَنَبَهَا۔ (خصائص، ج ۲، ص۶۷) یعنی بالکل اچانک بکری زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اور دم ہلانے لگی۔

حضرات! حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑا ہی مشہور معجزہ ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔ مگر آپ نے ان لاشوں کو زندہ فرمایا تھا جن کے ٹکڑے نہیں ہوئے تھے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے گوشت کی پکی ہوئی ہڈیوں کو زندہ فرما دیا۔ یقیناً اعجازِ مسیحائی ایک بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اعجازِ محمدی اس سے بہت زیادہ بلند و بالا اور بہت ہی بڑھ چڑھ کر ہے۔

برادرانِ ملت! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پکی ہوئی ہڈیوں ہی کو زندہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے تو ایک سوکھی ہوئی لکڑی استن حنانہ اور پتھر کی کنکریوں کو جان، زبان اور ایمان بخش دیا۔ کہ استن حنانہ آپ کی جدائی میں جوشِ محبت میں رو یا۔ اور کنکریوں نے آپ کا کلمہ پڑھا۔ حالانکہ لکڑی اور پتھر میں کبھی بھی حیات نہیں تھی نہ ان میں حیات کی صلاحیت ہی ہے۔ مگر یہ رحمتِ عالم کا اعجاز ہے کہ جن چیزوں میں حیات کی صلاحیت بھی نہیں تھی۔ انہیں بھی آپ کے کرم سے ایمان کی زندگی مل گئی۔ بلکہ جان کے ساتھ زبان و ایمان کی دولت بے بہا بھی نصیب ہو گئی۔ اعلیٰحضرت قبلہ نے اس مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کیا خوب ارشاد فرمایا ؎

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ستونِ حنانہ

برادرانِ اسلام! استن حنانہ کا واقعہ آپ نے بارہا سنا ہو گا۔ لیکن ایک بار پھر سن لیجئے۔

روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں کھجور کی لکڑی کے ایک

ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے۔ مدینہ منورہ کی ایک انصاری عورت نے جب لکڑی کا ایک منبر تیار کرا کر مسجد نبوی میں رکھا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلی مرتبہ اس منبر پر خطبہ پڑھنے کے لیے رونق افروز ہوئے تو مسجد کا ستون اس طرح بلبلا کر رویا کہ بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے کہ:

صَاحَتِ النَّخْلَۃُ صِیَاحُ الصَّبِیِّ۔ — یعنی یہ کھجور کا تنا فراقِ رسول میں اس طرح رونے لگا جس طرح بچہ اپنی ماں کی جدائی پر روتا ہے۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی میں اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا ؎

استنِ حنّانہ از ہجرِ رسول — نالہ می زد ہم چو اربابِ عقول

یعنی مسجد کا ستون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے اس طرح نالہ و فریاد کر کے رونے لگا جیسے کوئی عقلمند (انسان) اپنے محبوب کی جدائی پر روتا ہے ؎

در تحیر ماند اصحابِ رسول! — کز چہ می نالد ستون با عرض و طول

صحابہ کرام کو انتہائی حیرت ہوئی کہ یہ لمبا چوڑا ستون کس وجہ سے رو رہا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں شیشے سے زیادہ نازک دل تھا۔ ستون کی بے قراری و گریہ وزاری پر رحمتِ عالم کا دل بھر آیا۔ آپ نے خطبہ چھوڑ کر اس ستون کو اپنے مقدس سینے سے چمٹا لیا تو اس وقت ستون اس طرح رونے لگا جس طرح ماں سے بچھڑا ہوا بچہ ماں سے ملنے کے بعد سسک سسک کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر سرکار دو جہان نے ستون کو مخاطب کر کے فرمایا ؎

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون — گفت جانم از فراقت گشت خون

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تیری خواہش و مرضی کیا ہے؟ تو ستون نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی جدائی سے میری جان کا خون ہو گیا ؎

مسندت من بودم از من تاختی — بر سرِ منبر تو مسند ساختی

یا رسول اللہ! آپ مجھ سے تو ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، لیکن آج آپ نے

اعراض فرما کر منبر کو اپنی مسند بنا لیا۔ اسی آپ کی جدائی کی وجہ سے میں رو رہا ہوں۔

حضرات! دیکھ لیا آپ نے اعجاز محمدی کا جلوہ؟ سوکھی لکڑی کے ستون کو جان ملی، پھر زبان ملی کہ وہ رونے اور گفتگو کرنے لگا، پھر وہ صاحبِ ایمان بھی ہو گیا کہ محبوبِ خدا کے عشق و محبت کی دولت اُسے نصیب ہو گئی۔

اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ ابو جہل کے ہاتھ میں کنکریوں نے اشارہ پاتے ہی کلمہ پڑھا، جیسا کہ مولانائے روم نے فرمایا ؎

لا الٰہ گفت و الا اللہ گفت گوہر احمد رسول اللہ سُفت

برادرانِ ملت! بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ:

اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی آپ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ فرما دیا کرتے تھے۔

مگر آپ نے جن چند مُردوں کو زندہ فرما دیا وہ سب مُردہ انسان تھے جن میں مدتوں زندگی رہ چکی تھی اور وہ کٹے پھٹے بھی نہ تھے۔ بلکہ ان میں حیات کی صلاحیت تھی۔ لیکن رحمتِ عالم نے پکی ہوئی ہڈیوں کو اور سوکھی لکڑی کے ستون کو اور کنکریوں کو باذنِ اللہ نہ صرف جان بلکہ زندگی کے ساتھ زبان و ایمان بھی عطا فرمایا۔ حالانکہ ان چیزوں میں حیات کی صلاحیت بھی نہیں تھی۔ تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا معجزہ بلاشبہ عظیم تھا مگر رحمتِ عالم کا معجزہ اس سے بہت زیادہ اعظم ہے۔

پنجاب رحمت کی ندیاں

حضرات! سرکارِ دو جہاں کے دستِ مبارک کے معجزات کا ذکر آگیا ہے تو یہ بھی سُن لیجئے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ چنانچہ ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر اس وقت آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ سنہ ۶ھ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے اور میدان حدیبیہ میں نزول فرمایا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک

ہو گیا اور حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لیے محتاج ہو گئے۔ اس وقت رحمتِ عالم کے دریائے رحمت میں جوش آگیا اور آپ نے ایک پیالے میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو آپ کی مقدس انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو کا لشکر سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے وضو و غسل کیا۔ جانوروں کو پانی بھی پلایا۔ تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی پانی سے بھر لیا۔ پھر رحمتِ عالم نے پیالے میں سے دستِ مبارک اٹھالیا۔ اور پانی ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم لوگ کتنے آدمی تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔ مگر پانی اس قدر کثیر تھا کہ:

لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا ۔ (مشکوٰۃ ص۵۳۲)

یعنی اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو یہ ہم سب کو کافی ہو جاتا۔

سبحان اللہ! اعلیحضرت قبلہ نے کیا خوب فرمایا ہے

انگلیاں ہیں جوش پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

حضرات! یہاں بھی اعجاز محمدی کی بے مثالی کا جلوہ دیکھئے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک مشہور معجزہ مذکور ہے کہ آپ نے خدا حکم سے پتھر پر اپنا عصا مارا تو:

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ تھا۔ مگر یہی معجزہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اس طرح ظاہر ہوا کہ آپ نے پیالے میں ہتھیلی رکھ دی تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ پتھر پر لاٹھی مار کر چشمے جاری کر دینا اگرچہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے مگر پھر بھی پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنا عجیب و نادر الوجود نہیں ہے جتنا کہ انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا محیر العقول و عدیم ہے۔ کیونکہ بہر حال پتھروں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان سے چشمہ جاری ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ:

اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ

یعنی کچھ پتھروں میں سے نہریں نکل پڑتی ہیں اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے۔

مگر انسان کی انگلیوں میں ہرگز ہرگز یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے پانی نکلے۔ لہٰذا عقل سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اعجازِ موسوی اگرچہ ایک عظیم معجزہ ہے مگر اعجازِ محمدی کی شان بے مثالی کی اور ہی شان ہے۔

حضرات! بات پر بات یاد آتی جاتی ہے۔ یہ تو آپ نے سُنا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا۔ اور بنی اسرائیل سلامتی کے ساتھ بیچ دریا میں بنے ہوئے قدرتی راستہ پر چل کر دریا کے پار نکل گئے۔ مگر رحمتِ عالم نے اپنی انگلی سے اشارہ فرمادیا تو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ غور کیجئے ان دونوں معجزوں میں بھی کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ اعجازِ موسوی کا تصرف دریا پر ہوا۔ جو زمین پر بہتا ہے۔ اور اعجازِ محمدی کا تصرف چاند پر ہوا جو آسمان پر ہے اس لیے بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں معجزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی لیے کسی نے خوب کہا ہے ؎

انفلاقِ بحر بُرہانِ عظیم الشان تھا!
انشقاقِ بدر کا لیکن نتیجہ اور ہے!

قدم شریف کا معجزہ

حضرات! آپ میرے رحمت والے آقا، مدینے کے داتا کے ہاتھوں کا معجزہ تو سُن چکے۔ اب آیئے میں آپ کے قدم شریف کا ایک معجزہ آپ کو سُنا دوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر کوہِ اُحد پر تشریف فرما ہوئے تو پہاڑ جوشِ مسرت سے ہلنے لگا۔ کیوں نہ ہو کہ آج اس پہاڑ پر ان کے قدم آئے کہ جنہوں نے ایک مرتبہ عرشِ مجید کی چوٹی پر قدم رکھا تو عرش کی عظمت میں چار چاند لگ گیا۔ بہرحال جب پہاڑ ہلنے لگا تو رحمتِ عالم

نے پہاڑ پر ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ اے پہاڑ! ٹھہر جا اس وقت تیری پشت پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ آپ کی ٹھوکر سے اُحد کا زلزلہ ساکن ہو گیا۔ (بخاری وغیرہ)
اللہ اکبر! قدم رسول کے اعجاز کا کیا کہنا ؎

ایک ٹھوکر سے اُحد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر! ایڑیاں

جسمِ انور کا اعجاز

حضرات! میں عرض کر چکا ہوں کہ جسم منوّر کا ہر ہر عضو مخزنِ معجزات ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی بدن کے بھی چند معجزات آپ کو سُنا دوں! سُنیے! آپ کے جسم انور کا یہ خاص معجزہ ہے کہ کبھی اس پر مکھی نہیں بیٹھی۔ بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جسم منوّر تو جسم منوّر ہے کبھی آپ کے کپڑوں پر بھی مکھی نہیں بیٹھی۔

حضرات! مکھی وہ بے حیا مخلوق ہے کہ پاک و ناپاک ہر چیز پر بیٹھتی ہے۔ اور دنیا کی طاقت مکھی کو جسم پر بیٹھنے سے نہیں روک سکتی۔ مگر رحمتِ عالم کے بدن مبارک کا یہ کھلا ہوا معجزہ ہے کہ مکھی بھی آپ کی عظمت کو پہچانتی تھی۔ اور بارگاہِ نبوّت کے تقدّس کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کبھی بھی آپ کے جسم اطہر پر نہیں بیٹھی۔ اسی طرح آپ کے جسمِ منوّر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ لَا فِي الشَّمْسِ وَلَا فِي الْقَمَرِ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۶۸)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں دیکھا گیا نہ چاند کی چاندنی میں۔

حضرات! مجھے اس وقت ایک بڑا لطیف نکتہ یاد آ گیا یہ بھی سُننے کے قابل ہے یہ تو بار بار آپ نے سُنا ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم منوّر کا سایہ نہیں پڑتا تھا اور یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ آپ کا جسم مبارک گو انسانی شکل میں تھا۔ مگر در اصل یہ ہیکلِ نورانی تھا۔ اور ظاہر ہے کہ نُور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اعلیحضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا ہے ؎

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

لباس کا بھی سایہ نہیں

بہرحال یہ ہر چھوٹا بڑا بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب جسمِ منوّر نورانی پیکر تھا تو اس کا سایہ کہاں سے پڑتا، لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر جو لباس تھا وہ تو نور کا نہیں تھا۔ مگر آپ کے لباس و پوشاک کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا۔ آپ غور کیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی ننگے بدن باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ بلکہ جب بھی کاشانۂ نبوت سے باہر رونق افروز ہوتے تو جسمِ انور پر تہبند و پیراہن، سر پر عمامہ، پائے اقدس میں نعلین، دستِ مبارک میں عصا یا شمشیر، دوشِ انور پر کبھی کبھی چادر، کبھی رحمت والی کالی کملی ہوتی۔ ان سب لباس و سامان کے ساتھ آپ مکان سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ مگر دیکھنے والے صحابہ کا بیان ہے کہ آپ کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں نظر آیا نہ چاند کی چاندنی میں کسی نے آپ کا سایہ دیکھا۔ یہ کسی صحابی نے نہیں کہا کہ آپ کے لباس یا نعلین، یا تلوار کا سایہ پڑتا تھا بلکہ صحابہ نے یہی کہا کہ باوجود ان لباسوں میں ملبوس ہونے کے آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سوت یا اون کی پوشاک چمڑے کے نعلین، لوہے کی تلوار، جب یہ سب آپ کے جسمِ نورانی سے وابستہ ہوگئیں، تو یہ تمام چیزیں بھی نورانی ہوگئیں اور جسمِ انور کی طرح ان چیزوں کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا! سبحان اللہ! یہ نسبتِ مصطفےٰ کا اعجاز ہے۔ اس نورِ مجسم سے ادنیٰ سی نسبت خاکی کو نوری کانٹوں کو پھول اور ذروں کو رشکِ آفتاب بنا دیتی ہے ؎

اللہ رے ان کے جسمِ منوّر کا معجزہ
وابستہ جو ہوا اسے پُر نور کر دیا

پڑھیے درود شریف: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

عالمِ غیب کی بارش

برادرانِ ملّت! نسبتِ رسول کی عظمت اور ان کے جسمِ انور کے اعجاز کا کیا کہنا؟ ایک سوتی یا اونی کپڑا اس جسمِ منوّر سے مَس ہو جائے تو وہ پیکرِ نور بن جاتا ہے۔ بلکہ اس کی نورانیت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ وہ اگر کسی انسان کے سر پر پڑ جائے تو وہ بھی مخزنِ انوار بن جاتا ہے۔

حضرات! بات یہاں تک پہنچ گئی۔ تو اس مضمون کی ایک حدیث بھی سُن لیجئے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سخت دھوپ میں جب کہ آسمان میں کہیں بادل کا نام و نشان بھی نہیں تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے دفن کے لیے قبرستان تشریف لے گئے واپسی میں جب کاشانۂ نبوت میں قدم رکھا۔ اور حضرت اُمّ المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نظر جمالِ نبوّت پر پڑی تو اُمّ المومنین استقبال کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ اس روایت کو لکھتے ہیں ؎

چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد
پیشش آمد دست بروے می نہاد

یعنی ام المومنین کی نظر جب جمالِ نبوّت پر پڑی تو وہ سامنے آئیں اور جسم مبارک پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولنا شروع کر دیا۔ جیسے کچھ تلاش کر رہی ہیں۔ تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ؎

گفت پیغمبر چہ می جوئی شتاب!
گفت باراں آمد امروز از سحاب

یعنی اے بی بی عائشہ! تم جلدی جلدی میرے بدن پر کس چیز کی تلاش کر رہی ہو۔ اُمّ المومنین عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ! آج بہت ہی زوردار بارش میں آپ تشریف لائے ہیں مگر

جامہایت را بجویم در طلب
تر نمی بینم ز باراں اے عجب

میں آپ کے کپڑوں کو اس لیے ٹٹول رہی ہوں کہ اس بارش میں آپ کے

کپڑے بھیگے کیوں نہیں ہیں، یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

حضرات! آپ نے غور فرمایا سخت دھوپ ہے اور آسمان میں کہیں بادل کا نام و نشان تک نہیں مگر ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس وقت زوردار بارش ہو رہی ہے۔ اگر دنیا کی کوئی دوسری عورت یہ بات کہتی تو یقیناً اس کی تکذیب کردی جاتی۔ مگر یہ بات ان کی ہے جو خود بھی "صدیقہ" ہیں۔ اور جن کے باپ کا آسمانی لقب "صدیق اکبر" ہے۔ تمام عمر جن کی زبان پر جھوٹ کا گزر نہیں ہوا وہ فرما رہی ہیں تو پھر بھلا کس کی مجال ہے؟ کہ ان کے کلام میں جھوٹ کے شائبہ کا بھی وہم کر سکے۔ چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں فرمایا۔ کہ اے عائشہ بارش تو نہیں ہو رہا ہے، دیکھ لو دھوپ نکلی ہے اور آسمان میں کہیں ایک انچ برابر بھی بدلی کا کوئی ٹکڑا نہیں ہے۔ بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت متانت اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ دریافت فرمایا کہ:

گفت پیغمبر چہ کردی از ازار
گفت کردم آں ردائے تو خمار

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آج تم نے کونسا کپڑا پہن رکھا ہے؟ تو ام المومنین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آج میں نے آپ کی چادر مبارک کو اپنا دوپٹہ بنا لیا ہے۔ یہ سن کر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

گفت زاں بنمود حق اے پاک جیب
چشمِ پاکت را خدا بارانِ غیب

یعنی اے عائشہ چونکہ تو نے میری نورانی چادر کو اپنے سر کا دوپٹہ بنا لیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس چادر کی نورانیت سے تیری آنکھوں میں اتنا عظیم نور پیدا ہو گیا کہ خداوندِ عالم نے تجھے عالمِ غیب میں انوار کی موسلا دھار بارش کا دیدار کرا دیا اور زیادہ اس کی تصریح و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

نیست ایں باراں ازیں ابرِ شما
ہست ابرِ دیگر و دیگر سما

یعنی اے عائشہ! یہ بارش جو تجھے نظر آرہی ہے یہ برساتی بدلیوں کی بارش نہیں ہے بلکہ یہ عالم غیب کی بارش ہے۔ اور اس بارش کی بدلی اور اس کا آسمان کوئی دوسرا ہی ہے۔

برادرانِ ملت! نورانیت مصطفےٰ کے قربان! کہ سوتی کپڑے کی ایک چادر چند دنوں جسم انور سے وابستہ ہو گئی۔ تو اس چادر میں اتنا نور پیدا ہو گیا کہ جب ام المومنین کے سر پر پہنچ گئی تو اس کی نورانیت سے ان کی آنکھیں اتنی منور ہو گئیں کہ انہوں نے عالم شہادت میں بیٹھ کر عالم غیب میں ہونے والی بارشِ انوار کا نظارہ کر لیا۔ سبحان اللہ! کہاں ہیں علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے؟ ذرا اس روایت پر غور کریں کہ جس کی چادر میں یہ اثر ہو کہ وہ ایک عورت کے سر پر پڑ جائے تو اس کو عالم غیب کی بارش نظر آجاتی ہے تو پھر چادر والے کو اگر عالم غیب کا ادراک اور علم حاصل ہو جائے تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟

روایت عقاب

برادرانِ اسلام! جسم منور کی نورانیت کی گفتگو آگئی ہے تو ایک روایت اور بھی سُن لیجئے۔ ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کے لیے بیٹھے۔ جونہی پاؤں دھو کر آپ نے چمڑے کا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا کہ بالکل ناگہاں ایک پرندہ عقاب آیا۔ اور جھپٹ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک سے موزہ لے اڑا۔ اور کچھ اُوپر جا کر موزے کو اپنی چونچ سے پکڑ کر الٹ دیا۔ تو اس میں سے ایک سانپ گرا۔ پھر عقاب موزہ لے کر واپس آیا۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھ کر اُڑ گیا۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب کی اس خدمت گزاری کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود
دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

یعنی اے عقاب! اگرچہ خدا نے مجھے ہر غیب دکھایا ہے۔ اور کوئی غیب میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے مگر اس وقت ایک لحظہ کے لیے میرا دل خدا کے مراقبات میں اس قدر مشغول ہو گیا کہ موزہ کے اندر سانپ چھپا ہوا تھا لیکن اس کی طرف میری توجہ

نہیں ہوئی۔ یہ سُن کر ایماندار و عقیدت مند عقاب نے کیا جواب دیا؟ سُنیے اور سر دُھنیے کہ ایک پرند کے قلب میں ایمان کا آفتاب کس طرح جگمگا رہا ہے۔ ایک پرند کے ایمان پر قربان! عقاب عرض کرتا ہے کہ ؎

گفت دور از تو کہ غفلت از تو رُست
دیدنم آں غیب را از عکس تُست
مار در موزہ بہ بینم نہ ہوا
نیست از من عکسِ تست اے مصطفےٰ

یعنی یا رسول اللہ! حضور والا یہ کیا فرما رہے ہیں؟ غفلت اور بے توجہی تو حضور انور کی ذات سے بہت ہی بعید ہے اور مجھے جو یہ علم غیب حاصل ہوا کہ میں نے موزہ کے اندر چھُپے ہوئے سانپ کو اتنی بلندی سے دیکھ لیا تو میری کیا مجال کہ غیب کا علم مجھے حاصل ہو جائے۔ واقعہ یہ ہوا کہ یا رسول اللہ! میں جو اُڑتے ہوئے حضور انور کے جسم منوّر کے اوپر سے گزرا تو حضورِ انور کی نورانیت کا مجھ پر ایسا عکس پڑا کہ میری آنکھیں اس قدر پُر نور ہو گئیں کہ میری نگاہوں سے تمام حجاباتِ ظلمت دور ہو گئے اور مجھے موزہ کے اندر چھُپا ہوا سانپ نظر آگیا۔

سبحان اللہ! ایک پرند پر اڑتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم منوّر کا عکس پڑ جائے تو اس کی آنکھوں میں جسم نور کی تجلّی سے ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو موزہ کے اندر چھپا ہوا سانپ نظر آجاتا ہے۔ تو پھر اس نور مجسّم کی نورانی آنکھوں کو غیب تو کیا؟ اگر غیب الغیب نظر آجائے تو اس میں ہرگز ہرگز کوئی تعجب کا مقام نہیں۔

خوشبودار پسینہ

برادرانِ ملت! جسم منوّر کے معجزات کا کہاں تک بیان کروں اچھا ایک معجزہ اور بھی سُن لیجئے۔

دیکھئے! ہر انسان کے جسم سے پسینہ نکلتا ہے مگر تمام انسانوں کے پسینے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسینے سے کیا نسبت؟ سب کا پسینہ بدبودار مگر رحمتِ عالم کا مقدّس پسینہ مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار

دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ بی بی ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک شیشی میں جسم منوّر کا پسینہ جمع کرنے لگیں۔ رحمتِ عالم نے فرمایا کہ اُم سلیم یہ کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کے جسمِ انور کا پسینہ ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ "و هو اطیب الطیب"۔ کیونکہ یہ نہایت ہی بہترین خوشبو ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۶۶)

اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک نادار صحابی نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے مگر میرے پاس بہترین خوشبو کا انتظام نہیں۔ آپ میری مدد فرمایئے۔ رحمتِ عالم نے اپنی کہنیوں کا پسینہ پونچھ کر ایک شیشی میں رکھ کر اس کو عطا فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ تیری بیٹی اس کو، بجائے عطر کے استعمال کرے۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ:

فَكَانَتْ اِذَا تَطَيَّبَتْ يَشُمُّ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ رَائِحَةَ الطِّيْبِ، فَسُمُّوْا بَيْتَ الْمُطَيِّبِيْنَ ٥

(حجۃ اللہ، ص ۶۸۵)

یعنی جب یہ عورت اس پسینے کو بطور عطر کے استعمال کرتی تو اہلِ مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچ جاتی تھی۔ چنانچہ اہلِ مدینہ اس گھر کو "بیت المطیبین" یعنی خوشبوداروں کا گھر کہا کرتے تھے۔

سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیحضرت قبلہ نے ؎

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دُلہن پھول

برادرانِ ملت! جسمِ انور کا پسینہ تو خیر جسمِ منوّر سے نکلا ہوا ہے، اس کے معطر ہونے میں کیا تعجب ہے؟ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تو قبرِ منوّر کی مٹی کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں ؎

مَاذَا عَلٰى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَا
اَنْ لَّا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منور کی مٹی کو سونگھ لے تو پھر عمر بھر اس کو کسی دوسری خوشبو کے سونگھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ بہر حال جسم انور کا پسینہ بھی صاحب اعجاز ہے۔ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

صبا نہ چھیڑ! ابھی سنبل و گلاب کا ذکر
کہ ہم نبی کے پسینے کی بات کرتے ہیں

قلبِ مبارک کا اعجاز

حضرات! دل تو ہر انسان کے سینے میں ہے۔ مگر سرکارِ مدینہ کے سینے میں وہ عظمت والا دل ہے کہ قرآنِ کریم نے اس کی مدح میں ارشاد فرمایا کہ:

"مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ" دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

یعنی محبوبِ خدا کی مقدس آنکھ نے جو کچھ بھی دیکھا حضور کے قلبِ منور نے کبھی اس کی تکذیب نہیں کی۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں کا احساس ہمیشہ قلب مبارک کے ادراک کے موافق ہی رہا۔

برادرانِ ملت! ہم اپنی آنکھوں سے سیکڑوں ایسی چیزیں دیکھتے ہیں کہ ہمارا قلب اس کو جھٹلا دیتا ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا بسا اوقات غلط ہوتا ہے۔ اس لیے قلب اس کو قبول نہیں کرتا۔ دیکھیے! چلتی ہوئی ریل گاڑی پر سے ہماری آنکھوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ درخت بھاگے جا رہے ہیں۔ مگر ہمارا قلب ہماری آنکھوں کے اس دیکھے ہوئے کو جھٹلا دیتا ہے۔ اسی طرح سورج طلوع ہوتے وقت ہماری آنکھوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ آفتاب زمین سے بہت چھوٹا ہے۔ مگر ہمارا دل اس کو سراسر غلط سمجھتا ہے۔ کیونکہ آفتاب تو زمین سے ہزاروں گنا بڑا ہے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کے احساس اور ہمارے قلب کے ادراک میں مطابقت ضروری نہیں ہے مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور چشمِ منور دونوں کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی چشمِ منور اور قلب انور دونوں کے احساس و ادراک میں ہمیشہ مطابقت ہی ہوتی ہے یعنی آپ کی آنکھ وہی دیکھتی ہے جو آپ کے علم قلب کے مطابق ہوتا ہے اور

آپ کا قلب وہی جانتا ہے جو آپ کی نظروں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

برادرانِ ملت! قلبِ منور کی معجزانہ عظمت کے قربان! خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ	یعنی قرآن کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو وہ خوفِ الٰہی سے گڑگڑاتے ہوئے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

مگر قلب شریف کا یہ بے مثل اعجاز ہے کہ یہی قرآنِ عظیم اپنی پوری عظمت و جلالت کے ساتھ اس قلبِ مبارک پر نازل ہوا لیکن قلبِ مقدس کو نہ کوئی صدمہ پہنچا نہ لغزش ہوئی بلکہ آپ کے قلبِ معظم نے سلامتی کے ساتھ اس بارِ امانت کو اٹھا لیا۔ اور آج روز روشن کی طرح قلبِ منور کا یہ اعجاز بھی نمایاں ہے کہ آپ کی امت کے بچوں کے ننھے ننھے دل بھی قرآن کے بارِ امانت کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

حضرات! نیند کی حالت میں ہر شخص کی آنکھیں محوِ خواب اور دل غافل ہو جاتا ہے مگر قلبِ منور کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ نیند کی حالت میں بھی قلبِ مقدس ہمیشہ بیدار رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ چنانچہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بغیر وتر پڑھے سو جاتے ہیں اور نیند سے اُٹھ کر بلا وضو فرمائے وتر پڑھ لیتے ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا کہ اے عائشہ:

اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔	یعنی میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں۔ مگر میرا دل بیدار رہتا ہے (اس لیے میرا وضو شکست نہیں ہوتا)

کمالِ عقل

حضرات! یہ تو سب کو معلوم ہے کہ علوم و معارف بلکہ تمام انسانی کمالات کا دار و مدار عقل پر ہے۔ جس کی عقل جس قدر کامل ہوگی۔ اتنا ہی وہ صاحبِ کمال ہوگا۔ لہٰذا اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے کمالِ عقل کے بارے میں بھی کچھ عرض کر دوں۔ سنیے!

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَرَأْتُ فِیْ اَحَدٍ وَّسَبْعِیْنَ کِتَابًا فَوَجَدْتُ فِیْ جَمِیْعِهَا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یُعْطِ جَمِیْعَ النَّاسِ مِنْ بَدْءِ الدُّنْیَا اِلٰی اِنْقِضَائِهَا مِنَ الْعَقْلِ فِیْ جَنْبِ عَقْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا کَحَبَّةِ رَمْلٍ مِّنْ بَیْنِ رِمَالِ الدُّنْیَا۔

(شفاء ص۶۷)

یعنی میں نے اکہتر کتابوں کو پڑھا تو سب میں مجھے یہی مضمون ملا کہ شروع دنیا سے قیامت تک اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جو عقلیں عطا فرمائی ہیں اگران سب لوگوں کی عقلوں کے مجموعہ کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سے موازنہ کیا جائے تو تمام انسانوں کی عقلوں کے مجموعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل سے وہی نسبت ہوگی جو ریت کے ایک ذرہ کو تمام دنیا کے ریگستانوں کے مقابلہ میں ہے۔

اللہ اکبر! حاضرین محترم! غور کیجئے! کہ دنیا کی ابتداء سے قیامت تک کیسے کیسے باکمال صاحبانِ عقل پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے مگران تمام عقلاء کی عقلیں رحمتِ عالم کی عقل کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے ریگستان دنیا کے مقابلہ میں ایک ذرہ۔ اب آپ بتائیے! کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کا کمال اتنا بلند و بالا اور عظمت والا ہے، تو پھر آپ کے علوم و معارف کے کمالات کی عظمت کا کیا عالم ہوگا؟

علوم و معارف

برادرانِ ملت! میرے ناقص علم کی کیا تاب و طاقت ہے کہ میں مرکزِ نبوت کے علوم و معارف کے بحرِ ناپیدا کنار کا کچھ اظہار کرسکوں۔ لیکن پھر بھی حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔ جس سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کا ایک خاکہ آپ کی نظروں کے سامنے آجائے گا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

وَبِحَسَبِ عَقْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَتْ مَعَارِفُهٗ اِلٰی

یعنی آپ کی عقل ہی کے مطابق آپ کے وہ علوم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع

سَائِرِ مَا عَلَّمَهُ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَ اَطْلَعَہٗ عَلَیْہِ مِنْ عِلْمٍ مَا یَکُوْنُ وَمَا کَانَ وَعَجَائِبِ قُدْرَتِہٖ وَعَظِیْمِ مَلَکُوْتِہٖ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ہ حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِیْ تَقْدِیْرِ فَضْلِہٖ عَلَیْہِ وَخَرَسَتِ الْاَلْسُنُ دُوْنَ وَصْفٍ یُحِیْطُ بِذٰلِکَ اَوْ یَنْتَھِیْ اِلَیْہِ۔

(شفا ص۱۶۷)

فرمایا اور سکھایا۔ یعنی ابتدائے عالم سے اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا قدرت خداوندی کے عجائبات اور عالم ملکوت کی بڑی بڑی نشانیاں سب کا علم خداوند عالم نے آپ کو عطا فرمادیا۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ جو کچھ نہیں جانتے وہ سب کچھ خدا نے آپ کو سکھا دیا۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔ تمام دنیا کی عقلیں آپ کے فضل و کمال کا اندازہ کرنے سے حیران ہیں۔ اور آپ کے پورے کمالات کو بیان کرنے سے تمام جہان کی زبانیں گونگی ہیں۔

برادران ملت! میں شروع ہی سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ تمام انبیاء و مرسلین کو رب العالمین جل جلالہٗ نے اس طرح دنیا میں بھیجا کہ ہر نبی و رسول کو نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر ان کی ذات سے الگ چند معجزات عطا فرمائے۔ مگر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مبعوث فرمایا تو خداوند عالم نے آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل خود آپ کی ذات ہی بنا دیا اور فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔

یعنی یہ وہ نبی ہیں کہ ان کی نبوت کے لیے خود ان کی ذات ہی سراپا دلیل و برہان ہے۔

اور ان کا وجود با جود ہی معجزات کا ایک جہان ہے۔ چنانچہ میں نے آپ کے چند اعضائے مبارکہ کے چند معجزات کا نمونہ ابھی ابھی آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ پڑھیئے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

گرامی حضرات! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے جتنے معجزات صادر ہوئے ہیں تو کس گنتی میں ہوں بڑے بڑے اہل علم کے لیے ان معجزات کا شمار دشوار ہے

یاد رکھئے کہ تمام انبیاء سابقین کو جتنے معجزات عطا کئے گئے تھے وہ سب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں جمع ہیں اور ان کے علاوہ بھی ایسے ان گنت بڑے بڑے معجزات سے خداوند عالم نے اپنے حبیب کو نوازا ہے جو کسی نبی و رسول کو نہیں عطا کئے گئے۔ اور کمال تو یہ ہے کہ انبیائے سابقین کے معجزات بھی جب حضور رحمۃ للعالمین کو عطا ہوئے تو ان کی عظمت و جلالت میں ایک انوکھی شان اور نرالی آن بان پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ نے پتھر پر لاٹھی مار کر چشمہ جاری فرما دیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلیوں سے بارہا پانی کا چشمہ جاری فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ پتھر سے لاٹھی مار کر چشمہ جاری کر دینا اگرچہ ایک عجیب معجزہ ہے مگر انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری کر دینا یہ اس سے کہیں بڑھ کر عجیب تر ہے۔

چہرہ روشن ہو گیا

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یدِ بیضاء بھی تھا کہ آپ گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے تو آپ کا ہاتھ چمکنے لگتا تھا۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی معجزہ کا ظہور اس طرح ہوا کہ آپ نے حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے چہرہ اور سینہ پر اپنا دستِ انور پھیر دیا تو ان کا چہرہ اتنا روشن و تابناک ہو گیا کہ اگر وہ کسی اندھیرے گھر میں داخل ہو جاتے تو گھر میں اُجالا ہو جاتا تھا۔ (حجۃ اللہ ص ۴۳۸)

برادرانِ ملت! غور کیجئے! کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضاء کی شان یہ تھی کہ خود آپ کا ہاتھ چمک اُٹھتا تھا مگر رحمتِ عالم کے یدِ بیضاء کی نرالی شان کا یہ عالم ہے کہ جس چیز پر دستِ انور پہنچ جاتا وہ یدِ بیضا کی طرح چمکنے لگتی۔ سبحان اللہ! کہاں اعجازِ موسوی اور کہاں اعجازِ محمدی؟

سورج ٹھہر گیا

حضرات! حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ سورج آپ کے لیے ٹھہر گیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن جہاد میں مصروف تھے۔ چونکہ توریت کی شریعت میں سنیچر کے

دن عبادت کے سوا کوئی دوسرا کام حرام تھا۔ اس لیے آپ کو خیال آگیا کہ اگر آج جمعہ کو فتح حاصل نہ ہوئی تو کل سینچر کو ہم جنگ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا آج دو گھڑی دن بڑا ہو جائے۔ آپ کی دعا مقبول ہو گئی۔ سورج ٹھہر گیا اور دو گھڑی دن ٹھہر گیا اور جمعہ کے دن ہی آپ کو فتح نصیب ہو گئی۔

حضراتِ گرامی! حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج ٹھہر گیا۔ بلاشبہ یہ آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ تھا مگر رحمتِ عالم کے اعجاز کی یہ نرالی شان ہے کہ آپ کے اشارے سے ایک بار سورج ٹھہر گیا اور ایک مرتبہ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ شبِ معراج کی صبح کو کفار نے جب معراج کا انکار کیا اور امتحان کے لیے آپ سے دریافت کیا کہ بتائیے ہمارا تجارتی قافلہ جو ملک شام سے آرہا ہے وہ کس دن مکہ پہنچے گا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بدھ کے دن وہ قافلہ مکہ آجائے گا چنانچہ قریش بدھ کے دن قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہو گئی اور قریب تھا کہ سورج ڈوب جائے مگر قافلہ نہیں آیا۔ اس موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی: فَزِيدَ لَهُ فِي النَّهَارِ وَحُبِسَتِ الشَّمْسُ ۔ (شرح شفا ملا علی قاری جلد ۱ ص ۵۹۰) تو آپ کے لیے سورج روک کر دن بڑھا دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بدھ کے دن ہی قافلہ آگیا اور سورج پلٹ آنے کی روایت تو آپ نے بارہا سنی ہو گی، جس کو کسی شاعر نے نظم میں بیان کیا ہے ؎

خیبر میں ایک روز رسالت مآب تھے، ظلمت کدہ میں رشک وہ آفتاب تھے!
زانوئے شیرِ حق پہ وہ مصروف خواب تھے، بے مثل تھے حضور تو یہ انتخاب تھے
تھا اوج پر ستارہ مگر بو تراب کا، زانو بنا تھا تکیہ رسالت مآب کا
بیدار خواب سے ہوئے محبوبِ کبریا، دیکھا کہ آفتاب ہے مغرب میں جا چھپا
کی عرض شیرِ حق نے کہ اے شاہِ دوسرا، وسطیٰ صلاۃ عصر مری ہو گئی قضا
ارض و سما ہیں زیر نگیں کیسا آفتاب، مرضی جو ان کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

خیبر کی چوٹیوں پہ جو دھوپ آگئی نظر
مشکل کشا نے بہر فریضہ جھکایا سر

نارِ گلزار ہو گئی

برادرانِ ملت! اور سنیے! حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر نمرود کی آگ گلزار ہو گئی تھی۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ تھا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس دستر خوان میں ہاتھ منہ صاف کیا تھا، وہ بار بار آگ کے تنور میں ڈالا جاتا تھا مگر جلنے کی بجائے وہ صاف ستھرا ہو جاتا تھا۔ اللہ اکبر! اگر خدا کے خلیل کے جسم کے لیے ایک بار آگ گلزار ہوئی تو حبیبِ ربِ جلیل کے رومال کے لیے بار بار آگ گلزار بنی۔

برکتِ طعام

حضرات! قرآنِ مجید میں ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل ہوا تھا۔ جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں، مگر اتنی تھوڑی سی روٹیوں، مچھلیوں کو کئی سو آدمی کھا کر آسودہ ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔ مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بارہا زمین کے دستر خوان پر تھوڑے سے کھانے سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں بھوکوں کو شکم سیر فرما دیا۔ اس قسم کے سیکڑوں معجزات میں سے صرف دو معجزے عرض کرتا ہوں۔

جنگِ خندق کے موقع پر جب انصار و مہاجرین خندق کھودنے میں مصروف تھے صحابہ نے بھوک کی شکایت کی اور کرتا اُٹھا کر دکھایا کہ شکم پر فاقہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا ہے ... رحمتِ عالم نے صحابہ کی تسلی کے لیے اپنا پیراہن شریف اُٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دل پر اس منظر سے بڑی چوٹ لگی۔ گھر آئے اور بیوی سے پوچھا کہ کیا کچھ کھانے کا سامان گھر میں موجود ہے؟ تلاش کرنے پر گھر میں ایک صاع جَو کا آٹا نکلا۔ حضرت جابر نے ایک بکری ذبح کی اور گوشت دیگچی میں رکھ کر چولھے پر چڑھا دیا اور ان کی بیوی آٹا گوندھنے لگیں۔ حضرت جابر نے دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر چپکے سے کان میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک صاع جَو کا آٹا اور ایک بکری کا گوشت ہے۔ چند صحابہ کے ہمراہ حضور والا تشریف لے چلیں اور تناول فرمالیں۔

رحمتِ عالم نے اعلان فرمادیا کہ اے خندق کھودنے والو! چلو! آج جابر کے گھر دعوتِ عام ہے اور حضرت جابر کو حکم دیا کہ میں جب تک نہ آجاؤں نہ دیگچی چولھے سے اتاری جائے، نہ روٹی پکائی جائے۔ حضرت جابر گھبرائے ہوئے مکان پر آئے اور کہنے لگے کہ بیوی! غضب ہو گیا۔ ہمارے پاس اتنا مختصر کھانا ہے اور رحمتِ عالم سینکڑوں صحابہ کو ساتھ لے کر کھانے کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ اب کیا ہوگا؟ پیکرِ ایمان بیوی نے کہا کہ گھبراؤ نہیں؛ اس رمز کو اللہ اور رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں رحمتِ عالم جماعتِ صحابہ کے ساتھ رونق افروز ہو گئے۔ اور آٹے اور دیگچی میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمادی۔ پھر کیا ہوا؟ حضرت جابر کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ایک ہزار کا لشکر کھا کر شکم سیر ہو گیا۔ مگر دیگچی بدستور چولھے پر جوش مارتی رہی اور روٹیاں پکتی رہیں نہ گوشت میں کمی ہوئی نہ آٹے میں۔ (خصائصِ کبریٰ جلد ۲ ص ۲۲۸)

بابرکت کھجوریں

اسی طرح ایک غزوہ میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ! کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کا سامان بھی ہے؟ ابوہریرہ اپنا توشہ دان لائے۔ اور رحمتِ عالم کے سامنے دسترخوان پر توشہ دان الٹ دیا تو اس میں سے اکیس کھجوریں نکلیں، رحمتِ عالم نے ان کھجوروں پر اللہ کا نام پڑھ دیا اور سب کو حکم فرمایا کہ دس دس آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں، چنانچہ پورا لشکر پیٹ بھر کر آسودہ ہو گیا۔ پھر بھی کچھ کھجوریں باقی رہ گئیں تو ان کھجوروں کو حضرت ابوہریرہ نے اپنے تھیلے میں رکھ لیا، سرکارِ دوجہاں نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ تم اس تھیلے میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتے اور کھلاتے رہو، مگر خبردار! اس تھیلے کو کبھی مت جھاڑنا۔ چنانچہ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تک یعنی ۲۵ برس تک اس تھیلے میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا اور کھلاتا رہا۔ اور تقریباً تین ہزار صاع کھجوریں میں نے اس تھیلے میں سے نکال کر خیرات بھی کیں مگر کھجوریں ختم نہیں ہوئیں، یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ہنگامے میں میری یہ تھیلی گم ہو گئی، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تمام عمر

اس کا رنج وغم رہا۔ اور وہ نہایت دردناک لہجے میں یہ شعر پڑھتے تھے کہ ؎

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِي فِي الْيَوْمِ هَمَّانِ
فَقْدُ مُجَابٍ وَقَتْلُ الشَّيْخِ عُثْمَانِ

یعنی سب کو تو آج ایک ہی غم ہے مگر مجھے دو غم ہیں۔ ایک نبیل کے گم ہونے کا اور دوسرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا۔ (خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۵۹ وغیرہ)

شیر خوار بچے کی گواہی

حضرات! تقریر طویل ہوگئی مگر کیا کروں؟ بات پر بات یاد آتی جا رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک مشہور معجزہ ہے کہ جب زلیخا نے آپ پر بدنیتی کی تہمت لگائی۔ اور عزیز مصر نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں پاک دامن اور بے گناہ ہوں اتنے میں زلیخا کے چچا کے چار ماہ کے بچے نے جو اسی مکان کے اندر پالنے میں لیٹا ہوا تھا۔ آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ۞ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞

یعنی عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور حضرت یوسف نے غلط کہا۔ اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے چاک ہوا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۞

یعنی جب عزیز مصر نے آپ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا۔ تو بولا کہ (اے زلیخا) یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ بیشک تم عورتوں کا چرتر بہت بڑی چیز ہے۔

يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ إِنَّكِ

اے یوسف! تم اس کا خیال نہ کرو۔ اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ

کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ ۝ بے شک تو خطا واروں میں سے ہے۔

(سورۂ یوسف)

حضرات! دیکھئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ چار ماہ کے بچے نے جو اس مکان میں موجود تھا۔ اس نے آنکھ سے دیکھ کر آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی معجزہ اس شان سے عطا کیا گیا کہ جن شیر خوار بچوں نے کبھی آپ کا دیدار بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ چنانچہ امام بیہقی و حاکم و خطیب وغیرہ محدثین راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ کے ایک مکان میں تشریف فرما تھے کہ اہلِ یمامہ کا ایک بچہ جو اسی دن پیدا ہوا تھا۔ ایک کپڑے میں لپیٹ کر رحمتِ عالم کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس بچے سے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تو اس بچے نے نہایت فصاحت کے ساتھ بہ آوازِ بلند کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرات! اور سنیے! مولانا رومی نے مثنوی شریف میں بھی ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ ایک کافرہ عورت اپنے دو ماہ کے بچے کو اپنی چادر میں چھپا کر امتحانِ نبوت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی پھر کیا ہوا؟ سنیے مولانا فرماتے ہیں کہ:

گفت کودک سلم اللہ علیک ۔۔۔ یا رسول اللہ قد جئنا الیک

یعنی اس بچے نے چادر کے اندر ہی سے بہ آوازِ بلند عرض کیا کہ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! سرکار ہم حاضرِ دربار ہو گئے ہیں۔

مادرش از خشم گفتا ہی خموش ۔۔۔ کیت افگند ایں شہادت را بگوش

بچے کی ماں نے غصہ میں بھر کر کہا کہ خبردار چپ! ارے کس نے یہ کلمۂ شہادت تیرے کان میں ڈال دیا؟

گفت حق آموخت وانگہ جبرئیل ۔۔۔ درمیاں با جبرئیلم من رسیل

بچہ کہنے لگا کہ اے اماں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کلمۂ شہادت سکھایا ہے۔ اور اس

وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے اور خدا کے درمیان قاصد بن کر مجھ سے یہ کلمہ حق کہلا رہے ہیں!

پس رسولش گفت اے طفلِ رضیع چیست نامت باز گو، و شو مطیع

پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شیر خوار بچے! تیرا نام کیا ہے؟ یہ بتا اور تو اللہ و رسول کا فرمانبردار بن جا۔

گفت نامم پیش حق عبد العزیز عبدِ عُزّیٰ پیش ایں یک مشتِ حیز

بچے نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! خدا کے نزدیک تو میرا نام "عبد العزیز" ہے۔ مگر میری اس کمینی ماں نے میرا نام "عبد العُزّیٰ" رکھ دیا ہے۔

من ز عُزّیٰ پاک و بیزار و بری حق آنکہ دادت ایں پیغمبری

یا رسول اللہ! میں عزّیٰ بت سے پاک و بیزار ہوں و بری ہوں۔ میں اس خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں جس نے آپ کو پیغمبری عطا فرمائی ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزہ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ میں کتنا عظیم فرق ہے۔ بلاشبہ اعجاز یوسفی ایک اعجاز عظیم ہے۔ مگر اعجاز محمدی یقیناً اس سے اعظم ہے۔

بہر حال برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ معجزات تو تمام انبیاء سابقین کو عطا کئے گئے۔ مگر ہر نبی کے معجزات ان کی ذات سے الگ چند عجیب و محیر العقول چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لیے خداوند عالم نے آپ کی ذات ہی کو سراپا معجزات بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک برہان یعنی واضح دلیل آ گئی۔

کہ محمد رسول اللہ کی رسالت کے ثبوت کے لیے خود محمد رسول اللہ کی ذات ہی برہان و دلیل اور معجزہ ہے۔ اور برادرانِ ملت! یہی وجہ ہے کہ جن حق پسند نگاہوں نے ایک

مرتبہ بھی جمالِ محمدی کا نظارہ کرلیا تو انہیں آپ کی صداقت و رسالت کے پہچاننے کے لیے کسی دلیل و معجزہ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار حضور اقدس کا دیدار کیا:

فَتَبَيَّنْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا اور مان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

مگر ہاں وہ جاہل و گنوار جو نبوّت کے قدر دان ہی نہ تھے یا وہ بدبخت و بدباطن جنہوں نے بغض و عناد کی سیاہ عینک لگا کر جمالِ محمدی دیکھا تو انہیں جمالِ محمدی کا کوئی جلوہ نہ پہلے نظر آیا نہ اب قیامت تک نظر آسکتا ہے!

بھائیو! کسی چیز کے بھی ناقدر شناس بُری بلا ہوتے ہیں۔ ناقدروں سے خدا بچائے۔ آپ نے لکھنؤ کے ایک عطر فروش کا قصہ سنا ہوگا؟

لطیفہ سنا ہے کہ لکھنؤ کے ایک نازک مزاج عطر فروش کہیں قسمت سے بنگال پہنچ گئے۔ ایک مالدار بنگالی کے گھر پہنچے اور بکس میں سے عطر کی شیشی نکال کر بنگالی مانس کے ہاتھ پر لگا دیا۔ سڑی مچھلی کی بدبُو پر خوش ہونے والا آدمی بھلا عطر کی قدر کیا جانے؟ ہاتھ پر لگے ہوئے عطر کو بنگالی چاٹنے لگا۔ اور منہ بگاڑ کر بولا کہ شاحب! تمہارا عطر ہم نہیں مانگتا ہے۔ یہ تو بہت کڑوا ہے۔ لکھنوی عطر فروش نے سر پیٹ لیا کہ افسوس میں نے اس گنوار کے سامنے عطر پیش کر دیا جو عطر کی قدر ہی نہیں جانتا۔ غصے میں بھرے ہوئے لکھنوی صاحب بولے کہ واللہ باخدا کہتا ہوں کہ اب کسی بنگالی کو عطر نہیں دکھاؤں گا۔ مگر آگے بڑھے تو ایک دوسرے سیٹھ صاحب نے روک لیا اور کہا کہ مجھے اپنا عطر دکھائیے۔ لکھنوی صاحب نے فرمایا کہ صاحب! میں کیا آپ لوگوں کو عطر دکھاؤں؟ ابھی ابھی تو ایک صاحب کے سامنے میں نے عطر پیش کیا تو وہ چاٹ گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو کڑوا ہے۔ سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ بابو صاحب! وہ تو بڑا گنوار تھا! افسوس! بھات سے کھانے کا چیز تھا اور وہ رُوکھا ہی چاٹ گیا۔ یہ سُن کر لکھنوی صاحب کے آنسو نکل پڑے اور بنگال سے جو سر پیر رکھ کر بھاگے

تو لکھنؤ میں آکر ہی دم لیا۔ جی! دیکھا آپ نے ایسے ہوتے ہیں ناقدردان۔
اور بھائیو! بغض و عناد والوں کا تو کیا پوچھتے ہو؟ ان لوگوں کو تو کبھی قیامت تک حق نظر نہیں آ سکتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در نظرِ دشمناں خار است

یعنی کسی کے ہنر کو اگر عداوت کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ بہت ہی بڑا عیب نظر آئے گا۔ دیکھ لو! سعدی پھول ہے مگر دشمنوں کی نظر میں کانٹا ہے۔
حضرات! مجھے اس وقت حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت یاد آگئی۔ یہ بھی سن لیجئے۔

عبرت آموز حکایت

ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا کچھ حال بیان فرمایئے؟ حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ان کا کیا حال بیان کروں؟ ان کی تو شان یہ تھی کہ اگر انہیں کوئی کافر بھی دیکھ لیتا۔ تو دولتِ ایمان سے مالا مال ہو جاتا۔ سلطان نے عرض کیا کہ حضور والا کیونکر ہو سکتا ہے؟ ابو جہل نے ہزاروں بار جمالِ محمدی کا نظارہ کیا۔ مگر اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ تو حضرت بایزید بسطامی کے صرف دیدار سے کس طرح کسی کافر کو ہدایت مل جاتی؟ یہ سن کر حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی نے نہایت پُر جلال لہجے میں فرمایا کہ اے محمود! ابو جہل نے ایک بار بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ اس نے صرف محمد بن عبد اللہ کو دیکھا۔ اگر ایک بار بھی وہ محمد رسول اللہ کو دیکھ لیتا تو اس کی بد بختی کا پیرہن تار تار ہو جاتا اور وہ ایک لمحہ میں سعادت دارین کا تاجدار ہو جاتا۔ اسی لیے حضرت حق جل مجدہ نے فرمایا:

تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

یعنی اے محبوب! یہ کفار آپ کی طرف صرف نظر ڈالتے ہیں، یہ لوگ نگاہِ بصیرت سے

آپ کو نہیں دیکھتے۔

تو میرا مطلب یہی ہے کہ جو شخص حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کو نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیتا تو وہ ضرور جہانِ ہدایت کا سلطان بن جاتا۔ (روح البیان ص ۸۱۰)

بہر کیف برادرانِ ملت! میں اس آیۂ کریمہ کی مختصر تفسیر عرض کر چکا کہ اس آیت میں بُرہان سے مراد حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور نور مبین سے مراد قرآنِ کریم ہے، اور قرآن نورِ مبین کس طرح ہے اس کا مفصل بیان حصۂ اوّل میں "قرآنِ مبین" کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

خداوند کریم ہم سب کو اس بُرہانِ عظیم و قرآن کریم کے طفیل میں استقامت و خاتمہ بالخیر کی سعادت نصیب فرمائے (آمین)

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ط

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین ۝

چوتھا وعظ

معرکۂ حق و باطل

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدے و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفیٰ باللہ شہیدا ط والصلوٰۃ والسلام علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وعلیٰ من کان بنصرتہ عمیدًا او رشیدًا ہ من اطاعہ بالحق فقد عاش حمیدًا او مات سعیدًا ہ ومن عصاہ فقد خاب خسر وضل ضلالًا بعیدًا ہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ہ

(الصف)

برادرانِ اسلام! سب سے پہلے دربارِ رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے، اور میرے ساتھ بہ آوازِ بلند پڑھیے!

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ — صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ — صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات! یہ تجربہ ہے کہ لوگ جنگ اور لڑائی کی خبروں سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں، اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ آج میں آپ کو ایک بہت ہی عجیب جنگ اور نہایت ہی خوفناک لڑائی کا ذکر سناؤں۔

بزرگو اور دوستو! اس دنیا میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ہر لڑائی کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہو جاتی ہے۔ جنگ خواہ کتنی ہی طویل اور بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو، مگر ایک نہ ایک دن اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ لیکن میں آج آپ کو ایک ایسی جنگ کے واقعات سناؤں گا۔ کہ یہ جنگ جب سے شروع ہوئی کبھی ختم نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ختم ہو سکتی ہے یہ جنگ ہمیشہ ہر دور اور ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے اور قیامت تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا نہ اس جنگ میں کبھی صلح ہو سکتی ہے اور نہ اس کا خاتمہ ہو سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس جنگ کی فوج اور کمانڈر بدلتے رہے۔ میدانِ جنگ بدلتا رہا طریقِ جنگ میں تبدیلی ہوتی رہی۔ فوجوں کے نام ان کی وردیاں، ان کے ہتھیار اور جھنڈوں کے رنگ ادل بدل ہوتے رہے مگر جنگ برابر جاری رہی اور قیامت تک برابر جاری رہے گی۔

حضرات! اب آپ حیران ہوں گے کہ ایسی بھلا کون سی جنگ ہو گی؟ کہ یہ جب سے شروع ہوئی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی اور اس جنگ میں کبھی نہ صلح ہو گی۔ نہ کبھی اس جنگ کا خاتمہ ہی ہو گا۔

تو سنیے! یہ جنگ ہے نور و ظلمت کی جنگ "حق و باطل کی جنگ" ایمان و کفر کی جنگ، جس طرح دن اور رات کبھی اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ آگ اور پانی میں کبھی میل ملاپ نہیں ہو سکتا۔ اندھیرے اور اجالے میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی ٹھیک اسی طرح حق و باطل ایمان و کفر میں نہ کبھی صلح ہو سکتی ہے اور نہ اس جنگ کا کبھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ

جس دن سے یہ جنگ شروع ہوئی ہے آج تک برابر جاری ہے۔ اور میں نے عرض کیا کہ قیامت تک کسی نہ کسی عنوان سے، کسی نہ کسی میدان میں یہ لڑائی ہوتی ہی رہے گی۔ مگر ہاں یاد رکھئے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ ہر محاذ پر حق کی فتح مبین اور باطل کی شکست مبین ہوتی رہے گی اور جب بھی حق و باطل کا معرکہ کسی میدان میں بھی گرم ہوگا تو آسمان سے حق کی فتح مبین یہ اعلان کرتی ہوئی اتر پڑے گی کہ:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ یعنی اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

مگر اس کے باوجود پھر بھی حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوگی بلکہ کسی نہ کسی عنوان سے اور کسی نہ کسی میدان میں پھر یہ جنگ شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمہ اس جنگ کا تسلسل اور اس حق و باطل کے معرکوں میں مختلف فوجوں اور کمانڈروں اور جھنڈوں کی تبدیلی کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

دو علم افراخت اسپید و سیاہ ۔ آں یکے آدم دگر ابلیس راہ
درمیانِ آں دو لشکر گاہ زفت ۔ چالش و پیکار آنچہ رفت رفت

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے عالم وجود میں آتے ہی حق و باطل کی یہ جنگ شروع ہوگئی۔ اور اس نور و ظلمت کی جنگ میں دو کمانڈر بھی بن گئے۔ اور دو جھنڈے بھی لہرانے لگے۔ چنانچہ افواجِ حق کے سپہ سالار حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور ان کے دستِ مبارک میں نورانی سفید جھنڈا تھا اور باطل کی فوجوں کا کمانڈر ابلیس بنا۔ اور ظلمانی کالا جھنڈا ہاتھ میں لے کر اعلانِ جنگ کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس

چنانچہ آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ خداوند قدوس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ خالقِ کائنات جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ تم سب کے

سب آدم علیہ السلام کے آگے سر بسجود ہو جاؤ تو سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا، اور تکبّر سے اکڑ گیا اور اس فرمانِ ربّانی کا انکار کر کے کافر ہو گیا۔ اور اس حد تک اپنی خباثت کا اظہار کیا کہ حضرت حق جل مجدہٗ کی جناب میں انتہائی گستاخی و بے ادبی کے ساتھ اعتراض کر بیٹھا کہ:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ — یعنی اے خدا! تو نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

بھلا آگ کبھی مٹی کے آگے سر بسجود ہو سکتی ہے؟ اس لیے میں حضرت آدم علیہ السلام کو ہرگز کبھی بھی سجدہ نہیں کر سکتا!

حضرات! بس یہیں سے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں جنگ ٹھن گئی۔ اور نور و ظلمت کی جنگ اور حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ شروع ہو گیا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں کبھی صلح نہیں ہوئی، بلکہ ہمیشہ سے جنگ جاری رہی یہاں تک کہ حق کی فتح مبین ہوئی، اور حضرت آدم علیہ السلام ہر محاذ پر مظفر و منصور ہو کر معظم و مکرّم ہو گئے، اور باطل شکست کی ذلت و رسوائی سے رو سیاہ ہو کر مردود و مقہور ہوا، اور ابلیس جنّت سے ابدی لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہو کر نکال دیا گیا۔ اس طرح حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔ دنیا یہ سمجھتی رہی کہ شاید حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی یہ جنگ، اور حق و باطل کا یہ معرکہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ مگر نہیں، یہ جنگ ختم نہیں ہوئی، بلکہ یہی جنگ پھر دوسرے میدان میں شروع ہو گئی۔ فوجوں کے کمانڈر بدلے ہوئے تھے۔ طریقۂ جنگ بھی بدلا ہوا تھا مگر جنگ وہی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی تھی۔ اور معرکہ وہی حق و باطل کا معرکہ تھا۔ چنانچہ دنیا نے کیا دیکھا؟ حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ؎

ہمچناں ایں دو علم از عدل و جور — تا بہ نمرود آمد اندر دور دور

ضدِ ابراہیم گشت و خصمِ او — واں دو لشکر کیں گزار و جنگ جو

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی لڑائی کے دونوں جھنڈے یعنی ایک عدل کا جھنڈا اور دوسرا ظلم کا جھنڈا۔ یہ دونوں جھنڈے سلسلہ بسلسلہ منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دور ایسا آیا کہ ایک جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حقانی لشکر کے سپہ سالار بن کر نورانی پرچم کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور ایک طرف نمرود شیطانی فوجوں کا کمانڈر بنا ہوا ظلمانی پرچم تلے کھڑا ہے۔ اور ان دونوں میں نور و ظلمت، اور حق و باطل کی جنگ ٹھنی ہوئی ہے۔ دیکھ لیجئے فوجوں کے کمانڈر بدل گئے۔ میدانِ جنگ بدل گیا۔ مگر لڑائی وہی ظلمت و نور کی ہے۔ معرکہ وہی حق و باطل کا ہے۔ جنگ وہی کفر و ایمان کی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہوئی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی یہ لڑائی ختم نہیں ہو رہی ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ خدا کے مقدس پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا قصور تھا؟ خدا کے خلیل نے اپنی قوم کو دیکھا کہ وہ شرک کی لعنت میں گرفتار ہے۔ پوری قوم ستاروں کی عبادت کر رہی ہے اور نمرود کی باطل خدائی کے آگے ان کی پیشانیاں سجدہ ریز ہیں۔ حضرت خلیل اللہ اپنی قوم کی اس مشرکانہ زندگی پر تڑپ اٹھے اور انسان کی مقدس پیشانی کو نمرود کے آگے زمیں بوس دیکھ کر آپ کے پیغمبرانہ عزم کو جلال آگیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ انسان کی وہ عظمت والی پیشانی جو صرف اس لیے کہ خالقِ کائنات کے حضور سر بسجود ہو کر سربلندی کی معراج سے سرفراز ہو، وہ ایک ذلیل انسان کے آگے سجدہ کر رہی ہے۔ اور انسان کا شرف اس بے دردی کے ساتھ ذلت کی تلوار سے ذبح کیا جا رہا ہے۔ آپ کی رگوں میں پیغمبری خون جوش مارنے لگا۔ اور آپ ایک اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت سے پرچم توحید کی سربلندی اور شرک کو مٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور اپنی قوم کی ہدایت کے لیے انتہائی سنجیدہ اور سلجھی ہوئی ایمان افروز تقریر فرمائی جس کو قرآن مجید کی حکیمانہ و معجزانہ زبان سے سنیے ارشادِ ربانی ہے کہ:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ — یعنی جب اُن پر رات کا اندھیرا آیا تو ایک تارا

گویا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج
فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ
اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝

دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اسے میرا رب ٹھہراتے ہو؟
پھر جب وہ تارا ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ
میں ڈوبنے والوں کو خدا مان کر محبت کرنے کے
لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ غروب ہو جانے والی
چیزیں بھلا کس طرح خدا ہو سکتی ہیں؟

اس کے بعد کیا ہوا سنیئے!

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ ج

پھر جب چاند چمکتا دیکھا تو فرمایا کہ اس کو تم
لوگ میرا رب بتاتے ہو؟

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ
يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝

پھر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ
اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں
گمراہوں میں ہوتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً
قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج

پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا، تو آپ نے
فرمایا کہ تم لوگ اسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان
سب سے بڑا ہے۔

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ
اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

لیکن جب یہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے
فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہاری ان مشرکانہ
حرکتوں سے بیزار ہوں۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ
مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (انعام)

بیشک میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا جس
نے آسمان و زمین بنائے اور میں بس اسی ایک
کا ہوں۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

سبحان اللہ! فرمانِ خداوندی بھی یہی ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ
وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ

یعنی میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی
اور میری موت صرف اللہ ہی کے لیے ہے جس کا

اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (انعام)

سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اور مجھے خدا کی طرف سے یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور میں مسلمان ہوں۔

برادرانِ اسلام! آپ نے دیکھا؟ حضرت خلیل اللہ کی پیغمبرانہ تقریر کیسی ایمان افروز، کتنی حق نما، اور کس قدر حقائق سے لبریز ہے۔ مگر نمرود اپنی جھوٹی خدائی کے بت کو پاش پاش ہوتے دیکھ کر بلبلا اٹھا۔ اس بدنصیب نے خدا کے مقدس خلیل کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلایا اور بکمالِ بے حیائی سے پوچھا کہ اے ابراہیم تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔

یعنی میں اس رب کی خدائی کا پرستار ہوں جو زندگی اور موت بخشتا ہے۔

نمرود نے اپنی متکبرانہ سرکشی کے ساتھ کہا کہ:

اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ۝

میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

چنانچہ اس احمق نے جیل خانہ سے دو قیدیوں کو بلایا ایک کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی۔ اور دوسرے کو رہائی مل چکی تھی۔ نمرود نے پھانسی پانے والے قیدی کو تو چھوڑ دیا۔ اور رہائی پانے والے کو قتل کرا دیا۔ اور باغیانہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا کہ اے ابراہیم دیکھ لو اس کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی یہ مر چکا تھا میں نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور یہ دوسرا قیدی قید خانہ سے رہا ہو چکا ہے اور زندہ تھا میں نے اس کو مار ڈالا۔ تو اگر تمہارا خدا زندگی اور موت بخشتا ہے تو میں بھی دیکھ لو زندگی اور موت بخشتا ہوں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے سمجھ لیا کہ اس خودسر مردود کی گردن پر سر نہیں ہے، بلکہ سڑا ہوا تربوز ہے اور یہ بالکل ہی حماقت کی فیکٹری ہے تو آپ نے فرمایا کہ:

فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ۝

یعنی اے نمرود! اللہ وہ ہے جو روزانہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو پچھم سے نکال دے۔

پھر کیا ہوا، اس کو قرآن کی زبان سے سنیے۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ

یہ سنتے ہی کافر مبہوت ہو کر ہکا بکا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

برادرانِ اسلام! حضرت خلیل کی حقانیت کا سورج اس طرح طلوع ہو گیا کہ اگر نمرود میں ذرا بھی انسانیت کی بو باس ہوتی تو وہ اس پیغمبر خدا کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر خدائے برحق کا پرستار اور فلاح دارین کا حقدار بن جاتا۔ مگر بُرا ہو کفر و طغیان کا کہ سرکشی کا طاغوت عفریت بن کر اس کے دل و دماغ پر ایسا مسلّط ہو گیا کہ یہ خدا کا باغی پیغمبر خدا سے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ اور میلوں لمبی آگ جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے جلا کر خدا کے خلیل کو اس آگ میں ڈلوا دیا اور مطمئن ہو گیا کہ میں نے اپنی خدائی کے سب سے بڑے بُت شکن کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ مگر ربِّ جلیل نے فرمایا کہ: یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ۙ اپنے خلیل پر اس نار کو گلزار بنا دیا۔ اور حق و باطل کی اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوا۔ جو ہمیشہ ہوتا رہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فتح و کامرانی کے تاجدار ہوئے اور نمرود ذلّت و ہلاکت کے عذاب میں گرفتار ہو کر قہرِ قہار و غضبِ جبّار کا سزاوار ہوا۔

برادرانِ ملّت! یہ بڑا عبرتناک لطیفہ ہے کہ خدا کی قہاری نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ حقانی لشکر کا کوئی بڑا سورما نمرود کو ہلاک کرے۔ بلکہ حقانی فوج کے ایک بہت ہی ننھے سپاہی یعنی مچھر کو حق جلّ مجدہٗ نے حکم فرما دیا کہ تو اس کی ناک میں گھس کر اس کے بھیجے کو پاش پاش کر دے۔ جس میں جھوٹی خدائی کے ہزاروں مہادیو بند ہیں۔ چنانچہ ایک مچھر بالکل اچانک نمرود کی ناک میں گھس گیا اور اس کی کھوپڑی کے اندر بھیجے پر حملہ آور ہوا، نمرود دردِ سر کی شدّت سے بیقرار ہو کر بلبلاتا تھا۔ اور اس کی خدائی کے پرستار اس کی کھوپڑی پر لکڑیاں برساتے تھے۔ مگر نمرود کو ایک لمحہ کے لیے چین نہیں ملتا تھا۔ یہاں تک کہ درد و کرب سے تڑپ تڑپ کر نمرود نے دم توڑ دیا۔ اور کائناتِ عالم کے سامنے اس کی جھوٹی خدائی کا بھرم کھل گیا۔

برادرانِ ملّت! نمرود نے ہر چند چاہا اور بڑی کوشش کی کہ خدا کے خلیل کو ہلاک کر کے

نورِ خدا کے چراغ کو بُجھا دے۔ مگر قدرتِ خداوندی نے باآوازِ بلند اعلان کر دیا کہ :

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○

یعنی کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ حق و باطل کی جنگ میں پھونک مار کر یہ لوگ خدا کے نُور کو بُجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا، اگرچہ کافر اپنے حسد و عناد کی آگ میں جلتے رہیں۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا

برادرانِ ملّت! حق و باطل کے اس معرکہ میں حضرت خلیل کی فتح مبین اور نمرود کی شکست و ہلاکت اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ہمیشہ حق و باطل کی جنگ میں اسی طرح حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوتا رہے گا۔ ظلمانی طاقتیں لاکھ کوشش کریں کہ نورِ خدا کے چراغ کو بُجھا دیں مگر قدرتِ خداوندی کا یہی اعلان ہے کہ ؎

خدا کا نور بُجھا ہے نہ بُجھ سکے گا کبھی!
بُجھانے والوں کے دل بُجھ گئے بُجھا نہ سکے

درود شریف پڑھیئے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون

برادرانِ ملّت! میں عرض کر رہا تھا کہ حق و باطل کی جنگ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

چنانچہ آپ یہ نہ سمجھئے کہ نمرود کی ہلاکت کے بعد نور و ظلمت کی جنگ اور حق و باطل کا معرکہ ختم ہو گیا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ چند دنوں کے بعد دنیا نے دیکھا کہ یہی لڑائی ایک دوسرے محاذ پر شروع ہو گئی۔ جیسا کہ عارف رومی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

دَور دَورہ و قرن و قرن ایں دو فریق
تا بہ فرعون و بہ موسیٰ شفیق

یعنی حق و باطل کی لڑائی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان جو شروع ہوئی

تو ہر دور اور ہر زمانے میں اس جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان یہ جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور نمرود کی جنگ بابل کی سرزمین میں ہوئی تھی۔ مگر اب اس لڑائی کا محاذِ جنگ مصر میں قائم ہوا۔ اور اب کی مرتبہ حقانی فوج کی سپہ سالاری کا سہرا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے سر بندھا۔ اور شیطانی لشکر کی کمانڈری کا لعنتی ہار فرعون کے گلے میں پڑا۔ چنانچہ برسوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان حق و باطل کا معرکہ گرم رہا لیکن انجام وہی ہوا جو ہمیشہ اس حق و باطل کی جنگ کا ہوتا رہا ہے کہ فتح و نصرت نے حضرت کلیم اللہ کے قدموں کا بوسہ لیا اور فرعون دریائے نیل میں غرق ہو کر ابدی ہلاکت کے عذاب میں گرفتار ہو گیا اور سرزمین مصر کا ذرہ ذرہ اعلانِ خداوندی کا نقیب بن کر پکار اٹھا کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل

برادرانِ گرامی! لیکن اب یہ حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوئی بلکہ چند دنوں کے بعد دنیا نے پھر ایک دوسرے روپ میں اس جنگ کا نظارہ دیکھا۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ؎

ہمچناں تا دور و طور مصطفےٰ
با ابو جہل آں سپہدار جفا

یعنی چند ہی دنوں کے بعد اس لڑائی کا میدانِ جنگ مصر سے منتقل ہو کر حجاز میں آ گیا اور آمنے سامنے کھڑی حقانی و شیطانی فوجیں مصروفِ جنگ ہو گئیں۔ مگر اس مرتبہ حقانی افواج کی سپہ سالاری کا تاج دونوں عالم کے تاجدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر رکھا گیا اور شیطانی لشکر کی قیادت کے لیے شیطان نے ابوجہل کو منتخب کیا۔ اور حق و باطل کی ایک طویل لڑائی شروع ہو گئی۔

حضرات! میں بار بار عرض کر چکا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی جنگ سے

ہے کہ آج تک ایک ہی جنگ ہوتی رہی یعنی نور و ظلمت کی جنگ، حق و باطل کی جنگ، یا یوں کہہ لیجئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل کی جنگ، اور یقین رکھیے کہ اس جنگ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ شاعرِ مشرق نے کتنے نفیس انداز میں اس مضمون کو ادا کیا ہے کہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

دار الندوہ کی سازش

اچھا اب بات آگئی ہے تو آیئے! میں آپ کو اس حق و باطل کی جنگ کے چند مناظر بھی دکھا دوں۔ دار الندوہ کا نام تو آپ نے سنا ہوگا؟ یہ کفارِ قریش کا پنچایت گھر تھا۔ کفار اس گھر میں ایک دن جمع ہو کر ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوفناک اسکیموں، اور ہلاکت آفریں تدبیروں پر غور و فکر کرنے لگے تو قریش کا ایک بہت خرّانٹ کافر ابو البختری کھڑا ہوا اور نہایت غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اے صنادیدِ قریش! کیا تمہیں خبر نہیں ہے؟ کہ محمد بن عبداللہ مکّہ کے کوچہ و بازار میں تبلیغ اسلام اور تلاوتِ قرآن کرتے پھرتے ہیں۔ اور کلماتِ قرآن میں اتنی غضب کی تاثیر ہے کہ یہ آواز بن کر کانوں میں پہنچتے ہیں۔ مگر صداقت کا تیر بن کر دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ہمارے بوڑھے جوان، بلکہ عورتیں اور بچے بھی اسلام کی آغوش میں چلے جا رہے ہیں۔ اور آج اتنی تعداد میں مسلمان ہو چکے کہ مکّہ کی گلیاں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعروں سے گونج رہی ہیں۔ پہلے تو فقراء و مساکین اور غلاموں ہی میں اسلام محدود تھا۔ مگر اب تو غضب ہو گیا کہ عثمان غنی، مصعب بن عمیر، ابو حذیفہ بن عتبہ، ابو سلمہ، ابو جندل وغیرہ جیسے رؤساء اور شرفاءِ قریش بھی شمعِ اسلام کے پروانے بن چکے ہیں۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ اس طرح بند کر دیا جائے کہ محمد بن عبداللہ کو پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے اور کھڑکیوں اور جھروکوں سے کھانا پانی دے دیا جائے۔ اس طرح بنو ہاشم بھی ہمارے خلاف نہیں ہوں گے۔ اور تبلیغِ اسلام کا کام بھی بالکل ہی

بند ہو جائے گا۔ ابوالبختری کی اس زہریلی تقریر کے بعد ہشام بن عمرو کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میری تجویز یہ ہے کہ ابوطالب کے بھتیجے کو شہر بدر کر دینا چاہیئے اور بہت ہی بہتر ہوگا کہ اس کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مکہ سے سینکڑوں میل دُور لے جا کر صحرائے عرب میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔ یہ سُن کر ابوجہل جو غصہ میں سُرخ ہو رہا تھا۔ جھلّا کر اور منہ میں جھاگ بھر کر بولا میں ان دونوں تجویزوں کا مخالف ہوں۔ مکہ میں محمد بن عبداللہ کو قید کر دینے سے ہرگز کبھی اسلام کی تبلیغ بند نہیں ہو سکتی۔ اور شہر بدر کرنے کا تو یہ مطلب ہوا کہ ابھی تک تو مکہ ہی میں اسلام پھیل رہا ہے۔ اگر یہ مکہ سے باہر دُور دُور کے قبائل میں پہنچ گئے تو پھر ہر جگہ اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا۔ اس لیے میری پختہ رائے یہ ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہر قبیلے کے ایک ایک جوان کو منتخب کر لو۔ اور یہ سب جمع ہو کر رات کی تاریکی میں تلواریں لے کر جائیں۔ اور محمد بن عبداللہ کو بستر نبوت ہی پر جب کہ وہ گہری نیند سو رہے ہوں۔ دھوکے سے قتل کر دیں۔ اس طرح سے ہمیشہ کے لیے بانیٔ اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور نبوت کا چراغ ہی گل ہو جائے گا۔ شیطان جو شیخ نجدی کی صورت میں اس کمیٹی کا شریک کار تھا۔ ابوجہل کی یہ تجویز سُن کر مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ اور کہنے لگا کہ اے سرداران قریش! میں شیخ نجدی ہوں۔ اور میں تمہیں اس مہم میں صلاح و مشورہ دینے کے لیے نجد سے آیا ہوں۔ میں بھی ابوالبختری اور ہشام بن عمرو کی رائے کو حقارت کے ساتھ ٹھکراتا ہوں۔ اور ابوجہل کی صحیح اور صائب رائے کی زبردست تائید کرتا ہوں۔ بلکہ اس تجویز کی داد دیتا ہوں۔ چنانچہ اس طاغوت کی زہر بھری تقریر نے تمام صنادید قریش کو جوش میں بھر دیا۔ اور سب کے سب اس خوفناک اسکیم پر متفق ہو گئے۔ ابوجہل نہایت بے چینی کے ساتھ رات کی آمد کا منتظر رہا۔ اور اس کو یقین تھا کہ کل صبح تک نور خداوندی کا چراغ گل ہو جائے گا۔ اور باطل کا پرچم سربلند ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے بزرگو اور بھائیو! وہ خوفناک رات آگئی۔ اور بہت سے جوان تلواریں لے کر چل پڑے۔ اور کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ادھر جبرائیل امین نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اس بزدلانہ سازش سے

آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حقانی لشکر کے سپہ سالار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے بسترِ نبوت پر تاجدارِ ولایت یعنی اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کو سلا دیا۔ اور خود نہایت اطمینان کے ساتھ کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے اور ایک مٹھی کنکری ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف پھینک دی۔ خدا کی شان کہ یہ کنکری ہر کافر کی آنکھ میں پڑ گئی۔ اور سب آنکھیں ملنے لگے۔ اور آپ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔ اور پھر سلامتی کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور ہر طرف سے قدرتِ خداوندی کی غیبی آواز آنے لگی کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ یعنی ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن!
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادرانِ ملت! کفارِ قریش کی یہی وہ خطرناک سازش ہے جس کا نقشہ قرآنِ مجید نے اس طرح کھینچا ہے کہ:

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ (انفال)

یعنی اے پیغمبر! یاد کیجئے جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں، یا نکال دیں، اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

ناکام حملہ آور

برادرانِ ملت! اسی حق و باطل کی اس جنگ میں ایک ایسا وقت بھی آیا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تھے۔ اور دوپہر کے وقت ایک سایہ دار درخت کے نیچے بالکل تنہا آرام فرما رہے تھے۔ آپ کی تلوار درخت میں لٹک رہی تھی کہ بالکل اچانک شیطانی لشکر کا ایک شیطان صفت سپاہی اس درخت کے پاس آیا اور آپ کی مقدس تلوار ہاتھ میں لے کر پکارنے لگا۔ کہ اے محمد! اب بتاؤ؟ تم کو میری اس تلوار سے کون بچا سکتا ہے؟ رحمتِ عالم نے انتہائی پُرسکون پیغمبرانہ لہجے میں فرمایا کہ "اللہ"۔ یہ سنتے ہی اس کافر کے جسم کا رونگٹا رونگٹا، اور بدن کا بال بال خوف و ہراس

سے لرزہ براندام ہوگیا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ رحمتِ عالم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ بول! اب کون ہے؟ جو تجھ کو میری اس شمشیرِ آبدار کی حق آشکار ضرب سے بچا سکتا ہے ۔ کافر لرزتے اور کانپتے ہوئے گڑگڑا کر امان طلب کرنے لگا۔ رحمتِ عالم کے سینے میں رحمت بھرا قلب تھا۔ اس کافر کی لاچاری و مجبوری پر قلبِ نبوت رحم و کرم کا سمندر بن گیا۔ اور آپ نے اس خطرناک مجرم کے اس جرمِ عظیم کو اپنے دامنِ عفو میں چھپا کر اس کا قصور معاف فرما دیا۔ شیطانی لشکر یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے اس سفّاک و خونخوار سپاہی نے سپہ سالارِ اعظم خلیفۃ اللہ الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر کے چراغِ نبوت کو بجھا دیا ہوگا۔ مگر قدرت پکار رہی تھی کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

اسی طرح ایک مرتبہ جبلِ تنعیم کے پشت سے اسّی کافروں نے بالکل اچانک حملہ کیا تاکہ دھوکے سے ناگہاں قتل کر دیں۔ مگر نصرتِ خداوندی نے اپنے رسول کی ایسی امداد و اعانت فرمائی کہ سب کے سب کفّار زندہ گرفتار ہو گئے۔ اس موقع پر بھی رحمتِ عالم نے اپنی رحمتِ کاملہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ دشمنانِ رسول حیرت سے انگشت بدنداں ہوگئے۔ آپ نے سب کو معاف فرما کر رہا فرما دیا۔ یہی وہ موقع ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

یعنی اللہ وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔ بعد اس کے کہ تمہیں اُن پر قابو دے دیا تھا۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھتا ہے۔ (الفتح)

حضرات! اسی پر بس نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بدر کے میدان میں ابو جہل ایک ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر اسلام کا نام و نشان مٹا دینے اور چراغِ نبوت کو بجھا دینے کے لیے

چڑھ آیا۔ جنگِ اُحد میں تین ہزار خونخوار و جفا پیشہ فوجوں کے ساتھ مدینہ پر جارحانہ حملہ کیا گیا۔ جنگِ خندق میں دس ہزار مختلف قبائل کے کفّار نے مدینہ پر اتنا زبردست ہلّہ بول دیا کہ زمین دہل گئی۔ خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ خاص کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان جنگوں میں بڑے بڑے خوفناک حملے کئے گئے۔ دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ پیشانیٔ اقدس میں خود کی کڑیاں چبھ گئیں۔ گہرے زخم بھی لگے۔ غرض کفّار نے انتہائی کوشش کی کہ رحمتِ عالم کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس چراغِ نور کو بجھا دیا جائے۔ مگر اوراقِ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ حق و باطل کے ان معرکوں میں فتح و نصرت کا سہرا حق ہی کے سر رہا اور ہمیشہ شکست و ذلّت کا لعنتی طوق باطل ہی کے گلے کا ہار بنا اور ہمیشہ ہر میدان میں زمین و آسمان کے گوشہ گوشہ سے یہی صدائے حق بلند ہوتی رہی کہ: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ یعنی ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

زہر آلود گوشت

برادرانِ ملّت! چراغِ اسلام کو بجھانے کے لیے کفّار کی کوششیں میدانِ جنگ، اور بزدلانہ قتل ہی تک محدود نہیں رہیں بلکہ حد ہو گئی کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے جس کا نام زینب بنت الحارث تھا بکری کے گوشت میں زہر ملا کر رحمتِ عالم کے دستران پر رکھا۔ چنانچہ بشر بن البراء بن معرور صحابی ایک بوٹی اس گوشت کی کھاتے ہی زہر کے اثر سے فوراً شہید ہو گئے مگر رحمتِ عالم نے جونہی ایک بوٹی کو ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا کہ گوشت کی بوٹی پکار اُٹھی کہ یا رسول اللہ میں زہر آلود ہوں، مجھے ہرگز تناول نہ فرمائیے۔ رحمتِ عالم نے اس یہودی عورت سے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ کیا تو نے اس گوشت میں زہر ملا دیا ہے۔ یہودی عورت نے اقرار کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے گوشت کی اس بوٹی نے خبر دی کہ اس عورت نے اس کو زہر آلود کیا ہے۔ یہودیہ نے بات بناتے ہوئے کہا کہ میں نے آزمائش و امتحان کے لیے ایسا کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔

اور اگر آپ نبی نہیں ہوں گے تو اس طرح آپ کو قتل کر کے ہمیں راحت مل جائے گی۔

(مشکوٰۃ ص ۵۴۲)

برادرانِ ملت! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ چراغِ نبوت کو بجھا دینے کی یہ کیسی خفیہ اور کتنی خوفناک تدبیر تھی؟ مگر خدا کی قسم خدا کا وعدہ کتنا سچا ہے کہ یہ حقیقت یہاں بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر نظروں کے سامنے آگئی کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی

بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

مُسیلمۃ الکذّاب کی جنگ

برادرانِ اسلام! میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ نور و ظلمت اور حق و باطل کی جنگ میں کبھی بھی صلح نہیں ہو سکتی۔ اور قیامت تک کسی نہ کسی روپ میں، اور کسی نہ کسی میدان میں یہ جنگ ہوتی ہی رہے گی۔ اور ہمیشہ حق کی فتح اور باطل کی شکست کا سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ ابو جہل مٹ گیا۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سرفراز فرمایا۔ مگر چراغِ مصطفوی اور شرار بولہبی کی جنگ ختم نہیں ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسیلمۃ الکذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے ہزاروں انسانوں کا ایک لشکر تیار کر لیا۔ اور چراغِ نبوت کے نور کو بجھانے کے لیے کمربستہ ہو گیا۔ اور اپنے لشکر جرار کے ساتھ جانشین رحمۃ للعالمین، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جنگ کا چیلنج دینے لگا۔ اور مدینہ منورہ کے اردگرد ایک طویل محاذ پر حق و باطل کی ایک طویل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ایمانی لشکر کے سپہ سالار حضرت صدیق اکبر یارِ غار ہیں۔ اور شیطانی فوج کا کمانڈر مسیلمۃ الکذاب ہے۔ دیکھ لیجئے۔ فوجوں کے کمانڈر بدلے ہوتے ہیں مگر لڑائی وہی حق و باطل کی لڑائی ہے۔ اس موقع پر امیر المومنین حضرت صدیق اکبر نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عساکر اسلامیہ کا جنرل بنا کر یلغار کا حکم دیا اور میدانِ جنگ میں حق و باطل کا خونریز معرکہ گرم ہو گیا!

حضرات! اس جنگ میں مجاہدینِ اسلام نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے مگر

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش نصیبی اور اُن کا عظیم کارنامہ در حقیقت تاریخ اسلام کا ایک ناقابلِ فراموش شاہکار ہے۔ حضرت وحشی نے اپنے دِل میں سوچا کہ افسوس جنگ اُحد میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ نازک کو بہت بڑا صدمہ پہنچایا ہے۔ اور میرے لیے یہ بہت ہی بڑا داغ ہے کہ میرا دامن حضرت حمزہ کے خونِ ناحق سے داغدار بنا ہوا ہے۔ کیوں نہ میں اس داغ کو اس طرح دھو ڈالوں کہ اگر میں نے خیر الناس یعنی ایک بہترین انسان کو قتل کیا۔ تو اب شرُ الناس یعنی ایک بدترین انسان کو قتل کر ڈالوں۔ چنانچہ آپ اپنا زہر آلود نیزہ لے کر میدانِ جنگ میں پہنچے۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا کہ حضرت وحشی صفوں کو چیرتے ہوئے اس اونٹ کے قریب پہنچ گئے جس پر مسیلمۃ الکذّاب سوار ہو کر شیطانی فوجوں کی کمانڈ کر رہا تھا۔ حضرت وحشی نے نشانہ باندھ کر اس زور سے اپنا نیزہ چلایا کہ مسیلمۃ الکذّاب کی ناف کے نیچے لگا اور پشت کے پار نکل گیا اور دشمنِ اسلام زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ اور اس کے مقتول ہوتے ہی شیطانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور خالد سیف اللہ کی حقّانی فوجوں نے شیطانی لشکروں کو چوہوں اور گیدڑوں کی طرح بھاگ کر بھتّے تہ تیغ کر ڈالا۔ ہزاروں باطل پرست موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ہزاروں گرفتار ہو کر بارگاہِ خلافت میں آئے اور پھر تائب ہو کر اسلام کی آغوشِ عاطفت میں آ گئے اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہوا کہ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پڑھیئے درود شریف: اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ وبارکْ وسلّم۔

کربلا کا معرکہ

برادرانِ ملّت! حق و باطل کی جنگ بھلا قیامت سے پہلے کہاں ختم ہونے والی ہے۔ چند ہی دنوں کے بعد اس حق و باطل کی جنگ کا ایک منظر کربلا میں نظر آیا۔ اب کی مرتبہ پرچم حقانیت کے علمبردار اور افواجِ حق کے سپہ سالار حضرت امام عالی مقام حسین نامدار فرزند دلدل سوار ہیں۔ اور باطل پرستوں کی کمان یزید پلید

کے ہاتھوں میں ہے۔ ایک طرف بائیس ہزار کا لشکر خونخوار ہے۔ اور ایک طرف بیاسی[۸۲] نفوس قدسیہ کا ایک قافلہ ہے جس کا ہر فرد دن کا روزہ دار، اور رات کا عابد شب زندہ دار ہے اس میں پردہ نشین وعفت مآب خواتین بھی ہیں اور غلام بھی، بوڑھے بھی ہیں۔ اور جوان بھی اسی بیاسی[۸۲] میں بستر علالت پر کراہنے والے عابد بیمار بھی ہیں۔ اور سب سے ننھے مجاہد علی اصغر شیر خوار بھی ہیں۔

مسلمانو! تاریخ کربلا شاہد ہے کہ دوسری محرم سے دسویں محرم تک یہی مسئلہ زیر بحث رہا کہ بار بار یزیدی فوج کا سپہ سالار ابن سعد بدنہاد یہ پیغام بھیجتا رہا کہ اے فرزند رسول و جگر گوشۂ بتول صرف اتنی سی بات ہے کہ آپ اپنا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر بیعت فرمالیجئے تو یہ بائیس[۲۲] ہزار کا لشکر آپ کا مطیع و فرمانبردار اور آپ کے قدموں پر نثار ہو جائے گا اور بنو امیہ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قدموں میں ہوں گی۔ اور یزید پلید آپ کی مقدس جوتیوں کو اپنے سر کا تاج بنا کر اپنی قسمت کی سربلندی پر ناز کرے گا۔ آپ کو عزت ملے گی، دولت ملے گی، کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی ملے گی اور اے امام! اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں فرمائی تو یہ ستمگاروں کا لشکرِ خونخوار آپ کی نظروں کے سامنے اہل بیت نبوت کے شہزادوں کو بیدردی کے ساتھ ذبح کر ڈالے گا۔ اور آپ کے مقدس خون سے بھی کربلا کی زمین کو رنگین بنا ڈالے گا اور شہیدوں کی مقدس لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کی ہڈیوں کو چکنا چور کر ڈالے گا۔ اور شہداء کربلا کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک پھرائے گا۔ الغرض امام عالی مقام کو اس قدر لالچ دلائی گئی کہ اگر بادشاہ ہفت کشور بھی ہوتا تو پھسل جاتا۔ اور اس قدر ڈرایا گیا کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ مگر خدا گواہ ہے کہ حسین بن علی اس حق و باطل کے معرکہ میں پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم رہے۔ اور آپ نے ہر مرتبہ یزیدی لشکر کے پیغام کے جواب میں یہی فرمایا کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں تو پرچم حقانیت سرنگوں اور چراغ ہدایت گل ہو جائے گا۔ اور اگر میں یزید کی بیعت نہیں کرتا تو یہ صحیح ہے کہ میں اور سب اہل بیت نبوت کٹ جائیں گے مگر قرآن کا ایک

حرف بھی کٹنے نہیں پائے گا اور پرچم اسلام بلند سے بلند تر ہو جائے گا۔ اس لیے میں ہرگز ہرگز کبھی بھی یزید پلید کی بیعت نہیں کر سکتا۔

مسلمانو! سرزمینِ کربلا کا ذرّہ ذرّہ گواہ ہے کہ امامِ برحق نے اس حق و باطل کی جنگ میں اپنا سر کٹا دیا۔ گھر لٹا دیا۔ یزید پلید نے سمجھ لیا کہ حق مٹ گیا اور باطل سربلند ہو گیا۔ مگر قدرت اعلان کر رہی تھی کہ ؎

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یزید کی باطل پرستیاں مٹ گئیں۔ اور وہ چراغِ ہدایت کو نہیں بجھا سکا۔ اور فتح مبین کا سہرا امام حسین ہی کے سر رہا۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک آنے والی امّت مسلمہ کی نسلیں شہید کربلا کو اس طرح مبارک باد دیتی رہیں گی کہ اے گلشنِ فاطمہ کے پھول۔ اور اے ابنِ رسول! ہم تیری اس حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی کے قربان ؎

سرخروئی اسے کہتے ہیں کہ راہِ حق میں
سر کو دینے میں ذرا تو نے تامّل نہ کیا

اللہ، اللہ! سچ کہا ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کے کسی نبض شناس نے ؎

ملّتِ بیضا کی عظمت صرف قربانی میں ہے
لذّتِ آبِ بقا تلوار کے پانی میں ہے

غیرِ حق کے سامنے مسلم کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں

عظمتِ انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے بھی اسی حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہوئے لکھا۔ اور کیا خوب لکھا ہے ؎

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین
دیں ہست حسین، دین پناہ ہست حسین
سر داد، نہ داد دست در دستِ یزید
حقّا! کہ بنائے لا الٰہ است حسین!

یعنی شاہ حسین ہیں اور بادشاہ حسین ہیں وہ دین بھی ہیں اور دین کو پناہ دینے والے بھی ہیں۔ دیکھ لو! سر دے دیا مگر اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ خدا کی قسم! حضرت حسین لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہیں۔

معرکۂ صلیب و ہلال

برادرانِ اسلام! حیران ہوں کہ حق و باطل کی لڑائی کے کتنے محاذوں کی آپ کو سیر کراؤں۔ اور اس جنگ کے کتنے مناظر آپ کو دکھاؤں؟ تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ "صلیبی جنگ" کا معرکہ اسلام کے خلاف کتنا بڑا طوفان تھا۔ یورپ کی تمام عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر بیت المقدس پر حملہ کیا تھا اور رچرڈ کی فوجوں نے لاکھوں کی تعداد میں اتنی زبردست یلغار کی تھی کہ سرزمین شام دہل گئی تھی اور کوئی نہیں کہتا تھا کہ اب پرچم اسلام سربلند رہ سکتا ہے۔ تمام عالمِ اسلام میں خوف و ہراس کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ مگر سلطان صلاح الدین ایّوبی جب حقانی لشکر کا سپہ سالار بن کر میدانِ جنگ میں بے خطر کود پڑا تو اسلام کی فتح مبین کے غیب سے ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ بیت المقدس پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ اور عیسائی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور انہیں ایسی عبرتناک شکست ہوئی کہ ان کی شوکت و اقبال کا ستارہ ہی غروب ہو گیا۔ اور یورپ کے سلاطین سینکڑوں برس تک سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ اور اس موقع پر بھی خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہو کر رہا کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

مگر برادرانِ اسلام! رنج و افسوس تو یہی ہے کہ ہمیں آج اپنے اسلاف کے یہ تاریخی شاندار کارنامے بھی یاد نہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم یاس و ناامیدی کا شکار

ہو گئے اور مایوسی کا بھوت اس طرح ہم مسلمانوں کے سروں پر سوار ہو گیا کہ تاریخ اسلام کو ہم نے فراموش کر دیا۔ اور خداوند قدوس کے مقدس وعدوں کو بھی ہم بھول گئے۔ سچ فرمایا مرحوم شفیق جون پوری نے ؎

یہی وجہ ہو راہ کمال بھول گئی کہ داستانِ عروج و زوال بھول گئی!
وہی ہے اہلِ کلیسا میں جذبۂ تثلیث ہماری قوم صلیب و ہلال بھول گئی
غضب ہے تو بھی ظلمتوں کے طوفاں میں نگاہ مصطفوی خدو خال بھول گئی
دف و رباب پہ محفل میں جھومنے والے تجھے صدائے اذانِ بلال بھول گئی

چنگیز و ہلاکو کے حملے

بزرگو اور بھائیو! عروج و زوال کی ایک داستان اس وقت اور بھی یاد آگئی۔ اسے بھی سن لیجئے۔ چنگیز و ہلاکو کے نام تو آپ نے ضرور سُنے ہوں گے۔ اسلام کے خلاف ان ظالم تاتاریوں کے حملوں کی روداد اتنی خونی داستان ہے کہ سیکڑوں برس تک تاریخِ اسلام کے اوراق ان واقعات پر خون کے آنسو بہاتے رہیں گے۔ چنگیز نے بلخ و بخارا اور سمرقند و ایران کی تمام اسلامی سلطنتوں کو کچل کر چکنا چور کر دیا۔ اور مسلمانوں کے عام قتل کا ایسا ریکارڈ قائم کر دیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بخارا میں اس سفّاک نے مسلمانوں کے سروں کے منارے بنوائے۔ اس نے بخارا کی جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر یہ حکم دیا کہ میرا ہر سپاہی ایک مسلمان کا سر کاٹ کر ضرور لائے ورنہ اسی کا سر کاٹ کر منارے میں لگا دیا جائے گا۔ اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ پچاس پچاس اشرفیوں میں بھی مسلمانوں کا سر نہیں ملتا تھا۔ اس لیے کہ پہلے ہی چن چن کر تمام مسلمان قتل کیے جا چکے تھے۔ اور ان کے سر میناروں میں جوڑے جا چکے تھے۔ چنگیز نے بخارا کی مسجدوں کو منہدم اور مدارس کو برباد کر دیا اور سیکڑوں برس کے اسلامی کتب خانہ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی طرح بلخ و سمرقند اور فرغانہ کو غارت کر کے تمام شہروں کو کھیت بنا ڈالا۔ مسلمانوں کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی اور لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ اب شاید ان شہروں میں کبھی اسلام کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ پھر اسی چنگیز کا پوتا ہلاکو بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اور اس اسلام کے تاریخی شہر کی اینٹ سے

اینٹ بجادی اور قتل و غارت گری کے ایسے ایسے ہولناک مناظر پیش کئے کہ الاماں الاماں!
دریائے دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوا۔ پھر جب دنیا کے سب سے بڑے
اسلامی کتب خانہ کو ان ظالموں نے دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ تو دریائے دجلہ کا پانی
سیاہ ہو گیا۔ تمام مساجد و مدارس کو برباد کر کے میدان بنا ڈالے اور چُن چُن کر لاکھوں مسلمانوں
کو بے دردی کے ساتھ قتل کر کے کچھ لاشوں کو جلا دیا اور کچھ کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔
اس مہلک غارت گری کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب مسلمان پھر کبھی پنپ سکیں گے
یا دنیا میں مسلمانوں کا وجود باقی رہ جائے گا۔

مگر خدا کی قسم خداوند قدوس کا مقدس وعدہ حق ہے برحق ہے تاریخ پڑھ لو اور
دیکھ لو کہ خداوند تعالیٰ نے غیب سے اسلام کی نصرت و حمایت کے کیسے کیسے اسباب پیدا
فرما دیئے؟ مسلمانو! تم یہ سُن کر حیرت سے انگشت بدنداں ہو جاؤ گے کہ چند ہی دنوں کے
بعد اسی ظالم ہلاکو کا ایک پوتا ارغون خان مسلمان ہو گیا اور ہلاکو کی پوری تاتاری قوم آغوشِ
اسلام میں آگئی اور وہی تلواریں جو اب تک اسلام کے خلاف چل رہی تھیں۔ اب اسلام کی
نصرت و حمایت میں بے نیام ہو کر مصروفِ جہاد فی سبیل اللّٰہ ہو گئیں اور پھر ہر طرف اسلام
کا بول بالا ہو گیا۔ اور ان خوفناک آندھیوں کے طوفان میں بھی نورِ اسلام کا چراغ روشن
ہی رہا۔ اور خدا کا وعدہ پورا ہو گیا کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ
وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ یعنی ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

علامہ اقبال نے اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

تو نہ مٹ جائے گا ایراں کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے!
عصرِ نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

کچھ حالاتِ حاضرہ

برادرانِ گرامی! میری گزارش کا حاصل یہ ہے کہ ہر دَور میں حق و باطل کی جنگ ہوتی رہی اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

چنانچہ خوب سمجھ لو کہ آج کل بھی جو یہ ہر طرف مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے ان کی جائیدادیں لوٹی اور دُکانیں جلائی جا رہی ہیں۔ یہ سارے مظالم اسی بنا پر تو ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ للہٰذا یقیناً یہ بھی حق و باطل اور کفر و اسلام ہی کی جنگ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جنگ بہت طویل ہو چکی اور چنگیز و ہلاکو کے وارثوں نے ایک مدّت سے مسلمانوں کی خونریزی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ مگر مسلمانو! خبردار خبردار تمہیں ہرگز ہرگز نہ اس سے گھبرانا چاہیئے نہ مرعوب و مایوس ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہو چکی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود میں ہوئی یہاں تک کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل میں ہوئی۔ اور جس طرح ہر دور کے اہلِ ایمان نے صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر شیطانی لشکروں کا مقابلہ کیا۔ اسی طرح آج بھی صبر و استقامت اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ ڈٹ کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور ہرگز ہرگز خائف و مرعوب اور مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور ایمان رکھنا چاہیئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اللہ رسول کے دشمن لاکھ چاہیں کہ پھونک مار کر نورِ خدا کے چراغ کو بجھا دیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ حافظِ حقیقی اپنے اس نور کا محافظ و نگہبان ہے۔ ہزاروں برس سے دنیا دیکھتی آئی ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک دنیا یہی دیکھے گی کہ ؎

نورِ حق اسلام ہے اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

برادرانِ اسلام! مجھے یہ تسلیم ہے کہ بہت سے مسلمانوں کی شہادت ہو چکی ہے اور میں کہتا ہوں کہ ابھی بہت سے مسلمان شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ مگر یقین

رکھو کہ یہ شہدائے کرام کا مقدس خون کبھی برباد و رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ ان شاء اللہ ان مقدس شہیدانِ اسلام کے ہر قطرۂ خون کے بدلے رب العزت جل جلالہ، سینکڑوں طارق اعظم، ہزاروں محمد بن قاسم، لاکھوں صلاح الدین ایوبی شہاب الدین غوری، اور محمود غزنوی پیدا فرمائے گا۔ جو یقیناً ان شیطانی لشکروں پر فتح مبین حاصل کریں گے۔ اور ان شاء اللہ ملت اسلامیہ کا گلشن پھر سر سبز و شادات ہو کر بار آور ہو جائے گا اور ہر طرف فضائے آسمانی میں پرچم اسلام لہراتا رہے گا۔

برادرانِ ملت! تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہو چکا ہے کہ شیطانی لشکروں کو عارضی طور پر کچھ مدت کے لیے غلبہ حاصل ہو چکا ہے مگر پھر حقانی فوجوں کی فتح مبین کا خداوند عالم غیب سے سامان پیدا فرما دیتا ہے۔ مرحوم شفیق جون پوری نے اسی تاریخی حقیقت کی طرف نہایت لطیف اشارہ کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ ؎

بجھی ہے شمع مسلم بارہا پھر جگمگائی ہے!
یہ تارا ٹوٹ جاتا ہے درخشانی نہیں جاتی

مسلمانو! تم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو کہ لاکھوں مسلمان ظالموں اور خونخوار غارت گروں کے ہاتھوں جام شہادت سے سیراب ہو چکے۔ لاکھوں ملک بدر ہو گئے۔ مگر الحمد للہ، کہ مسلمانوں کی تعداد گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ شفیق مرحوم نے اس حقیقت کی بھی خوب نقاب کشائی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ؎

نکالی سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہو گا
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

گھرے ہیں اس طرح بتیس دانتوں میں زباں جیسے
مگر مسلم کی خوئے شانِ ایمانی نہیں جاتی

مگر ہاں برادرانِ ملت! ضرورت اس کی ہے کہ تم حق و باطل کے اس معرکہ میں وہ پارٹ ادا کرو جو تمہارے سلف صالحین نے کیا تھا یعنی صبر و استقامت، اتفاق و اتحاد، جرأت و استقلال، اور اسلامی زندگی کو اپنا نصب العین اور شعار زندگی بنا لو

اور کتنی ہی بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا ہو جائے مگر اپنی ثابت قدمی واولوالعزمی کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دو بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں کی طرح ہر حملہ آور کے مقابلے میں ڈٹے رہو اور کسی حال میں بھی اسلامی زندگی سے بال برابر بھی تجاوز نہ کرو؟ کیوں؟ اس لیے کہ ؎

برائے فتح پہلی شرط ہے ثابت قدم رہنا
جماعت کا بہم رکھنا جماعت کا بہم رہنا

فلک ٹوٹے، زمیں پھٹ جائے موت آئے کہ دم نکلے
مگر ہرگز نہ ہادی کی اطاعت سے قدم نکلے

یہی نصرٌ من اللہ کا اصول جاودانی ہے
یہی اسلام کی شرطِ حصول کامرانی ہے

محترم حاضرین! تاریخ اسلام پڑھ لیجیے۔ اگلے مسلمانوں پر بڑے کٹھن وقت آئے مگر یہ مسلمان وہ مسلمان تھے جو اسی نصرٌ من اللہ کے اصول پر کاربند تھے۔ نہ کبھی گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ خدا پر توکّل کر کے مٹھی بھر گنتی کے مسلمان ہزاروں دشمنان اسلام کے مقابلے پر ڈٹے رہے، تو آخر کار ان کمزوروں پر رحمتِ الٰہی کو پیار آ ہی گیا اور اس نے آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیج کر غیبی امداد فرمائی۔ اللہ اللہ! ان مسجد کے نمازیوں اور میدانِ جہاد کے غازیوں کا کیا کہنا؟ ان کا حال کیا پوچھتے ہو سنو! ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو جوشِ حق سے کسریٰ اور قیصر کو کچل آئے

جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا
جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے

سمندر میں بھی ان کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

برادرانِ ملت! تاریخ اسلام میں حقانی فوج کے تمام کمانڈروں اور ان کی فوجوں کی

زندگی پڑھ لو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ہوں یا خالد بن ولید، ابو عبیدہ بن الجراح ہوں یا موسیٰ بن نصیر، طارق اعظم ہوں یا محمد بن قاسم، محمود غزنوی ہوں یا شہاب الدین غوری ہر ایک کے ساتھ ایسے ہی اللہ والوں کا گروہ تھا۔ جو صبر و استقامت اور جرأت و استقلال میں بے مثال تھا۔ خدا کی قسم جب میں ان کے اسلامی کارناموں کا خیال کرتا ہوں تو ان فرشتہ صفت انسانوں کو یاد کر کے میری آنکھوں سے آنسو چھلک جاتے ہیں۔

اللہ اکبر! ان کے صبر و توکل اور زہد و تقویٰ کا یہ عالم کہ فرشتے ان پر ناز کریں۔ ان کی جرأت و استقامت، اور ثابت قدمی و استقلال کا یہ منظر کہ پہاڑ ان کو جھک جھک کر سلام کریں۔ ان کی اخوت و مروت کا یہ حال کہ میٹھے پانیوں کے چشمے ان سے مہمان نوازی و سخاوت کا سبق سیکھیں، ان کی ہمت و شجاعت کا یہ مقام کہ فولاد کا قلب و جگر ان کی نظروں کی شعاع سے پگھل کر موم ہو جائے۔

مسلمانو! کیا عرض کروں؟ بخدا جب کبھی بھی ان حقانی فوجوں کے سپاہیوں کی یاد آجاتی ہے تو جوشِ محبت سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ آہ۔ آہ ؎

نظر کے سامنے آتا ہے نقشہ اُن دلیروں کا
کہ جن کا نام سُن کر دل دہل جاتا ہے شیروں کا
فسانے زندہ ہو جاتے ہیں اُن شمشیر گیروں کے
جو محسن تھے شریفوں کے جو قاتل تھے شریروں کے
وہی اللہ کے بندے جو زاہد تھے نمازی تھے!
مگر راہِ شہادت میں مجاہد اور غازی تھے
حریفوں کے لیے شمشیر جوہر دار رکھتے تھے!
حلیفوں کے لیے دامان گوہر بار رکھتے تھے!
امامت قوم کی وقتِ عبادت، ان کا حصّہ تھا
بوقت جنگ فوجوں کی قیادت ان کا حصّہ تھا

مگر برادرانِ ملّت! رنج و قلق تو اسی بات کا ہے کہ آج حق و باطل کا معرکہ تو بھاری

نظروں کے سامنے ہے اور شیطانی فوج عراقی اور دراتی ہوئی ہر طرف حملہ آور ہو رہی ہے مگر ایک بھی مسلمان مردِ میدان نظر نہیں آتا جو صحیح معنوں میں حقانی فوج کا سپاہی ہو۔

ہزاروں یزید

بزرگو اور بھائیو! میں ایک مرتبہ بمبئی میں ذکرِ شہادت کا وعظ پڑھ رہا تھا اور یہ عرض کر رہا تھا کہ یزیدی دَور میں اسلام کو بے حد خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اتنے میں ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کیا کہ مولانا صاحب! یہ بتایئے کہ یزید کے زمانے میں اسلام کو زیادہ خطرہ درپیش تھا۔ یا اس زمانے میں اسلام زیادہ خطرے میں پڑ گیا ہے؟

مسلمانو! سچ عرض کر رہا ہوں کہ میں اس نوجوان کے سوال پر تڑپ اُٹھا۔ کیونکہ اس نے میری دُکھتی ہوئی رگ پر نشتر لگا دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی جواب دیا کہ عزیزِ من! بیشک یزید کے زمانے میں اسلام کو خطرہ درپیش ہو گیا تھا۔ لیکن آج اسلام کے لیے جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے وہ یزیدی دور سے ہزاروں گنا زیادہ بڑا خطرہ ہے۔ کیونکہ یزید جب اسلام کو غارت کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا تو اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ موجود تھے وہ یزید کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ اور خود کٹ گئے مگر قرآن کا ایک نقطہ کٹنے نہیں دیا۔ خود مٹ گئے۔ مگر فرمانِ مصطفٰے کے ایک حرف کو مٹنے نہیں دیا۔ اور اسلام کی ڈوبتی اور ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سلامتی کے ساتھ ساحلِ نجات پر پہنچا دیا۔ مگر آج سب سے بڑی مصیبت کبریٰ و قیامتِ صغریٰ تو یہی ہے کہ یزید ہزاروں پیدا ہو گئے مگر امام حسین ایک بھی نظر نہیں آتا۔ جو ان یزید صفت دشمنانِ اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو جائے اور اسلام کی نصرت و حمایت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آج اسلام کے لیے دورِ یزید سے ہزاروں گنا بڑھ کر بھیانک خطرہ ہے۔

مسلمانو! کیا یہ اسلام کے لیے ایک قیامت نما سانحہ نہیں ہے؟ کہ ایسے وقت میں جبکہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی بربادی اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے خوفناک حملے کر رہے ہیں۔ اور اسلام کو مٹانے کے لیے اپنی اکثریت اور اپنی طاقت کے بل پر انتہائی خطرناک یلغار کر رہے ہیں۔ اسلام کے لیے تباہ کُن قوانین بنا کر پرچم حقانیت کی دھجیاں

فضائے آسمانی میں اڑانے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور بے چارے مسلمان ہر طرف بیکسی ولاچاری کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ایسے خوفناک ماحول میں اسلامی نوجوانوں کا یہ حال ہے کہ انہیں اپنے گیسو سنوارنے اور داڑھی مونچھ کے صفایا کرنے ہی سے فرصت حاصل نہیں ہے۔ ہر نوجوان خواہ کالا کلوٹا اُلٹا توا ہی کیوں نہ ہو مگر کریم پاؤڈر لگا کر دلیپ کمار ہی بننے کی فکر دُھن میں لگا ہوا ہے۔ اور بناؤ سنگھار تن پروری، تن آسانی کی بلاؤں میں گرفتار ہے اُسے یہ فکر ہی نہیں کہ اس وقت قوم مسلم پر کتنی بڑی بلا نازل ہے۔ وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسلامی نوجوانوں کے دل و دماغ میں جذبہ ایمانی اور جوش ایمانی پیدا ہوتا۔ اور وہ اپنے کردار و عمل سے اسلام کی شان بڑھاتے۔ اور اپنی نوجوانی کے گرم خون سے قوم و ملت کی طرف سے دفاع کرتے مگر افسوس صد افسوس! کہ قوم مسلم کے نوجوانوں نے اپنے فرض کو بالکل ہی فراموش کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے دَور کے "طارق اعظم" اور "محمد بن قاسم" بنتے اور اپنی جد و جہد سے اسلامی پرچم کو سر بلند کرتے۔ بد اعتقادیوں اور بد اعمالیوں کے خلاف صف آرا ہوتے خود ہی طرح طرح کی بد اعمالیوں میں گرفتار ہیں۔ اور اپنی صورت و سیرت کو اس قدر بگاڑ رکھا ہے کہ انہیں دیکھ کر یہ پہچاننا ہی مشکل ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم؟ مسلمانو! للہ سوچو۔ مقامِ عبرت ہے کہ تمہارے اسلاف کون اور کیسے تھے؟ اور تمہارا کیا حال ہے؟ ہائے افسوس! ؎

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار
تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بہ کنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

طارق اعظم | مسلم نوجوانو! کاش آج تمہارے سینوں میں "طارقِ اعظم" جیسے اسلامی جوان کا دِل ہوتا۔ فاتح اندلس تاریخ اسلام کا وہ مسلم نوجوان

ہے کہ قیامت تک گردشِ لیل ونہار اس کے کارناموں کو صفحۂ ہستی سے محو نہیں کرسکتی۔
طارق اسلامی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ جب کشتیوں پر اپنی فوج کو سوار کرکے سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے، وہ اندلس کے ساحل پر پہنچا۔ اور تمام لشکر ساحل پر اتر گیا تو طارق نے تمام کشتیوں کو جمع کرکے آگ لگاکر جلادیا اور اپنی فوج کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ دیکھ لو اب وطن لوٹنے کی آس باقی نہیں رہی "اب لڑو یا مرو" کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس لیے خوب سمجھ لو کہ وطن دور ہے اور جنت قریب ہے، علامہ اقبال نے اس تاریخی واقعہ کو نظم کیا ہے کہ ؎

طارق چو برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہِ خرد خطا است

یعنی طارق نے جب ساحلِ اندلس پر سب کشتیوں کو جلادیا تو مجاہدین کہنے لگے کہ اے طارق! تمہارا یہ فعل عقل کی نگاہوں میں غلط ہے، کہ تم نے سب کشتیوں کو جلادیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ ؎

دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
ترکِ سبب زروئے شریعت کجا رواست

یعنی ہم اپنے وطن کی زمین سے بہت دور ہیں۔ اب بھلا ہم اپنے وطن کس طرح پہنچیں گے؟ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہی کشتیاں تو ہمارے وطن پہنچنے کا ذریعہ تھیں، اسباب وذرائع کا چھوڑنا شرعاً کہاں درست ہے؟ فوج کا اعتراض اور خفگی دیکھ کر طارق نہ گھبرائے، نہ معذرت کرتے ہیں بلکہ پوری اولوالعزمی کے ساتھ مسکراکر کیا جواب دیتے ہیں؟ اس کو ذرا غور سے سُنیے! ؎

خندید و دست خویش بہ شمشیر بُرد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

یعنی طارق نے ہنس کر شمشیر پر ہاتھ ڈالا اور کہنے لگے کہ کیا تم لوگ وطن وطن چلا رہے ہو؟ مسلمان جہاں پیدا ہوا ہے وہی اس کا وطن نہیں؟ ارے دنیا کا ہر ملک ہمارا

ہی ملک و وطن ہے۔ کیونکہ ہر ملک ہمارے خدا ہی کا ہے۔ لہٰذا یہ ملک بھی ہمارا ہی وطن ہے اس کو فتح کرو۔ اور یہیں سکونت کر لو۔ اور اپنے پیدائشی وطن کا دل میں خیال بھی نہ لاؤ۔ چنانچہ جب ساری فوج کو یقین ہو گیا کہ اب بھاگ کر وطن جانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو یہ فوج انتہائی شجاعت و بے جگری کے ساتھ لڑنے لگی۔ یہاں تک کہ پورا اندلس فتح ہو گیا اور اس سرزمین پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔

مسلمان نوجوانو! کیا تم میں آج کوئی نوجوان ایسا ہے جس کی رگوں میں "طارق اعظم" جیسا ایمانی خون ہو؟ افسوس صد افسوس! آج تم میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا!

برادرانِ ملّت! بہر حال اس دور میں سب سے زیادہ اہم تو خود قوم مسلم کی بداعمالیوں کے خلاف صف آرائی کی ضرورت ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ جوا، سٹّہ، شراب، حرام کاری، شعائر اللہ کی بے حرمتی، خداوندی فرائض سے بیزاری، ملّت فروشی، مذہب سے غدّاری یہ وہ امراض خبیثہ ہیں جو قوم مسلم کی روحانیت کے لیے ٹی بی بلکہ کینسر سے بھی بڑھ خطرناک ہیں اور در حقیقت ہماری ان بداعمالیوں ہی کی سزا ہے۔ جو خداوند قہار و جبّار کی طرف سے ظالم و خونخوار حکّام ہم پر مسلّط کر دیئے گئے ہیں جو بے دردی کے ساتھ ہمارے جسم و روح کو کچل رہے ہیں۔ اور ہماری مجبوری و لاچاری کا یہ عالم ہے ؎

نالہ کرنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے

حجاج بن یوسف

حضرات! حجّاج بن یوسف ثقفی کا نام تو آپ نے سنا ہو گا؟ یہ وہ بدنصیب اور ایسا سفّاک و خونریز ظالم تھا جس نے ایک لاکھ انسانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا۔ اور اس کے حکم سے جو لوگ قتل کئے گئے ان کا شمار ہی نہیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اس ظالم سے جو کوفہ کا گورنر تھا یہ کہا کہ اے حجّاج تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت دیکھا ہے۔ اور ان کے عدل و رعایا پروری کے مناظر بھی دیکھ چکے ہو۔ پھر تم عدلِ فاروقی کے نقش قدم پر کیوں

نہیں چلتے ؟ تو حجاج نے برجستہ جواب دیا کہ:

تَبَاذَرُوْا اَتَعَمَّرْ لَکُمْ۔ — یعنی تم لوگ ابوذر غفاری بن جاؤ تو میں بھی تمہارے لیے حضرت عمر بن جاؤں گا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سب لوگ حضرت ابوذر غفاری جیسے متقی و پرہیزگار تھے۔ اس لیے خداوند عالم نے انہیں فاروق اعظم جیسا امیر و حاکم عطا فرمایا تھا اور تم لوگ چونکہ بداعمال ہو چکے ہو اس لیے خداوند قہار و جبار نے تم لوگوں پر مجھ جیسے ظالم و سفاک کو مسلط کر دیا ہے۔ (روح البیان ص ۵۵۴)

اسی طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حجاج بن یوسف کے منبر پر ایک پرچہ میں یہ لکھ کر رکھ دیا کہ اے حجاج اگر حکومت کرنا چاہتا ہے تو حاکم کے لیے بھی رعایا کی ضرورت ہے۔ اور اگر تو نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے۔ تو نبی کے لیے بھی اُمتی کی ضرورت ہے اور اگر تو نمرود و فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو تجھ کو اپنا بندہ بنانے کے لیے کچھ انسانوں کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے تو انسانوں کا اس طرح قتل عام بند کر۔ تاکہ کچھ انسان تو زمین پر باقی رہ جائیں۔ پرچہ پڑھ کر حجاج منبر پر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نہ تو نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں نہ خدائی کا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اعمالِ بد کی سزا کے واسطے میں تمہارے لیے خدا کا عذاب ہوں۔

جیسی رعیت ویسا حاکم

حضرات! بعض حدیثوں سے بھی حجاج کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

کَمَا تَکُوْنُوْنَ یُوَلّٰی عَلَیْکُمْ اَحَدُکُمْ۔ — یعنی تم جیسے رہو گے تمہیں میں سے تمہارا حاکم بھی مقرر کیا جائے گا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

اِنْ تَکُوْنُوْا صَالِحِیْنَ فَیَجْعَلُ وَلِیَّکُمْ رَجُلًا صَالِحًا وَاِنْ تَکُوْنُوْا — یعنی اگر تم لوگ نیکوکار رہو گے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کو تمہارا حاکم بنائے گا۔ اور اگر تم

ظَالِمِیْنَ نَجْعَلُ وَّلِیَّکُمْ رَجُلًا ظَالِمًا۔ (روح البیان صفحہ ۵۵ج)

لوگ بدکار ہو جاؤ گے۔ تو خداوند تعالیٰ کسی بدکار کو تمہارا حاکم بنا دے گا۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میں کس طرح معلوم کروں کہ تو اپنے بندوں سے خوش ہے یا ناراض؟ تو ارشاد ربانی ہوا کہ اے موسیٰ!

اِذَا اسْتَعْمَلْتُ عَلَی النَّاسِ خِیَارَهُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ رِضَائِیْ وَاِذَا اسْتَعْمَلْتُ شِرَارَهُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ سَخَطِیْ۔

(روح البیان صفحہ ۵۵ج)

یعنی جب میں اپنے بندوں پر بہترین حاکم مقرر کروں تو تم سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں سے خوش ہوں۔ اور اگر میں اپنے بندوں پر بدترین لوگوں کو حاکم بنا دوں تو تم سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں سے ناراض ہوں۔

برادرانِ ملت! یہ حدیثیں کتنی کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ ہم پر اسی وقت ظالم حکومت مسلط ہوگی۔ جب خداوند تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم ظالم حکام کو کوستے رہیں اور روتے رہیں۔ ہمیں اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ہمارے اعمال میں درستی آجائے گی تو خدا کے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، اور خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور ہم پر کسی اچھی حکومت کو مقرر فرما دے گا۔ مگر یہاں تو وہی معاملہ ہے ؎

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر

کار بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

لطیفہ مسلمانو! سنا ہے کہ کسی بزرگ سے ایک مرتبہ شیطان کی ملاقات ہو گئی۔ تو یہ دیکھا کہ شیطان نہایت آرام کے ساتھ لیٹا ہوا ہے۔ بزرگ نے فرمایا کہ ارے تو شیطان ہو کر اتنے اطمینان کے ساتھ لیٹا ہوا ہے؟ تیرا کام تو لوگوں کو بھکانا اور گناہ کرانا ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ حضرت! میرا کام جو تھا وہ اب انسان ہی کرنے لگے۔ اس لیے میں اطمینان سے سو رہا ہوں۔ اور مسلمان بھائیو! یہ واقعہ ہے کہ اس

چودھویں صدی میں انسان ایسے ایسے چارسو بیس کے دھندے کرنے لگا کہ شاید ابلیس کا وہاں تک خیال بھی نہ پہنچا ہوگا! آپ ہی بتا دیجئے کہ کالی مرچوں میں پپیتے کے بیج ملا کر، پسی ہوئی دھنیا میں موم پھلی کے چھلکے ملا کر، چائے میں گوبر ملا کر کبھی شیطان نے بیچا؟ مسجدوں میں سے جوتے، حرم کعبہ میں سے قرآن کی جلدیں چرانا کبھی شیطان سے ہو سکا؟ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ جو کام شیطان سے نہ ہو سکا وہ آج انسان بلکہ مسلمان کر رہے ہیں!

بہر کیف برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق و باطل کی جنگ قیامت تک جاری رہے گی۔ اور آج مسلمانوں کے خلاف جو قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ یہ درحقیقت وہی حق و باطل کی جنگ ہے۔ اور ان شاء اللہ اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوگا۔ جو ہمیشہ حق و باطل کی جنگ کا انجام ہوتا رہا ہے لہٰذا گھبرانے یا مرعوب و مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سلفِ صالحین کی طرح صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ان باطل پرستوں کے حملوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

برادرانِ اسلام! ایک سچے مسلمان کی شان اور ایک مومن کامل کی پہچان ہی یہ ہے کہ کتنی بڑی سے بڑی مصیبت کیوں نہ آجائے۔ بڑے سے بڑے نرغے میں کیوں نہ پھنس جائے۔ مگر ہرگز ہرگز کبھی بھی خدا کی رحمت اور اس کی امداد و نصرت سے مایوس نہ ہو۔ بلکہ اس کی امداد و اعانت کا امیدوار بن کر، اور اس کے فضل و کرم پر توکل کر کے ہمیشہ جد و جہد کرتا رہے۔ مایوسی و نامرادی و ناامیدی مومن کی ایمانی حیات کے لیے سم قاتل و زہر ہلاہل ہے۔ شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

نہ ہو مایوس، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

حضرات! آج کل اکثر مسلمانانِ عالم مایوسی میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور ہم مسلمان کیا کریں؟ یہ سب ناامیدی و مایوسی کی باتیں ہیں، جو کمزوریٔ ایمان کی دلیل ہیں، بہر کیف مسلمان بھائیو! جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ آئندہ اسلام اور

مسلمانوں کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب میں بار بار عرض کر چکا کہ اسلام و مسلمان نہ کبھی مٹے ہیں۔ نہ قیامت تک مٹ سکتے ہیں۔ بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔ اور اسلام و مسلمانوں کا آئیندہ پھر بول بالا ہو کر رہے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی وہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

مسلمانو! اسلام کی مثال ہوا بھری ہوئی گیند کی طرح ہے کہ اس کو جتنی طاقت اور زور سے تم زمین پر پٹکو گے۔ اتنا ہی زیادہ وہ اُچھل کر زمین سے بلند ہوگا۔ اسلام کے دشمن جس قدر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اتنی ہی اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی کثرت و عظمت بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم ایمان و اطمینان رکھو کہ اسلام رب العالمین کا بھیجا ہوا آخری پیغام، اور رحمتِ عالم کی نگاہِ عاطفت اور آغوشِ کرم کا پالا ہوا دینی و ملی نظام ہے۔ اور خداوند قادر و قیوم نے اس کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیے آج تک دنیا نے دیکھا ہے اور قیامت تک دنیا والے دیکھتے رہیں گے کہ ؎

کروٹیں دنیا کی اس کا قصر ڈھا سکتی نہیں!
آندھیاں اس کے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

لہٰذا یہ سوال کہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور اس کا بس ایک ہی جواب ہے کہ اسلام اور مسلمان دنیا میں اسی لیے آئے ہیں کہ باقی رہیں گے۔ اسلام اور مسلمان دنیا میں اس لیے آئے نہیں آئے ہیں کہ مٹ جائیں گے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل انتہائی تابناک ہے اور ان کی حیات و بقا ایک قدرتی فیصلہ اور خدا کا ناقابلِ ترمیم دستور ہے۔ اور قرآن گواہ ہے کہ:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ — یعنی ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

برادرانِ اسلام! اب رہ جاتا ہے دوسرا سوال کہ "مسلمان کیا کریں" تو اس کے لیے ہردم ہر قدم پر قرآن کریم کی یہی رہنمائی ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ — یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

لہٰذا تم لوگ اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرو، اور اپنے ہر قول و فعل میں اُسی آفتاب ہدایت کے نور سے روشنی حاصل کرو۔

اب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے؟ تو آپ اگر تاریخ نبوت اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں گے۔ تو رحمتِ عالم کی مقدس زندگی کے دو رخ آپ کے سامنے آجائیں گے۔ ایک مکی زندگی، دوسری مدنی زندگی۔

رحمتِ عالم کی مکی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام فرماتے رہے یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان انتہائی اقلیت میں تھے۔ چند غرباء و مساکین مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان بیکسوں کا نہ کوئی حامی و مددگار تھا نہ مونس و غمخوار۔ بلکہ سارا عرب ان کی جان و مال کا دشمن تھا۔ مسلمانوں پر ہر طرف ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ مکہ کی گلیاں تو کیا پہاڑوں اور غاروں میں بھی انہیں پناہ نہیں ملتی تھی۔ حضرت بلال کی پشت پر کوڑے برسائے جاتے اور جب پیٹھ زخمی ہو جاتی تو انہیں گرم گرم ریت پر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں لٹا دیا جاتا۔ اور ان کے شکم پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ زبان منہ سے باہر نکل جاتی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا جاتا تھا۔ بی بی سمیّہ کی ناف کے نیچے نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔ کچھ مسلمان زنجیروں اور رسیوں میں جکڑے ہوئے قید میں تھے۔ کتنوں کو چٹائیوں میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا جاتا تھا غرض مکہ کے ستم گاروں نے مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کیے کہ ان کے تصور سے بڑے بڑے بہادروں کے دل دہل جاتے ہیں۔ خود رحمتِ عالم کا یہ حال تھا کہ آپ پر پتھروں کی بارش کی جاتی تھی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ آپ سجدے میں سر

رکھتے تو آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھری رکھی جاتی تھی۔ تین برس تک آپ کا بائیکاٹ اس طرح کیا گیا کہ آپ شعب ابی طالب میں قیدی کی حیثیت سے محصور رہے ستمگار کفار پانی کی ایک مشک اور اناج کا ایک دانہ اپنے جانتے بھر میں اس گھاٹی کے اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ کئی بار چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی۔ بار بار قاتلانہ حملہ ہوا۔ اہلِ طائف نے آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں۔ اور موزہ خون سے بھر گیا۔ تمام اہلِ مکہ بلکہ عزیز و اقارب یہاں تک کہ آپ کا چچا ابولہب سب کے سب آپ کی جان کے دشمن تھے۔ آہ۔ آہ۔ رحمتِ عالم پر ایسے ایسے مظالم ہوئے کہ الاماں۔ الاماں! ؎

سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے!
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر کہ جو زخمی ہوا بازار طائف میں!

مسلمانو! یہ ہے رحمتِ عالم کی مکی زندگی کا ایک دل ہلا دینے والا مختصر نقشہ، مگر تاریخ گواہ ہے، خدائی گواہ ہے، خود خدا گواہ ہے کہ تیرہ برس تک رحمتِ عالم ان مظالم و مصائب کو جھیلتے رہے مگر آپ یا مسلمان کبھی ایک منٹ کے لیے بھی نہ بلبلائے نہ مایوس ہوئے نہ کبھی بے صبری کا اظہار کیا بلکہ صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ظالموں کے ظلم کا مقابلہ کرتے رہے۔

مسلمانو! للہ انصاف! آج ہم مسلمانوں پر ان مظالم کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے مگر ہم خوف سے لرز رہے ہیں۔ ہمارا دامنِ صبر تار تار ہو چکا ہے۔ قدم اکھڑ گئے ہیں۔ اور ناامیدیوں کا بھوت ہمارے سروں پر سوار ہو گیا ہے اور ہم بار بار گھبرا کر پوچھتے پھرتے ہیں کہ مسلمان کیا کریں؟

مسلمانو! افسوس تمہیں معلوم نہیں کہ ایسے وقت میں تمہیں کیا کرنا چاہیئے؟ سنو! تمہارے لیے واحد راہِ عمل یہی ہے کہ تمہیں رسول کی مکی زندگی کو پیشِ نظر رکھ کر وہی

کرنا چاہیئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک دشمنوں کے نرغے میں محصور ہوتے ہوئے کرتے رہے۔ یعنی صبر و استقامت کے ساتھ خدا پر توکل کر کے اسلام پر عمل اور تبلیغ اسلام کرتے رہنا چاہیئے اور اپنی طاقت بڑھاتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی مدافعت کرتے رہنا چاہیئے اور خدا کی طرف سے امداد و اعانت کا امیدوار بن کر فتح و نصرت الٰہی کا انتظار کرنا چاہیئے۔

مگر افسوس! کہ ہم تبلیغِ اسلام تو کیا کرتے اسلام پر خود بھی عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اور خدا کی امداد و اعانت سے ناامید ہو کر دشمنانِ اسلام کی چوکھٹوں پر سر رگڑ رگڑ کر امداد و حفاظت کی بھیک مانگنے لگے۔ توبہ۔ نعوذ باللہ! اے مسلمان ذرا غور تو کر کہ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

سرورِ عالم کی مدنی زندگی

برادرانِ ملت! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکی زندگی کے مناظر تو آپ دیکھ چکے۔ اب آپ کی دس برس کی مدنی زندگی پر بھی ایک نگاہ ڈالیے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں انصار جیسے جاں نثار آغوشِ اسلام میں آ گئے۔ اور جانباز مسلمانوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا تو پھر آپ نے اللہ و رسول کے باغیوں سے جہاد فرمایا۔ بدر و اُحد اور خندق کی مدافعانہ جنگ کے بعد بنو قریظہ و بنو نضیر اور خیبر کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ عرب و عجم کے بادشاہوں کو آپ نے اسلام کی دعوت دی۔ پھر مسلمانوں کو ایسی شوکت نصیب ہو گئی کہ روم و فارس کی سلطنتیں اُن کے رعب و جلال سے لرزہ براندام رہنے لگیں۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں آپ فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہو گئے۔ اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہو گیا کہ:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	یعنی اے محبوب! جب اللہ کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہو جائے اور آپ یہ دیکھ لیں کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے تو

رَبِّكَ فَاسْتَغْفِرْهُ ط إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ — آپ خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھیے، اور اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیے، بیشک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانیوالا ہے۔

غرض برادرانِ ملت! رحمتِ عالم کی مکّی زندگی اور مدنی زندگی دونوں کو پیشِ نظر رکھیئے اور خوب سمجھ لیجئے کہ خوف وامن دونوں حالتوں میں رحمتِ عالم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ جب مسلمان اعداءِ دین کے محاصرہ میں پڑ جائیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی پیروی کرنی چاہیئے۔

اور جب امن وطاقت حاصل ہوجائے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر عمل کرنا چاہیئے۔

دونوں حالتوں میں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے سرچشمۂ ہدایت سے راہنمائی طلب کرنی چاہیئے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلّی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہٖ محمّد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۝

پانچواں وعظ

اولیاءِ کرام

خاصانِ خدا، خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ کَمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْمُرْتَضٰی ۝ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَوْلِیَآءِ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ۚ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

(یونس)

برادرانِ ملت! فرطِ محبت و جوشِ عقیدت کے ساتھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بآوازِ بلند نذرانۂ درود و سلام پیش کیجئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَثِیْرًا کَثِیْرًا ۝

حضراتِ گرامی! اس دنیا کا عجیب حال ہے کہ اس میں جس طرف نظر اٹھا کر دیکھئے خوف ہی خوف کا عالم ہے اور ہر طرف ڈر ہی ڈر کا دَور دَورہ ہے۔ اُونچے اُونچے

سر بہ فلک پہاڑ اگرچہ فخر کے ساتھ سینہ تانے کھڑے ہیں اور اپنی پائیداری و سربلندی پر نازاں ہیں، مگر ہر وقت خوف و دہشت سے لرزاں و ترساں ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ کہیں کوئی سنگ تراش نہ آ رہا ہو۔ ہرے بھرے تناور درخت، اپنے پھولوں، پھلوں کی رعنائیوں کے ساتھ اگرچہ بظاہر شاداب و شادمان نظر آ رہے ہیں۔ مگر ان کا پتہ پتہ اس خوف سے ہر وقت لرزہ براندام ہے کہ کہیں کوئی کلہاڑی والا تو نہیں آ رہا ہے۔ زمین پر لہلہاتی ہوئی گھاس کو ڈر ہے کہ کہیں چار پیروں والا ادھر نہ آجائے۔ اور چار پیروں والا اس خوف سے بھاگا پھر رہا ہے کہ کہیں بسم اللہ، اللہ اکبر والا نہ آ رہا ہو۔ آفتاب عالم تاب اگرچہ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے مگر اس خوف سے چہرہ زرد ہو رہا ہے کہ کہیں گرہن نہ لگ جائے۔ ستارے مسکراتے ضرور ہیں مگر اس خوف سے کانپ رہے ہیں کہ کہیں صبح کا سپیدہ نمودار نہ ہو جائے اسی طرح کمزور طاقتور سے ڈر رہا ہے، مزدور سرمایہ دار سے ڈر رہا ہے۔ سرمایہ دار انکم ٹیکس آفیسر سے کانپ رہا ہے مجرم پولیس سے تھرّا رہا ہے۔ غرض اسی دنیا جمادات ہوں یا نباتات ہوں حیوانات ہوں یا فضائی کائنات۔ عالم اسفل ہو یا عالم اعلیٰ، زمین سے آسمان تک ہر طرف خوف ہی خوف کا راج اور ڈر ہی ڈر کا دور دورہ نظر آتا ہے۔

مگر حضرات گرامی! اس خوف اور ڈر سے بھری ہوئی دنیا میں، اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی آباد ہے۔ جس کو سارے عالم میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں، وہ ہر جگہ، ہر دم اور ہر حال میں سارے جہان سے بے خوف اور بے غم ہیں۔ انہیں صرف خدا کا ڈر ہے اور ساری خدائی ان سے ڈرتی ہے۔ یہ ساری خدائی سے بے ڈر، اور صرف خدا ہی سے ڈرنے والی مخلوق کون ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟ تو برادرانِ ملت! سنو۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اس مخلوق کا نام "اولیاء اللہ" ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ ان پر کوئی خوف ہے نہ انہیں کسی چیز کا غم ہے۔

برادرانِ اسلام! قرآن کی اس آیت نے بتا دیا کہ "اولیاء" پر نہ کوئی خوف

ہے نہ ان کے لیے کوئی غم۔ اس آیت میں دو لفظ ہیں پہلا "خوف" اور دوسرا "حزن" اب خوف اور حزن کے معنی سمجھ لیجئے۔ دیکھئے زمانہ آئندہ میں کوئی چیز ایسی ہونے والی ہو جس سے انسان کے دل پر تکدر اور گھبراہٹ پیدا ہو اس کو عربی میں "خوف" اور اردو میں "ڈر" کہا جاتا ہے۔ اور گذشتہ زمانے میں کوئی ایسی چیز فوت یا ضائع ہو گئی ہو جس سے انسان کے قلب پر رنج و تکدر پیدا ہو جائے اس کو عربی میں "حزن" کہتے ہیں جس کا اردو ترجمہ "رنج و غم" قرآن مجید نے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ فرمایا۔ یعنی اولیاء پر کوئی خوف بھی نہیں۔ اور ان کے لیے کوئی غم بھی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کو نہ آنے والے زمانے میں کسی چیز کا ڈر ہے نہ گذشتہ زمانے کا کوئی غم ہے وہ بے خوف بھی ہیں اور بے غم بھی ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ سچ تو یہ ہے کہ جب اولیاء کو خدا مل گیا۔ اور یہ اللہ کے بندے اللہ والے ہو گئے۔ تو پھر انہیں خدائی بھر کے خوف و غم کی کیا پروا ؟

برادرانِ ملت! اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ جو بندہ اللہ کی یاد میں محو ہو کر اللہ والا ہو گیا۔ وہ سارے جہان کے خوف و غم سے آزاد ہو گیا۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی ٭
ہر نقش ما سوا کو مٹاتی چلی گئی!

حضرات! اب اس مسئلہ پر مجھے ذرا تفصیل سے گفتگو کرنی ہے کہ آخر اولیاء کو دنیا میں کسی چیز کا خوف اور ڈر کیوں نہیں ہے؟ تو سنئے بات یہ ہے کہ خوف کیوں ہوا کرتا ہے؟ اور کس کو ہوا کرتا ہے؟ یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ خوف اور ڈر اس کو لگتا ہے جو کمزور ہو۔ جو طاقتور ہو وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اولیاء کمزور ہیں یا طاقتور؟ اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں تو پھر یہ مسئلہ آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ بے شک اولیاء اللہ پر ہرگز کسی چیز کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔ لہٰذا برادرانِ ملت! میں اس وقت آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جس سے آپ کو اولیاء اللہ کی بے پناہ طاقت و قدرت

کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور آپ کو اس مسئلہ کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل ہو جائے گا کہ چونکہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقت و قدرت والے ہوا کرتے ہیں اس لیے ان لوگوں پر کسی چیز کا خوف و ڈر ہو ہی نہیں سکتا۔

اچھا! اب وہ حدیث سُن لیجئے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔

یعنی اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا اس شخص کو میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ۔

اور میرا بندہ میری کسی محبوب چیز کے ذریعے میرا اتنا قرب نہیں حاصل کر سکتا جتنا کہ میرے فرائض کو ادا کر کے میرا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحْبِبْتُهٗ ط

اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔

فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا۔ وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهٗ۔

پھر میں جب اپنے بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور وہ اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں ضرور ضرور اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔

(رواہ البخاری مشکوٰۃ ص۱۹۷)

بزرگو اور بھائیو! آپ نے حدیث کے مقدس الفاظ بھی سنے اور اس کا ترجمہ بھی سن لیا۔ اب بھی یہ سُن لو! کہ خداوند سبوح و قدوس کسی بندے کا کان، آنکھ اور پاؤں ہاتھ بن جانے سے پاک ہے۔ پھر اس حدیث مطلب کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تو عزیزانِ گرامی! اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے محبوب بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں اپنی قدرت و طاقت کا ایک ایسا جلوہ عطا فرماتا ہوں کہ میرے محبوب بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں سے ایسے ایسے کام ہونے لگتے ہیں کہ ان کی قدرت و طاقت کو دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے۔ اب آپ بتائیے! کہ جن بندوں کے کان، آنکھ، اور ہاتھ پاؤں میں خدا کی قدرت و طاقت کی جلوہ گری ہو، ان بندوں کی قدرت و طاقت اور ان کے تصرفات کا کیا کہنا؟ اب کون کہہ سکتا ہے؟ کہ یہ بندے کمزور ہو سکتے ہیں نہیں نہیں بلاشبہ یہ بندے جن کے اعضاء میں خدائی قدرت و طاقت کی توانائی جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ ساری خدائی میں ساری کائنات سے بڑھ کر طاقتور ہوں گے اور جب یہ سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ کسی چیز سے نہیں ڈریں گے۔ اسی لیے خداوند عالم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یعنی ساری کائنات میں کسی چیز کا بھی ان پر خوف اور ڈر نہیں ہے۔

لوہا اور آگ کی مثال

برادرانِ ملت! خداوند قدوس اپنے کسی محبوب بندے کے اعضاء میں اپنی قدرت و طاقت کی جلوہ فرمائی کردے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ دیکھئے لوہا ٹھنڈا اور اس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ مگر چند منٹ اگر لوہا آگ کی بھٹی میں پڑا رہے تو آگ اس لوہے کو اپنی گرمی اور اپنا رنگ عطا کر دیتی ہے۔ لوہا آگ کی طرح سُرخ اور گرم ہو جاتا ہے اور جو کام آپ آگ سے لیتے ہیں وہی کام اب اس لوہے سے بھی لے سکتے ہیں۔ مگر کون کہہ سکتا ہے؟ کہ لوہا آگ ہو گیا ہرگز نہیں۔ لوہا لوہا ہے اور آگ آگ ہے۔ بلا تشبیہ اولیاء اللہ بھی جب چند دنوں عشقِ الٰہی کی بھٹی میں پڑے رہتے ہیں تو خدا اپنی کریمی و رحیمی سے اپنے

محبوب بندوں کو اپنی قدرت وطاقت کا ایسا جلوہ عطا فرماتا ہے کہ ان بندوں کی قدرت وطاقت دیکھ کر خدا کی قدرت وطاقت یاد آجاتی ہے مگر بندے بندے ہیں اور خدا خدا ہے۔ اسی مضمون کو کسی عارف باللہ نے یوں کہا ہے کہ ؎

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

یعنی اللہ والے خدا نہیں ہوتے مگر یاد رکھو یہ خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ بلکہ خدا کی نصرت و اعانت اور اس کی قدرت وطاقت ہر دم ہر قدم پر ان بندوں کے ساتھ رہتی ہے!

برادرانِ ملت! جب آگ میں یہ قدرت ہے کہ وہ چند منٹوں میں لوہے کو اپنی گرمی اور اپنا رنگ اور اپنی کیفیت عطا کر سکتی ہے۔ پھولوں میں یہ طاقت و قدرت ہے کہ چند دنوں اگر تل کو پھولوں کی آغوش میں رکھ دیا جائے تو پھول تل میں اپنی خوشبو، اپنی تاثیر کا فیض پہنچا دیتے ہیں اور پھول میں بسائے ہوئے تلوں کے تیل میں پھولوں کی خوشبو اور پھولوں کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ تو کیا خالقِ کائنات اپنے محبوب بندوں کے اعضاء و جوارح میں اپنی قدرت وطاقت کی جلوہ گری نہیں فرما سکتا؟ جو لوگ اولیاء کرام کے تصرفات اور ان کی خداداد طاقت و قدرت کے منکر ہیں۔ ان سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا آگ اور پھول میں تو یہ قدرت ہے کہ وہ اپنے ہم نشین کو اپنا فیض عطا کر دے اور خداوند قادر و قیوم میں معاذ اللہ یہ قدرت وطاقت نہیں کہ وہ اپنے محبوب بندوں کو اپنی قدرت وطاقت کا جلوہ بخش دے؟ کیا معاذ اللہ آگ اور پھول کی طاقت و قدرت قادر و قیوم کی قدرت سے بڑھ کر ہے؟

یا لوہے اور تل میں فیض لینے کی صلاحیت اولیاء اللہ سے بڑھ کر ہے؟ برادرانِ ملت! جب خداوند جل و علا کے قادر و قیوم ہونے پر ایمان ہے۔ اور اولیاء اللہ میں فیض حاصل کرنے کی بھی صلاحیت ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ بیشک کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ۔ حق ہے برحق ہے اور بلا ریب

شک خداوند عالم اپنے محبوب بندوں کے اعضاء میں اپنی قدرت و قوت کا ایسا جلوہ دکھاتا ہے کہ بندوں کے اعضاء کی قدرت و طاقت دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ جمادات، نباتات، حیوانات کی ساری کائنات پر تصرف و حکومت کرتے ہیں، یہاں تک کہ عناصر اربعہ آگ، پانی، مٹی، ہوا ہر چیز پر ان کی سلطنت و حکمرانی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

آگ پر حکومت

برادران اسلام! روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ ایک خوفناک پہاڑی آگ نمودار ہوئی۔ آگ بڑھتی چلی آرہی تھی اور بڑا خطرہ تھا کہ اس آگ سے ہزاروں بستیاں جل کر خاکستر ہو جائیں گی۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یا جناب تمیم داری رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اس آگ کو میری چادر دکھا دو۔ چنانچہ جیسے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چادر مبارک اس آگ کے سامنے لائی گئی ایک دم آگ سمٹ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے غاروں میں آگ غائب ہوگئی۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۷۳)

ابو مسلم خولانی اور آگ

اسی طرح مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی جو مسلم الثبوت حافظ الحدیث اور محدث کبیر بھی ہیں اور انتہائی متقی و پرہیز گار باکرامت ولی بھی ہیں۔ ان کی مشہور کرامت ہے کہ اسود بن قیس نے جب یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابو مسلم خولانی کو اپنی نبوت تسلیم کرانے پر مجبور کیا۔ تو آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا۔ اس ظالم نے نہایت زبردست آگ جلوائی اور جب آگ کے شعلے کافی بلند ہو گئے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ آپ آگ کے شعلوں میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے ٹہلتے رہے یہاں تک کہ آگ بجھ کر راکھ ہو گئی مگر آپ کا جسم تو کیا بدن کے کپڑوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسود بن قیس آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران

رہ گیا۔ بلکہ مارے دہشت کے لرزہ براندام ہو گیا۔ اور آپ کو یمن سے نکال دیا۔ اور آپ مدینہ منورہ چلے آئے۔ منقول ہے کہ جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم نے آپ کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فرمایا کہ الحمد للہ! خداوند کریم نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے اپنے نبی کی امت میں ایک ایسے شخص کا دیدار کر لیا۔ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور زندہ و سلامت رہا۔ (تہذیب التہذیب)

پانی پر حکومت

برادرانِ گرامی! آگ کی طرح پانی پر بھی اولیاء کی حکمرانی دیکھنی ہو تو حضرت فاروق اعظم کی تاریخ پڑھ لیجئے۔ آپ کے دورِ خلافت میں مصر کا دریائے نیل خشک ہو گیا۔ مصری رعایا مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ اے امیر ہمارا یہ دستور تھا کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا تھا تو ہم لوگ ایک زنہو خوبصورت کنواری لڑکی کو دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد دریا جاری ہوا کرتا تھا۔ اب ہم کیا کریں؟ گورنر نے فرمایا کہ ارحم الراحمین اور رحمت للعالمین کا رحمت بھرا دین ہمارا اسلام ہرگز ہرگز ایسے ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم لوگ انتظار کرو میں بارگاہِ خلافت میں عریضہ لکھتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ملے گا اس پر عمل کیا جائے گا چنانچہ گورنر کا قاصد مدینہ منورہ آیا۔ اور دریائے نیل کے خشک ہونے کا حال سنایا۔ امیر المومنین یہ خبر سن کر نہ گھبرائے نہ پریشان ہوئے۔ بلکہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک ایسا تاریخی خط لکھا جو تاریخِ عالم میں بے مثل و بے مثال ہے آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا۔ مسلمانو! بتاؤ کیا کوئی ایسا بادشاہ بھی ہوا ہے؟ جس نے دریا کے نام فرمان لکھا ہو، نہیں ہرگز نہیں کیوں؟ اس لیے کہ دریا کے نام تو وہی فرمان لکھ سکتا ہے۔ جس کی حکومت کا سکہ دریاؤں پر بھی چلتا ہو۔ آپ چونکہ سلطنتِ ولایت کے بھی تاجدار تھے۔ اور ساری کائنات آپ کے زیر فرمان تھی۔ اس لیے آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا۔ ذرا اس خط کی عبارت بھی سن لیجئے۔ آپ دریائے نیل کے نام اس طرح فرمان تحریر فرماتے ہیں:

اِلٰی نِیْلِ مِصْرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ   یعنی یہ مصر کے دریائے نیل کے نام اللہ کے

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ! اَمَّا بَعْدُ، فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ بِنَفْسِكَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا اِلَيْكَ وَاِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ بِاللّٰهِ فَاجْرِ عَلَى اِسْمِ اللّٰهِ۔

(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۶۶)

بندے عمر بن الخطاب کا خط ہے۔ اے دریائے نیل! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو ہم کو کوئی تیری ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ کے نام پر جاری ہو جا۔

امیر المومنین نے اس خط کو لفافہ میں بند کر کے قاصد کو دیا اور فرمایا کہ اس کو دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ

فَلَمَّا اُلْقِيَ كِتَابُهٗ فِي النِّيْلِ جَرٰى وَلَمْ يَعُدْ يَقِفُ۔

یعنی جوں ہی آپ کا خط دریائے نیل میں ڈالا گیا فوراً دریا جاری ہو گیا۔ اور پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔

دریا میں اونٹ گھوڑے

حضرات! اسی طرح حضرت امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مدائن کسریٰ کی جانب ایک لشکر بھیجا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر تھے اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے۔ جب یہ لشکر دریائے دجلہ کے کنارے پہنچا۔ اور وہاں کوئی کشتی نہ ملی تو حضرت سعد و حضرت خالد دونوں آگے بڑھے اور دریا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

يَا بَحْرُ اِنَّكَ تَجْرِيْ بِاَمْرِ اللّٰهِ فَبِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِعَدْلِ عُمَرَ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَّا خَلَّيْتَنَا وَالْعُبُوْرَ فَعَبَرَ الْجَيْشُ بِخَيْلِهٖ وَجِمَالِهٖ وَرِجَالِهٖ اِلَى الْمَدَائِنِ وَلَمْ تَبْتَلَّ حَوَافِرُهَا۔

یعنی اے دریا تو خدا کے حکم سے جاری ہے ہم تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور رسول اللہ کے خلیفہ حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دلاتے ہیں تو کیوں نہ ہمیں دریا پار کرنے کے لیے راستہ دیتا ہے۔

چنانچہ یہ لشکر اپنے گھوڑوں اونٹوں اور آدمیوں کے ساتھ دریا پار کر کے مدائن پہنچ

گیا اور کسی جانور کا کھر بھی پانی سے تر نہیں ہوا۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص۱۶۸)

برادرانِ ملت! یہ دونوں واقعات کتنی واضح دلیل ہیں کہ اولیاء اللہ پانی اور دریاؤں پر بھی حکومت فرماتے ہیں اور دریا بھی ان اللہ والوں کے تابع فرمان ہیں۔

زمین پر حکومت

حضرات! اب یہ بھی سن لیجئے کہ اولیاء اللہ کی حکومت روئے زمین پر بھی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالوہاب سبکی نے طبقات الشافعیہ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ شدید زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی۔ امیر المومنین کچھ دیر خدا کی حمد و ثناء کرتے رہے مگر زلزلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو جلال آگیا۔ اور آپ نے اپنا دُرّہ زمین پر مار کر فرمایا کہ:

اُقِرِّیْ اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَیْكِ — اے زمین! ساکن ہو جا کیا میں نے تیرے

فَاسْتَقَرَّتْ مِنْ وَقْتِهَا (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص۱۷۲) — اُوپر عدل نہیں کیا ہے؟

یہ فرماتے ہی فوراً زلزلہ ختم ہو گیا اور زمین ساکن ہو گئی!

ہوا پر حکومت

اچھا اب یہ بھی سن لیجئے کہ آگ، پانی، مٹی کی طرح ہوا پر بھی اولیاء اللہ کی حکومت ہے۔ غالباً آپ نے بارہا سنا ہو گا کہ امیر المومنین فاروقِ اعظم نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے بھیجا۔ حضرت ساریہ لشکرِ کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف تھے۔ ایک دن حضرت امیر المومنین مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل اچانک زور زور سے چلّا چلّا کر آپ نے فرمایا کہ:

یَا سَارِیَ الْجَبَلَ۔ — یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پشت کر لو!

حاضرینِ مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ تو سرزمین نہاوند میں کفار سے جہاد فرما رہے ہیں۔ آج امیر المومنین نے انہیں کیسے پکارا؟ پہاڑ کیسا اور پہاڑ کی طرف پشت کرنے کا کیا مطلب؟ سب لوگ متعجب اور حیران ہی تھے کہ نہاوند سے حضرت ساریہ کا قاصد آیا۔ اور اس نے بتایا کہ جوں ہی دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ ایک دم ہمیں

شکست ہونے لگی فَاِذَا بِصَائِحٍ یُصِیْحُ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ۔ ایک دم ناگہاں ایک چیخنے
والے کی آواز آئی جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پشت کر لو۔
چنانچہ ہم لوگوں نے جیسے پہاڑ کی طرف پشت کر کے اپنی صف بندی کی۔ ایک دم فوراً
ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ فَہَزَمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اور اللہ تعالیٰ نے کفار
کو شکست دے دی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۴۶)

برادرانِ ملت! آپ جانتے ہیں کہ آواز کا پہنچانا ہوا کا کام ہے۔ سب کو معلوم ہے
کہ ہواؤں کے تموج سے ایک کی آواز دوسرے کے کان میں پہنچتی ہے۔ حضرت
فاروقِ اعظم نے بغیر کسی برقی قوت اور بغیر کسی ریڈیو اسٹیشن کے صرف زبان سے
فرما دیا۔ مگر ہوا چونکہ فاروقی سلطنت کے کنٹرول میں تھی۔ اس لیے ہوا نے آپ کی آواز
کو مدینہ منورہ سے نہاوند تک پہنچا دیا اور حضرت ساریہ اور ان کی فوج نے اس آواز
کو سن لیا۔ اور آپ کی اس جنگی ہدایت پر عمل کر کے فتح مبین حاصل کر لی۔ بلا شبہ یہ
واقعہ دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کی حکومت ہوا پر بھی ہے!

برادرانِ ملت! آپ نے سن لیا کہ آگ، پانی، زمین، ہوا ہر چیز پر اولیاء کی حکومت
ہے۔ کون نہیں جانتا؟ کہ آگ، پانی، مٹی، ہوا یہ عناصر اربعہ کہلاتے ہیں۔ تمام کائناتِ ارضی
انہیں چار عنصروں سے بنی ہوئی ہے۔ جب ان چار عنصروں پر اولیاء کی حکومت ہے
تو ثابت ہوا کہ ان چار عناصر سے بنی ہوئی تمام چیزوں پر بھی اولیاء کی حکومت
ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! برادرانِ اسلام غور کیجئے کہ اولیاء جب تمام جمادات، نباتات
حیوانات پر حکمراں ہیں۔ اور ہر چیز ان اللہ والوں کی محکوم اور فرماں بردار ہے۔ تو پھر
بھلا اولیاء اللہ سے بڑھ کر طاقت و قدرت والا اس دنیا میں کون ہو سکتا ہے؟ اور
جب اولیاء سب سے بڑھ کر طاقت ور ہوئے تو پھر کون سی چیز ایسی ہے کہ اولیاء کرام
ان سے ڈریں۔ تمام چیزیں تو خود ان اللہ والوں سے ڈر رہی ہیں۔ پھر بھلا اللہ
والے کسی چیز سے کیونکر ڈر سکتے ہیں؟ اس لیے حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ۔ یعنی ان اولیاء پر کسی کا خوف نہیں ہے۔
اور یہ اللہ والے اپنے خدا کے سوا ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ اولیاء کی نگاہِ قہر سے پہاڑ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ دریاؤں کو اشارہ کر دیں تو پورا لشکر دریاؤں کے اُوپر آسانی سے گزر جائے اور کسی کا پاؤں بھی تر نہ ہو۔ جنگل کے خوفناک شیران مقدس بندوں کی خدمت گزاری اور سواری میں کام آتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کے خوف سے جنگل کا بادشاہ شیر لرزہ براندام رہتا ہے۔

حضرت شیبان راعی اور شیر

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری جو مشہور محدّث ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے سفر میں ان کی حضرت شیبان راعی سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت شیبان راعی بے پڑھے لکھے تھے۔ مگر بہت ہی باکرامت ولی تھے۔ دونوں ایک ساتھ سفر کرنے لگے۔ راستہ میں یہ دیکھا کہ ایک تنگ پہاڑی راستے پر ایک خطرناک شیر بیٹھا ہوا ہے اور تمام مسافروں کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ پورے قافلے میں کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس شیر کو دور سے پتھر مار کر بھی ہٹا دے۔ اتنے میں حضرت شیبان راعی نہایت بے خوفی اور انتہائی بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھے اور جا کر شیر کا کان پکڑ کر اٹھا دیا۔ تو شیر دم ہلاتا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور آپ کے ساتھ چلنے لگا۔ (روح البیان ص ۳۲۳)

سبحان اللہ! سچ فرمایا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ؎

توہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

یعنی اے مسلمان! تو بھی خدا کے حکم سے گردن نہ موڑ۔ تو خدا کی کوئی مخلوق بھی تیرے حکم سے گردن نہیں موڑے گی۔

شیر کی سواری

حضرات! شیر پر اولیاء کرام کی حکومت کا ذکر آگیا ہے تو مجھے ایک مشہور شیر سوار بزرگ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلچسپ حکایت یاد آگئی۔

مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ شہر طالقان سے ایک درویش نے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کا شہرہ سُن کر آپ کی زیارت کے لیے خرقان کا سفر کیا۔ یہ درویش حضرت خواجہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ اور کنڈی بجائی! تو آپ کی زوجۂ محترمہ نے اندر سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟ اور مقصد کیا ہے؟ درویش نے عرض کیا کہ میں طالقان کا ایک درویش ہوں، اور میں قطبِ عالم حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

بی بی صاحبہ بڑی بدمزاج اور حضرت خواجہ کے بارے میں بڑی زبان دراز تھیں۔ ایک دم گرج کر بولیں کہ ارے تم اس مکار، دغاباز سے کیوں ملنے آئے ہو؟ ارے وہ تو بھوتوں کا جال اور گمراہی کا پھندہ ہے۔ خبردار اس سے مت ملنا۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم اس سے نہ ملو۔ اور فوراً یہاں سے اپنے گھر چلے جاؤ۔ بچارا پردیسی درویش بی بی صاحبہ کی ان بدزبانیوں کو سُن کر حیران رہ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یا اللہ! خواجہ خرقانی کی قطبیّت اور بزرگی و کرامت کا چرچا تمام عالم میں ہے۔ اور ان کی بیوی صاحبہ ان کے بارے میں اتنا ناشائستہ الفاظ بول رہی ہیں۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ اتنے میں کوئی واقف آگیا۔ اور اس نے کہا کہ اے درویش! ان کی بدزبانی پر دھیان مت رکھ۔ اور تھوڑی دیر انتظار کر اس وقت حضرت قطب الدیار لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل تشریف لے گئے ہیں۔ درویش یہ سنتے ہی شوقِ ملاقات میں جنگل کی طرف چل دیا۔ مگر ابھی تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ ؎

اندریں بود او کہ شیخ نامدار
زود پیش افتاد بر شیرے سوار

درویش اپنے خیالات میں گم صم چلا جا رہا تھا کہ شیخ نامدار حضرت خواجہ خرقانی کو دیکھا کہ آپ ایک شیر پر سوار سامنے سے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت خواجہ کی نظر درویش پر پڑی تو بی بی صاحبہ کی بدگوئی سُن کر اس کے دل میں جو خطرات و خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے اپنے کشف باطنی سے سب کچھ پہچان لیا۔

میرے بزرگو اور بھائیو! ہمارے اور آپ کے تو صرف سر ہی میں آنکھیں ہیں جن سے ہم لوگ دیکھتے ہیں مگر اللہ والوں کے سینے میں بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور جب وہ سینے کی آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو سر کی آنکھوں کو بند کر کے دیکھ لیا کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے لکھا ہے نا کہ ؎

اُلٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

جی! عشق الٰہی کے دیوانوں کی ہر چال ہی اُلٹی ہوا کرتی ہے۔ ہم لوگ تو چیزوں کا آنکھ کھول کر بلکہ بعض لوگ تو آنکھ پھاڑ پھاڑ کر نظارہ کیا کرتے ہیں۔ مگر اللہ والے اپنے سر کی آنکھوں کو بند کر کے خدا اور خدائی کا دیدار کر لیتے ہیں۔ تو حضرت خواجہ خرقانی نے شیر پر سواری کرتے ہوئے دور ہی سے مراقبہ کر کے درویش کے دل میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کا نظارہ فرما لیا اور ؎

دیدش از دور و بخندید آں خدیو
گفت آں را مشنو اے مفتونِ دیو

حضرت خواجہ نے درویش کو دور سے دیکھا اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ اے شیطانی خیالات کے فریب خوردہ درویش! میری بیوی کی باتوں پر کان مت دھرنا۔ سُن! میری بیوی کی بدگوئی اور بدزبانی کا ایک بڑا خاص راز ہے جس کی تجھے خبر نہیں تو بھلا اس راز کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ اے درویش! سُن:

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیر نر بیگارِ من

اگر بیوی کا بار گراں میرا صبر نہ اٹھاتا تو بھلا شیر نر کب اور کس طرح میری بیگاری کرتا؟

کانبیا رنج خساں بس دیدہ اند
زیں چنیں ماراں بسے پیچیدہ اند

خدا کے مقدس انبیا علیہم السلام بھی ایسے کمینوں سے ہمیشہ دُکھ اُٹھاتے رہے۔ اور ایسے سانپوں سے پیچ و تاب کھاتے رہے۔ اللہ والوں کا یہی دستور رہے کہ وہ جس قدر کمینوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں۔ اسی قدر ان کے درجات و مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ راز ہے کہ میری بیوی میرے حق میں ہمیشہ اسی طرح کی بدگوئی کر کے مجھے ایذا دیتی ہے۔ اور میں اس کی ان ایذا رسانیوں پر صبر کرتا ہوں۔ اور اس طرح مجھے انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے۔

حضرات! بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اولیاء کرام کو خداوند عالم نے ایسی طاقت و قدرت عطا فرمائی ہے کہ کائناتِ عالم ان کے زیرِ فرمان ہے اور وہ چرند سے، پرندے، اور ندے تمام جانوروں بلکہ نباتات، جمادات، حیوانات، بلکہ دریاؤں، پہاڑوں، جن و انس غرض تمام مخلوقات پر حکومت کرتے ہیں۔ اس لیے بھلا کون سی ایسی چیز ہے جس سے وہ ڈریں گے؟ اسی لیے خداوند قدوس نے اولیاء کی شان میں فرمایا کہ،

لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اولیاء کرام پر کسی چیز کا خوف نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! ان اللہ والوں کے درجات و مراتب اور بارگاہ خداوندی میں ان کی مقبولیت و محبوبیت کا کیا کہنا؟ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس کے مصداق مجذوب اولیاء ہیں۔

مجذوب اولیاء

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ یعنی بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال اُلجھے ہوئے اور وہ گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے خستہ حال ہوتے ہیں کہ اگر وہ لوگوں کے دروازوں پر جائیں تو لوگ حقارت سے انہیں دھکا دے کر نکال دیں۔ لیکن خدا کے دربار میں ان کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھالیں تو پروردگار عالم ضرور ضرور ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔ اور ان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

ان کا کہا ہوا کلام اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان سے نکل رہا ہے مگر تم یہ سمجھو کہ وہ اللہ کا فرمان ہے جو ایک بندے کی زبان سے نکل رہا ہے گویا جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے وہی تقدیر الٰہی ہوا کرتی ہے۔

حضرت مولائے روم انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

بے ادب ہرگز نہ باشی با ملنگ
ہست او دریائے وحدت را نہنگ

خبردار! ہرگز مجذوبوں کے ساتھ کبھی بے ادبی مت کرنا یہ لوگ دریائے وحدت کے مگرمچھ ہیں۔ جس طرح مگرمچھ دریا میں بے خوف وخطر پھرتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ہر خوف وغم سے بے نیاز ہو کر دنیا میں چلتے پھرتے رہتے ہیں ؎

گرچہ ظاہر می شود از خاکسار   باطنش از نور معنی بر شمار

اگرچہ ظاہر میں یہ لوگ خاک آلود میلے کچیلے ہوتے ہیں، مگر ان کے باطن کو نور حقیقت سے مالا مال سمجھو ؎

قبل مردن خویش را فانی کند
در جہان دین سلطانی کند

یہ لوگ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر عمل کرتے ہوئے موت سے پہلے ہی فانی ہو جاتے ہیں مگر دین کی دنیا میں یہ لوگ بادشاہی کرتے ہیں۔

برادرانِ ملت! اس سے بڑھ کر بادشاہی اور کیا ہوگی؟ کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے خداوند قدوس ان کی بات پوری فرما دیتا ہے۔

نہ جانے کیا ہے؟

حضرات! احمد آباد میں حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کی کرامت کا حال تو غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی، حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ رات میں تہجد کے وقت اٹھے تو اس لکڑی سے آپ کے پاؤں میں ٹھوکر لگ گئی بے ساختہ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ لوہا ہے؟ لکڑی ہے؟ کنکر ہے؟ پتھر ہے؟ نہ جانے کیا ہے؟ لوگوں نے صبح کو دیکھا تو اس

میں لوہا، لکڑی، کنکر پتھر سب کچھ تھا۔ اور ایک ایسی چیز بھی اس میں نمودار ہو گئی کہ کسی نے اس کو نہیں پہچانا۔ اور سب نے یہی کہا کہ "نہ جانے کیا ہے؟" آج بھی یہ لکڑی کا ٹکڑا احمد آباد سے چند میل دور بٹوہ میں حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب رکھا ہوا ہے۔ اور ہر دیکھنے والا اس میں لوہے، لکڑی، کنکر، پتھر کو تو پہچان لیتا ہے۔ مگر اس خاص چیز کو دیکھنے والا دیکھ کر یہی کہتا ہے کہ نہ جانے کیا ہے؟ حد ہو گئی کہ اس کو کاٹ کر انگریز لندن لے گئے۔ اور اس کی لیبارٹری میں جانچ پڑتال کرتے رہے۔ اور آخر مجبور ہو کر ان لوگوں نے بھی یہ کہہ دیا کہ نہ جانے کیا ہے؟ دیکھا آپ نے حضرت قطب عالم کی زبان سے جو کچھ نکلتا گیا۔ خداوند عالم نے وہ سب اس لکڑی میں پیدا فرمادیا۔ اور آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ "نہ جانے کیا ہے؟"، تو خداوند عالم نے اس میں ایک ایسی چیز بھی پیدا فرمادی جس کے لیے سب لوگ قیامت تک یہی کہتے رہیں گے کہ "نہ جانے کیا ہے؟"

تیری قبر پر بچھو، تیری قبر پر گدھے

حضرات! امروہہ ضلع مراد آباد میں حضرت شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ آپ جب امروہہ میں تشریف لائے تو حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمہ نے آپ کو امروہہ میں قیام سے منع فرمایا۔ مگر چونکہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کے حکم سے امروہہ آئے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کی بات نہیں مانی۔ ایک دم شاہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کو جلال آگیا اور آپ نے فرمایا کہ "تیری قبر پر بچھو رہیں گے" حضرت شاہ ولایت بھی جلال میں آگئے اور آپ نے فرمادیا کہ تیری قبر پر گدھے رہیں گے۔ حضرت شاہ نصیر الدین نے فرمایا کہ اب تم نے کہہ دیا تو میری قبر پر گدھے تو ضرور رہیں گے مگر پیشاب اور لید سے گندگی نہیں پھیلائیں گے۔ تو حضرت شاہ ولایت نے بھی فرمایا کہ تم نے کہہ دیا ہے تو میری قبر پر بچھو ضرور رہیں گے مگر یاد رکھنا کہ وہ کسی کو ڈنک نہیں ماریں گے۔

برادران ملت! آج بھی امروہہ جا کر تم اپنی آنکھوں سے یہ دونوں کرامتیں دیکھ سکتے ہو کہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بکثرت بچھو ملتے ہیں مگر درگاہ کے

احاطہ میں ڈنک نہیں مارتے۔ میں نے خود بارہا ان بچھوؤں کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ ان کے ڈنکوں پر انگلی رکھ دی ہے مگر کبھی کسی بچھو نے ڈنک نہیں مارا۔ اور آج بھی اگر کمہاروں کا گدھا گم ہو جاتا ہے اور وہ دودھ بتاشہ لے کر حضرت شاہ نصیر الدین کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ تو کھویا ہوا گدھا ان کے مزار کے پاس مل جاتا ہے۔ مگر کبھی کسی گدھے نے وہاں لید یا پیشاب نہیں کیا۔

برادرانِ ملت! یہ سب کیا ہے؟ یاد رکھو! یہ وہی بات ہے کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود! گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی اولیاء کا کہا ہوا۔ اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ اللہ کے بندے کی حلق سے نکلا ہوا کلام ہوتا ہے۔ خیر برادرانِ ملت! ان واقعات کے ذکر سے بات بڑھ گئی۔ اب میں پھر آپ کی توجہ اُسی مضمون کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں اپنی قدرت و طاقت کا ایک خاص جلوہ عطا فرماتا ہے اور اللہ والوں کے اعضاء کی قدرت و توانائی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی قدرت و طاقت کو دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے۔ اللہ والوں کے کان کی قوتِ سماعت دیکھنی ہو تو حضرت فاروقِ اعظم کی ایک کرامت سنو!

یَا لَبَّیْکَاہُ یَا لَبَّیْکَاہُ

حضرت فاروقِ اعظم نے ایک مرتبہ بہت دور جہاد کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ ایک دن آپ نے مدینہ منورہ میں زور زور سے یہ فرمایا کہ:

"یَا لَبَّیْکَاہُ یَا لَبَّیْکَاہُ" یعنی اے شخص میں تیری پکار پر حاضر ہوں، میں تیری پکار پر حاضر ہوں۔

لوگوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا کہ امیر المومنین کس کی پکار پر "لبیک" فرما رہے ہیں؟ لیکن جب وہ لشکر مدینہ واپس آیا اور اس لشکر کا سپہ سالار اپنی فتوحات کا تذکرہ کرنے لگا تو امیر المومنین نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو پہلے یہ بتاؤ کہ جس شخص کو تم نے زبردستی دریا میں اتارا تھا اس کا کیا حال ہوا؟ سپہ سالار نے لرزتے ہوئے عرض کیا کہ امیر المومنین

میں نے اس کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ چونکہ مجھے لشکر کو دریا کے پار لے جانا تھا۔ اس لیے پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کو برہنہ کر کے پانی میں اترنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن موسم بہت سرد تھا اس کو سردی لگ گئی اور کانپتے ہوئے اس نے دو مرتبہ یاعمراہ یاعمراہ کہہ کر آپ کو پکارا۔ اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ جب اہل مدینہ نے یہ سُنا تو ان لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ امیر المومنین نے جو دو مرتبہ یالبیکاہ یالبیکاہ فرمایا تھا۔ اسی مظلوم کی پکار کا جواب تھا۔ امیر المومنین نے سپہ سالار کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اپنے مال سے اس کے وارثوں کو اس کا خوں بہا ادا کرو۔ اور خبردار! آیندہ کسی مجاہد سے کبھی ایسا کوئی کام نہ لینا جو اس کی ہلاکت کا باعث ہو جائے۔ کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کا مقتول ہو جانا بڑی سے بڑی ہلاکی سے بھی بڑھ کر ہلاکت ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۷۲)

برادرانِ ملت! آپ نے غور فرمایا سینکڑوں میل کی دوری پر ایک مجاہد یا عمراہ کہہ کر امیر المومنین کو پکارتا ہے تو آپ اس کی آواز کو سُن لیتے ہیں۔ پھر نگاہ اُٹھا کر اس کو دیکھ بھی لیتے ہیں اور اس کی فریاد کا جواب بھی دیتے ہیں۔

مسلمانو! لِلّٰہ بتاؤ؟ کیا ہمارے اور آپ کے کان اور آنکھ میں یہ طاقت و قوت ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ کام تو اسی کان اور آنکھ سے انجام پاسکتا ہے۔ جن کانوں اور آنکھوں میں خداوند عالم کی قوت و قدرت کی جلوہ گری ہو اور ایسے کان اور ایسی آنکھ صرف ان محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے پاس ہیں۔ جن کو حدیث میں کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ۔ فرمایا گیا کہ خدا ان بندوں کے کان ہو جاتا ہے جن سے یہ لوگ سنتے ہیں اور خدا ان بندوں کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے یہ لوگ دیکھتے ہیں۔ پڑھیئے درود شریف:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

برادرانِ ملت! یہ تو امیر المومنین فاروق اعظم کی کرامتیں ہیں جو صحابی رسول اور جانشین پیغمبر ہیں۔ ان کی شانِ ولایت کا تو کیا کہنا؟ میرے بزرگو اور بھائیو! ان کے غلام غلامانِ دوسرے اولیاء کرام کی ایسی بے شمار کرامتیں ہیں کہ انھوں نے سینکڑوں میل دور

کی چیزوں کو دیکھ لیا۔ ہزاروں میل سے پکارنے والوں کی فریادیں سن لیں اور ان کی امداد بھی فرمائی۔

شیخ صنعانی کا انجام

حضرات گرامی! حضور سیدنا محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اپنے وعظ کی مجلس میں یہ اعلان فرمایا کہ:

اَلَا اِنَّ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ ۔ یعنی سنو میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔

تو تین سو تیرہ صاحبان حال اور اولیاء کرام نے اپنا اپنا سر جھکا کر ادب سے عرض کیا کہ:

بَلْ عَلَی الرَّأْسِ وَالْعَیْنِ ۔ (بہجۃ الاسرار) یعنی اے محبوب سبحانی! آپ کا قدم ہماری گردنوں پر نہیں بلکہ آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور آنکھوں پر ہے۔

مگر ایک بزرگ حضرت شیخ صنعانی علیہ الرحمہ جو سیکڑوں میل دور تھے۔ انہیں غیرت آگئی اور انھوں نے اکڑ کر فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانی تمہارا قدم میری گردن پر نہیں ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں میل کی دوری سے شیخ صنعانی کی آواز کو سن لیا اور ان کو دیکھ کر پہچان بھی لیا۔ پھر آپ پر غوثیت کا جلال طاری ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:

"علیٰ رقبتہ رجل الخنزیر" یعنی شیخ صنعانی کی گردن پر خنزیر کا قدم ہوگا۔

اللہ اکبر! حضرت غوثیت مآب کے فرمان کا یہ اثر ہوا کہ شیخ صنعانی اپنے چار سو مریدوں کو ساتھ لے کر حج کے لیے جا رہے تھے۔ مگر راستے میں ایک عیسائی کی لڑکی پر عاشق ہو گئے۔ اور نکاح کا پیغام دے دیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہماری قوم کا رواج ہے کہ ہونے والا دولہا چند دنوں اپنی سسرال کی خنزیریں چرایا کرتا ہے۔ مسلمانو! خدا کی پناہ شیخ صنعانی خنزیر چرانے لگے۔ اور خنزیر کا چھوٹا بچہ جو چل نہیں سکتا تھا۔ شیخ صنعانی نے اس کو اپنے کندھے

پر اٹھایا تمام مریدین برگشتہ ہو کر چلے گئے۔ مگر دو مخلص مریدوں نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور کہا کہ ہمارا شیخ اس وقت عتاب میں پڑ گیا ہے۔ جب اچھی حالت میں ہم نے شیخ کا ساتھ نہیں چھوڑا تو اس حالت میں بھی ہم شیخ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ شیخ صنعانی کو عیسائیوں نے گرجا گھر میں نکاح کے لیے بلایا۔ اور وہ ایک ہاتھ میں شراب کا پیالہ اور دوسرے ہاتھ میں خنزیر کے گوشت کا برتن لے کر چلے۔ اس حالت میں دونوں نے بغداد شریف کی طرف منہ کر کے حضرت غوث الاعظم کی درگاہ میں استغاثہ و فریاد کیا۔ حضرت غوثِ اعظم کو رحم آ گیا۔ اور آپ نے شیخ صنعانی کے قلب پر ایسا تصرّف فرمایا کہ ناگہاں ان کا دل بدل گیا اور انہوں نے خنزیر کا گوشت اور شراب کا پیالہ پھینک دیا۔ اور توبہ و استغفار کر کے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے لوٹ آئے اور دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ مجھے فوراً بغداد شریف لے چلو۔ چنانچہ پا پیادہ بغداد شریف روانہ ہو گئے۔ اور مریدوں سے فرمایا کہ میں بارگاہِ غوثیت کا مجرم ہوں۔ تم لوگ میرا چہرہ سیاہ کر کے اور میرے ہاتھ پاؤں میں رسّی باندھ کر بارگاہِ غوث میں لے چلو۔ تاکہ وہ میرے حال پر رحم فرما کر مجھے معاف کر دیں۔ چنانچہ مریدوں نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر شیخ صنعانی جب اس حال میں بغداد شریف پہنچے تو حضرت غوث اعظم نے آپ پر یہ کرم فرمایا کہ آگے بڑھ کر شیخ صنعانی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور ان کی سلب شدہ ولایت دوبارہ انہیں مل گئی۔ پھر حضرت غوثِ اعظم نے فرمایا کہ اے شیخ صنعانی! میں نے جو یہ اعلان کیا کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ تو میں نے اپنی طرف سے اعلان نہیں کیا تھا۔ بلکہ خدا کی طرف سے میں یہ کہنے پر مامور کیا گیا تھا۔ تم نے اس کا انکار کیا۔ اس لیے تم خدا کی طرف سے ایسے خطرناک عتاب میں مبتلا کئے گئے۔ اس کے بعد حضور غوث اعظم نے انہیں حمام میں بھیج کر غسل کا حکم دیا۔ اور پھر اپنا لباس خاص عطا فرما کر اپنی مسند پہ بٹھا کر اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمایا۔

(تفریح الخاطر فی مناقب عبد القادر)

برادرانِ ملّت! دیکھا آپ نے؟ حضرت غوث الاعظم نے سینکڑوں میل کی دوری پر شیخ صنعانی کے انکار کو سن لیا۔ انہیں دیکھ لیا۔ پھر انہیں عتاب میں مبتلا کر دیا۔ پھر مریدوں کی فریاد سن کر انہیں عتاب سے نکال لیا۔ یہ ہیں اولیاء کی قدرت و طاقت کے

آفتاب کی تجلیاں!

غوث اعظم کی کھڑاؤں

اسی طرح شیخ عبدالحق حریمی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ۳۔ صفر ۵۵۵ھ کو ہم لوگ حضرت غوثیت مآب کے مدرسہ میں حاضر تھے۔ ہم نے بچشم خود دیکھا کہ حضرت غوث اعظم نے وضو فرمایا اور اپنی گیلی کھڑاؤں کو یکے بعد دیگرے ہوا میں پھینک دیا۔ اور وہ دونوں نظروں سے غائب ہو گئیں کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ کچھ دریافت کرتا۔ سب خاموش رہے۔ ۲۳ دنوں کے بعد بلاد عجم سے ایک قافلہ آیا جس نے آپ کی دونوں کھڑاؤں اور کچھ نذر پیش کی۔ اور ان قافلہ والوں نے بتایا کہ ہم لوگ ایک جنگل میں تھے کہ ناگہاں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہمارے چند آدمی مارے گئے۔ اور ڈاکوؤں نے ہمارے قافلہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جب ہم لوگ مقابلہ سے لاچار ہو گئے تو ہم نے بلند آواز سے یہ کہا کہ "اَغِثْنِیْ یَا شیخ عبدالقادر" اور کچھ نذر بھی مان لی۔ اس کے بعد ناگہاں جنگل میں ایک خوفناک آواز آئی۔ جس سے سارا جنگل دہل گیا۔ اور یہ کھڑاؤں ڈاکوؤں کے سردار کے سر پر لگی اور وہ فوراً ہی ہلاک ہو گیا۔ پھر دوسری کھڑاؤں بھی ایک بڑے ڈاکو کے سر پر لگی اور وہ بھی مر گیا۔ ڈاکوؤں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ہمارا سارا مال چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ ہم نے کھڑاؤں کو دیکھا تو وہ گیلی تھی۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات! یہ واقعہ بھی دلیل ہے کہ سینکڑوں میل دور سے فریادی کی پکار کو جناب غوثیت مآب نے سن لیا۔ اور پھر حملہ آور ڈاکوؤں کو دیکھ بھی لیا کہ وہ کہاں ہیں؟ پھر اتنی دور سے اپنی کھڑاؤں سے مار کر انہیں ہلاک کر دیا۔ یقیناً یہ اسی آنکھ، کان، اور ہاتھ کے کارنامے ہیں جن میں حضرت حق جل مجدہٗ کی طاقت و قدرت کی جلوہ فرمائی ہے۔

نجم الدین کبریٰ کا لوٹا

اسی طرح حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے مرید امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ پر سکرات کے عالم میں شیطان نے حملہ کیا۔ اور توحید الٰہی کی تین سو ساٹھ دلیلیں جو آپ بیان فرمایا کرتے تھے، شیطان نے سب کو توڑ پھوڑ کر رد کر دیا اور آپ بد حواس ہو گئے۔ حضرت

خواجہ سیکڑوں میل دُور وضو فرما رہے تھے۔ امام رازی کا حال دیکھ کر آپ کو جلال آگیا اور آپ نے اپنا لوٹا چلا کر شیطان کو مارا۔ اور فرمایا کہ فخر رازی! تم کہہ دو کہ میں نے دل سے خدا کو ایک مانا۔ مجھے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ نجم الدین کبریٰ کا لوٹا امام فخر الدین رازی کے سرہانے گرا اور امام رازی نے اپنے پیر کی آواز سُن لی۔ پھر آپ نے شیطان سے یہ فرما دیا کہ میں نے بلا دلیل کے اپنے دل سے خدا کو ایک مان لیا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ اور امام رازی کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

پڑھیئے درود شریف:

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

یار کی خوشبو

برادرانِ اسلام! حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی مشہور کرامت ہے کہ ایک دن آپ خرقان نامی گاؤں کے قریب سے گزرے تو سانس اُوپر کو کھینچنے لگے۔ جیسے کسی چیز کی خوشبو سونگھ رہے ہوں۔ مریدوں نے عرض کیا کہ حضور۔ کس چیز کی خوشبو سونگھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس خرقان گاؤں سے اپنے ایک یار کی خوشبو آرہی ہے۔ مولانائے روم نے اس حکایت کو بڑی شان و شوکت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

آں شنیدی داستانِ بایزید
کوز حال بوالحسن پیشیں چہ دید

مولانا فرماتے ہیں کہ تم نے خواجہ بایزید بسطامی کی وہ حکایت بھی سُنی ہے؟ کہ آپ نے خواجہ ابوالحسن خرقانی کی پیدائش سے برسوں پہلے ان کا حال دیکھ لیا تھا ؎

گفت بوئے خویش زیارے می رسد
کاندریں دہ شہر یارے می رسد

آپ نے یہ فرمایا کہ مجھ کو اس گاؤں سے اپنے یار کی خوشبو آ رہی ہے۔ کیونکہ اس گاؤں میں ایک شاہ ولایت پیدا ہونے والا ہے۔ پھر آپ نے سن، مہینہ تاریخ سب کچھ بتا دیا کہ وہ کس وقت پیدا ہوں گے۔ ایک مرید نے دریافت کیا

کہ حضور ان کا نام کیا ہے ؎

چیست نامش گفت نامش بوالحسن
حلیہ اش وا گفت زابرو تا زقن!

تو آپ نے فرمایا کہ ان کا نام ابوالحسن ہوگا۔ پھر آپ نے بھوں سے لے کر ٹھوڑی تک ان کا پورا پورا اور صاف صاف حلیہ بھی بتا دیا کہ ان کی آنکھ ایسی، ناک ایسی اور رخسار ایسے ہوں گے۔

چنانچہ آپ کے بتائے ہوئے وقت اور تاریخ پر خرقان میں خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے روایت ہے کہ جب خواجہ ابوالحسن سن شعور کو پہنچے تو حضرت خواجہ بایزید بسطامی کے مزار پر جا کر مراقبہ کیا۔ چنانچہ خواجہ بایزید بسطامی ایک دن قبر سے باہر ظاہر ہوئے اور ان کو سینے سے لگا کر اپنی نسبت و خلافت سے سرفراز فرما دیا رموز خلین کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی کی وفات کے ۳۹ برس بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اللہ والوں کی بصارت کا عالم کہ جو بچہ ابھی برسوں بعد پیدا ہونے والا ہے اس کی خوشبو سونگھ کر اس کو دیکھ لیا ناک نقشہ اور حلیہ بھی دیکھ لیا۔ اس کے مراتب و درجات کو بھی دیکھ کر بتا دیا یہی وجہ ہے کہ مولائے روم فرماتے ہیں کہ ؎

لوحِ محفوظ است پیش اولیاء
از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی اولیاء کرام کی نظر کا تو یہ عالم ہے کہ لوحِ محفوظ اولیاء کی نظروں کے سامنے رہتی ہے۔ لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ازل سے ابد تک کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لوح میں نہ لکھی ہوئی ہو۔

برادرانِ ملت! سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں، لاکھوں اولیاء کی ایسی کرامتیں منقول ہیں کہ انہوں نے سینکڑوں، ہزاروں میل کی چیزوں کو دیکھ لیا۔ دور دراز کی آوازوں کو سن لیا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر سینکڑوں، ہزاروں میل کی دوری پر طرح طرح کا تصرف فرمایا مگر

آج کل کے منکرین اولیاء ان کرامتوں پر تعجب کر کے مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ان روایتوں کو بے سر پیر کی لغویات بتاتے ہیں۔ اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید سے بھی اس قسم کی ایک کرامت سنا دوں۔ کیونکہ قرآن کی صداقت پر تو منکرین اولیاء بھی ایمان رکھتے ہیں!

آصف بن برخیا کی کرامت

حضرات! تخت بلقیس کا واقعہ تو غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ قرآن مجید کی سورۂ نمل میں ہے کہ بلقیس شہر سبا کی رانی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو خط لکھا کہ تم اپنے درباریوں کے ساتھ مسلمان ہو کر میرے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے؟ کہ بلقیس اور اس کے درباریوں کے مسلمان ہو کر یہاں آنے سے پہلے ہی بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝

ایک بڑا سرکش جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کے پاس آپ کا اجلاس برخواست ہونے سے پہلے ہی حاضر کر دوں گا۔ اور آپ یقین فرمایئے کہ مجھے اس کی قوت ہے اور میں نہایت امانت دار ہوں۔

جن کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلد اس تخت کو لانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اس وقت دربار میں حضرت آصف بن برخیا بھی حاضر تھے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے۔ اور بہت ہی صاحب کرامت ولی تھے انہوں نے کیا کہا؟ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ

انہوں نے عرض کیا جنہیں کتاب الٰہی کا علم

الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط

تھا کہ میں اس تخت کو ایک پلک مارنے سے پہلے ہی حاضر کردوں گا۔

چنانچہ حضرت آصف بن برخیا نے ہاتھ بڑھا کر ایک سیکنڈ میں تخت بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کردیا۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ط وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ اور بڑا کرم والا ہے۔

برادران ملت! روایت ہے کہ تخت بلقیس اسی[۸۰] ہاتھ لمبا چالیس[۴۰] ہاتھ چوڑا تھا اور سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع و مزین تھا۔ اور اتنا وزنی تھا کہ ایک بہت بڑی جماعت اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹا سکتی تھی۔ مگر حضرت آصف بن برخیا نے پہلے اتنی دور سے اس تخت کو دیکھا کہ وہ کہاں ہے؟ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کو اٹھا لائے۔ مسلمانو! قرآن نے ہمیں بتادیا کہ ایک ولی کی نظر کا کمال اور اس کے ہاتھوں کی قدرت و طاقت کا کیا عالم ہوتا ہے؟ یاد رکھیئے کہ حضرت آصف بن برخیا نبی نہیں تھے، بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ولی تھے۔ اور یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھیئے کہ جتنی عظمت و طاقت والا نبی ہوگا اس کی امت کے اولیاء بھی اسی لحاظ سے عظمت و طاقت والے ہوں گے۔ کیونکہ یہ مسئلہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہر ولی کی کرامت درحقیقت اس کے نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے۔ تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی کی کرامت کا یہ حال ہے تو پھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی نبی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی امت کے اولیاء حضرت سلیمان علیہ السلام

کی امت کے اولیاء سے افضل واعلیٰ ہی ہوں گے۔ تو اگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء ہزاروں میل کی دوری پر ہونے والے واقعات اور اشیاء دیکھ لیں۔ سینکڑوں میل دور سے فریادیوں کی فریاد کو سن لیں اور لوگوں کی فریاد رسی فرمائیں تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟

محترم سامعین!

کَرَامَۃُ الْاَوْلِیَآءِ حَقٌّ۔ یعنی اولیاء کرام کی کرامت حق ہے۔

یہ عقائد کا مسلّمہ مسئلہ ہے لہٰذا اولیائے کرام کی کرامتیں برحق ہیں۔ اس کا انکار اعلیٰ درجے کی شقاوت ومحرومی اور بدترین بدمذہبیت ہے۔ درحقیقت ان منکرین اولیاء کو خبر نہیں کہ بارگاہ کبریا میں اللہ والوں کی مقبولیت ومحبوبیت کا کیا عالم ہے؟ اولیاء کرام پر خداوند قدوس کا کتنا پیار ہے۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک حکایت سنئے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک ولی

مولانا رومی علیہ الرحمہ ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ ؎

آمد از حق سوئے موسیٰ ایں عُتیب!
کائے طلوع ماہ دیدہ تو زجیب

یعنی خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کچھ تھوڑا سا عتاب ہوا۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تم کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ تم اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے ہو تو تمہاری ہتھیلی چاند کی طرح چمکنے لگتی ہے ؎

مشرقت کردم زنور ایزدی
من حقم رنجور گشتم نامدی

میں نے تمہیں اپنے نور سے جگمگا دیا اور میں تمہارا خدا ہوں۔ لیکن میں بیمار ہو گیا تو تم میرے پاس نہیں آئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام خداوند قدوس کا یہ عتاب سن کر

حیران رہ گئے اور جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ ؎

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں
ایں چہ رمزے ہست یارب کن بیاں

اے خداوند سبحان! تو حرج و مرض ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے اور تو یہ فرما رہا ہے کہ میں بیمار ہو گیا۔ تو اے میرے سبحان تو کس طرح بیمار ہو سکتا ہے؟ میں اس رمز کو نہیں سمجھ سکا۔ الٰہی تو اس راز کو مجھ سے بیان فرما دے ؎

گفت آرے بندۂ خاص گزیں
گشت رنجور آں منم نیکش ببیں

تو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! میرا ایک خاص برگزیدہ بندہ بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی بیماری کو میں یوں کہہ رہا ہوں کہ میں بیمار ہو گیا تھا کیوں؟ اس لیے کہ

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیاء

جو شخص خدا کے ساتھ ہم نشینی کا خواستگار ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت میں بیٹھے۔

اللہ اکبر! مسلمان بھائیو! غور کرو کہ اولیاء کرام کو بارگاہِ رب العزّت میں کس قدر تقرب، کتنی مقبولیت و محبوبیت ہے کہ خداوند سبوح و قدوس ان کی بیماری کو اپنی بیماری، ان کی خدمت کو اپنی خدمت، ان کی ہم نشینی کو اپنی ہم نشینی فرما رہا ہے۔

اولیاء پر خدا کا پیار

بزرگانِ ملّت! اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی سن لیجئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے یوں فرمائے گا کہ:

يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ۔ — اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہو گیا تھا تو تو میری بیمار پرسی کے لیے نہیں آیا؟

قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوْدُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بندہ عرض کریگا اے میرے پرورلگار! تو کیسے بیمار ہوتا اور میں کیسے تیری بیمار پرسی کے لیے آتا جب کہ تو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ ـ

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابنِ آدم! کیا تجھے نہیں معلوم! کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا۔ لیکن تو اس کی عیادت کے لیے نہیں آیا۔

أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهٗ ـ

کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس بندے کی بیمار پرسی کے لیے آتا تو اس بندے کے پاس تو مجھے یعنی میری رضا کو پالیتا۔

يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ ـ

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔

قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بندہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں کس طرح تجھ کو کھانا کھلاتا جبکہ تو رب العالمین ہے۔

قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ ـ

باری تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو یہ علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔

أَمَا عَلِمْتَ لَوْ أَنَّكَ أَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ ـ

کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو میرے اس بندے کو کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا۔

يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ ـ

خداوند تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔

قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بندہ عرض کرے گا کہ اے پالنہار! میں تجھے کس طرح پانی پلاتا جبکہ تو سارے عالم کا پالنے والا ہے۔

قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِہٖ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۳۳)

باری تعالیٰ عزاسمہٗ فرمائے گا کہ خبردار میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس پانی کو میرے پاس پاتا۔

بہرکیف برادرانِ ملت! بہت سے ایسے اللہ کے بندے ہیں جو بظاہر میلے کچیلے غبار آلود ہوتے ہیں، مگر تمہیں کیا معلوم؟ کہ یہ اللہ کے دربار میں کتنے مقبول و محبوب ہوتے ہیں، اسی لیے شیخ سعدی نے فرمایا کہ ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی اس دنیا میں میلے کچیلے خاکسار بندوں کو حقارت کے ساتھ مت دیکھو، تمہیں کیا خبر؟ شاید اس گرد میں کوئی میدان ولایت کا شہ سوار چھپا ہوا ہو، مثل مشہور ہے کہ کبھی کبھی گدڑی میں بھی لعل ہوا کرتا ہے۔

خستہ حال فقراء اس لیے خستہ حال فقراء جو کبھی کبھی کھانا پانی کا سوال کرتے رہتے ہیں، ہرگز ہرگز ان کو حقارت کے ساتھ جھڑکنا نہیں چاہیے بلکہ اگر ہو سکے تو ان کے سوال کو پورا کر دینا چاہیے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کتنی نفیس بات فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ؎

خورش دہ بہ دُرّاج و کبک و حمام
کہ روزے ہمائے بیفتد بہ دام

یعنی تیتر، چکور، کبوتر سب کو دانہ کھلاتے رہے، ممکن ہے کسی دن ہُما بھی تمہارے جال میں آجائے، مسلمانو! ہُما وہ پرندہ ہے جس کے گھر آجائے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے، مطلب یہ ہے کہ تم سب کو جو تمہارے دروازے پر آجائے کھانا کھلاتے رہو، جب تمہارے دروازے پر کھانا ملتا رہے گا تو تیتر، چکور، کبوتر جیسے ایرے غیرے بھی آتے اور کھاتے رہیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی دن کوئی ہُما صفت اللہ والا

بھی تمہارے گھر پر آجائے، تو تمہاری قسمت کا ستارہ چمک اُٹھے گا!

آپ یہ حدیث سُن چکے کہ اللہ والوں کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ لَئِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِیَنَّہٗ ۔ یعنی محبوبانِ بارگاہِ الٰہی اگر خدا سے کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو ارحم الراحمین ضرور ضرور انہیں مراد عطا فرما دیتا ہے!

حضرت ذوالنون مصری

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت شاید آپ لوگوں نے سنی ہوگی۔ آپ ایک کشتی میں مسافروں کے ساتھ سفر فرما رہے تھے۔ اتفاق سے کسی مسافر کا بٹوہ گم ہوگیا۔ کشتی میں سب سفید پوش جنٹل مین ہی تھے۔ ایک حضرت ذوالنون مصری ہی میلے کچیلے خستہ حال تھے۔ سب نے آپ ہی پر شک کیا۔ اور آخر کشتی کے ناخدا نے ڈانٹ کر آپ سے کہا کہ ؎

دلق بیروں کن برہنہ شو ز دلق!
تا ز تو فارغ شود اوہام خلق

گدڑی اتار کر برہنہ ہو جاؤ۔ ہم تمہاری تلاشی لیں گے تاکہ تم پر جو لوگوں کو چور ہونے کا گمان ہے وہ بدگمانی دور ہو جائے۔ حضرت کے قلبِ نازک پر بڑی ٹھیس لگی۔ اور آپ نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگی ؎

گفت یارب مر غلامت را خساں ؎
متہم کردند فرماں بر رساں!

اے پروردگار! تیرے بندے کو ان کمینوں نے تہمت لگائی ہے۔ اب تُو میری برأت کا فرمان بھیج دے! پھر کیا ہوا! سنو! اور عبرت پکڑو ؎

چوں بدرد آمد دل درویش زاں
سر بروں کردند ہر سو ماہیاں

جب درویش کا دل اس تہمت سے دردمند اور دُکھی ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ دریا میں ہر طرف مچھلیوں نے سر نکال دیا۔

صد ہزاراں ماہی از دریائے پُر! در دہانِ ہر یکے دُرّے چو دُر

لاکھوں مچھلیاں بھرے ہوئے دریا میں منہ نکالے ہوئے تھیں۔ اور ہر مچھلی کے منہ میں قیمتی موتی تھے ؎

دُرِ چند انداخت در کشتی و جست

مرہوارا ساخت کرسی و نشست!

آپ نے چند موتی مچھلیوں کے منہ سے لے کر کشتی میں ڈال دیئے اور پھر ہوا میں معلّق ہو کر اس طرح بیٹھ گئے، جس طرح کوئی کرسی پر بیٹھا ہو۔ کشتی پانی پر چل رہی تھی اور آپ کشتی کے اوپر ہوا میں بیٹھے ہوئے کشتی کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ کشتی والے آپ کی اس کرامت سے ڈر کر لرزہ براندام ہو گئے اور آپ سے معافی طلب کرنے لگے۔

برادرانِ ملّت! دیکھ لیجئے! یہ ہے بارگاہِ کبریا میں اولیاء اللہ کی محبوبیت کا عالم اسی لیے تو مولائے روم نے فرمایا ہے کہ ؎

اولیاء راہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اولیاء کو خدا کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کمان سے چلے ہوئے تیر کو اگر چاہیں تو راستہ میں سے واپس لوٹا سکتے ہیں۔ پڑھیئے درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

بہرحال! برادرانِ اسلام! آپ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ۔ کا مضمون ایک حد تک سمجھ چکے کہ اولیاء پر کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ اولیاء اپنی طاقت و قدرت میں جو انہیں خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے تمام اشیاء سے بڑھ کر ہیں اور ساری کائنات ان کے زیر فرمان ہے!

اب اس آیتِ کریمہ کے اگلے حصّہ کا ترجمہ بھی سُنئے! ارشادِ خداوندی ہے کہ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ یعنی اولیاء کو کوئی غم بھی نہیں ہے۔

نہ دنیا میں ان کے لیے کوئی غم نہ آخرت میں۔ اولیا غمگین کیوں نہیں ہوتے۔ اس کا راز بھی سن لیجئے۔ کسی انسان کو رنج و غم کب اور کیوں ہوتا ہے؟ دیکھئے کسی تکلیف پر، یا

کسی نعمت کے فوت ہونے پر یا کسی نعمت کے زوال پر عموماً انسان کو غم ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ اگر انسان کو کسی تکلیف کے بعد کوئی بہت بڑی راحت مل جائے یا کسی نعمت کے فوت یا زائل ہونے کے بعد اس سے بہت بڑی نعمت مل جائے تو انسان کا غم غلط ہو جاتا ہے۔ اور اس پر کوئی رنج و غم باقی نہیں رہتا۔ اولیاء اللہ کو چونکہ سب سے بڑی نعمت، سب سے بڑی دولت، سب سے بڑی لذت یہ مل جاتی ہے کہ انہیں محبوب حقیقی کا وصال مل جاتا ہے۔ اسی لیے ان پر کسی تکلیف، کسی نعمت کے فوت ہونے اور کسی دولت کے برباد ہونے کا کبھی کوئی غم ہی نہیں ہوتا۔ اللہ اللہ! مسلمانو! سوچو تو سہی کہ جس کو خدا مل گیا۔ بھلا اس کو اب کس چیز کا غم ہو سکتا ہے؟ خدا کے وصال کی لذت تو کسی صاحبِ حال سے پوچھو۔ جو اپنا سب کچھ تج کر رات دن کوچۂ یار میں یہ صدا لگاتے پھرتے ہیں کہ ؎

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

برادرانِ گرامی! دُنیا کا غم تو کس شمار و قطار میں ہے؟ آخرت کا غم درحقیقت ایک بہت بڑا غم ہے۔ مگر اولیاء کو ارحم الراحمین نے آخرت کے غم سے بھی آزاد فرما دیا ہے۔ اس بارے میں بھی ایک حدیث سُن لیجئے۔

اولیاء اور آخرت

نبی آخرالزماں، خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَا ھُمْ بِاَنْبِیَآءَ وَلَا شُھَدَآءَ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالشُّھَدَآءُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ۔

یعنی خدا کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء مگر قیامت کے دن خدا کے دربار میں ان کے مراتب و درجات پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خبر دیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں۔

قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا۔

ارشاد فرمایا کہ یہ وہ قوم ہیں کہ بغیر کسی رشتہ داری کے اور بغیر کسی مال کے لین دین کے صرف اللہ کی رحمت یعنی اس کے دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے دینی محبت کرتے رہتے ہیں۔

ؔ

فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ، لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ۔

خدا کی قسم ان کے چہرے نور کے ہوں گے اور وہ نور کے اوپر ہوں گے، جب سب لوگ ڈر رہے ہوں گے اس وقت وہ بے خوف ہوں گے اور جب سب لوگ غمگین ہوں گے اس وقت وہ بے غم ہوں گے۔

ؔ

اس کے بعد آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

سن لو! اولیاء اللہ نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے (مشکوٰۃ ص ۴۲۶)

عزیزانِ ملت! دیکھ لو اولیاء کی شان کہ آخرت میں بھی وہ بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

اچھا! برادرانِ اسلام! اب اگلی آیت کا ترجمہ بھی سن لیجئے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

یعنی اولیاء وہی لوگ ہیں، جو صاحبِ ایمان اور متقی ہیں۔

مسلمانو! سن لو۔ قرآن نے بتا دیا کہ ولی کے لیے صاحبِ ایمان اور متقی یعنی پابند شریعت ہونا ضروری ہے۔ اس سے پتا چلا کہ شریعت کی مخالفت کرنے والا ہرگز ہرگز خدا کا ولی نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو! یہ قرآن اور حدیثوں کا ارشاد ہے کہ ؎

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس نے راستہ اختیار کیا وہ ہرگز کبھی بھی ولایت کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

اے سعدی! یہ محال ہے کہ بغیر پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے کوئی شخص تصوف کی راہ کو پا سکے۔

لہذا بزرگو! اور بھائیو! میں بلا خوف لومۃ لائم علی الاعلان عرض کرتا ہوں کہ اس زمانے میں جو سیکڑوں خلاف شرع پیر نظر آتے ہیں۔ اور انگارا شاہ، چنگارا شاہ، بھنڈارا شاہ جو داڑھی مونچھ منڈائے، سر گھٹائے پھرتے ہیں۔ نہ استنجا، نہ طہارت، نہ روزہ، نہ نماز گانجہ، بھنگ اور افیون کی پینک میں مست قلندر بنے پھرتے ہیں۔ اچھے خاصے ہوش وحواس میں رہتے ہوئے بھی مجذوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ شریعت کے باغی اور تصوف کے دشمن ہرگز ہرگز کبھی ولی نہیں ہو سکتے۔ ان لوگوں کی بیعت، ان سے عقیدت قطعاً حرام وناجائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی فاسق کی تعظیم کی جاتی ہے تو غضبِ خداوندی سے عرش دہل جاتا ہے۔ بہرحال اب میں آیتِ کریمہ کے آخری حصے کا بھی ترجمہ سنا کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ مولیٰ عزّ وجل نے اولیاء پر اپنے انعاموں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	ان اولیاء کے لیے دنیاوی زندگی اور آخرت
وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ	میں خوشخبریاں ہیں! اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ	یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرات! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فِی الدُّنْیَا بِالْكَرَامَةِ وَفِی الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ یعنی اولیاء کرام کے لیے دنیا میں اس طرح بشارت ہے کہ خداوند کریم ان کو دنیا میں صاحبِ کرامت بنائے گا اور آخرت میں انہیں اپنے رضوان وغفران کا شرف عطا

فرما کر جنّت میں داخل فرمائے گا۔

بہر حال یہ اولیاء کرام روئے زمین پر خدا کے فضل و احسان کا نشان ہیں۔ ان سے محبّت و عقیدت رکھنا علامتِ ایمان اور ان سے بغض و عناد سراسر خسران و حرمان کا سامان ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اولیاء کرام کی محبّت و عقیدت کی دولت سے مالامال فرمائے۔ اور دونوں جہان میں ان کے فیوض و برکات سے سرفراز فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلاغ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّد واٰلہٖ و

صحبہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین ۔

چھٹا واعظ

دعوت فلاح

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِالْهُدٰی اَرْسَلَ رُسُلَهٗ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِيِّهِ الَّذِیْ اَوْضَحَ سُبُلَهٗ ۝ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ الَّذِيْنَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ نُزُلَهٗ ۝ وَعَلٰی اَوْلِيَآئِهٖ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ فَاَصَابُوْا فَضْلَهٗ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

سَلِّمُوْا يَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَى الصَّدْرِ الْاَمِيْنِ ؛
مُصْطَفٰى مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

حضرات سامعین! سرکار نامدار، احمد مختار، شفیع روز شمار کے دربار گوہر بار

میں درود و سلام کا نذرانہ بہ آواز بلند پیش کیجئے اور پڑھیئے:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ

برادرانِ اسلام! اس وقت دنیا میں جتنے بھی ادیان و مذاہب ہیں سب کا اصلی مقصد یہی بتایا جاتا ہے کہ انسان اللہ تک پہنچ جائے۔ اور اللہ کا بندہ اللہ والا ہو جائے اور یہ واقعہ ہے کہ انسانی ترقی کی سب سے بڑی معراج یہی ہے کہ ایک انسان قربِ خداوندی کی منزل پر فائز ہو جائے۔ خدا کی قسم! اگر جمالِ الٰہی کی ایک تجلّی کسی طالبِ مولیٰ کی بندہ نوازی فرما دے۔ تو زمین و آسمان کے خزانوں کی دولتیں اس بندے کی جوتیوں پر قربان ہو جائیں۔ اور بڑے سے بڑے تاجدار اس بندے کے دربار میں اپنی مرادوں کی بھیک مانگنے کو سرمایۂ افتخار سمجھیں۔ اور اگر اس محبوب بندے کی جوتیوں کا ایک ٹکڑا بادشاہوں اور شہنشاہوں کو نصیب ہو جائے تو وہ اس کو اپنے تاج کا طرہ بنا کر اپنی سربلندی کی معراج پر وجد و رقص کریں۔ مسلمانو! اس بندے کی شان بندگی کا کیا کہنا؟ جو دیدارِ خداوندی کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہو جائے۔ سبحان اللہ! ایک انسان اور قربِ خداوندی کی معراج؟ ایک بندہ اور اس کے سر پر دیدارِ الٰہی کے شرف کا تاج یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ ہزاروں طالبانِ مولیٰ اس حسرت و تمنّا میں اپنے تخت و تاج کو لات مار کر جنگلوں اور بیابانوں میں دیوانہ وار پھرتے رہے۔ اور ایک تجلّی کے انتظار اور حسرتِ دیدار میں اپنی قیمتی جانوں کو نثار کر دیا۔ کسی طالبِ مولیٰ نے کیا خوب کہا ہے ؎

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر مری حسرت نکال دے

یعنی اے میرے خدا! تو میرا مالک ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں ہر حال میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ تجھے اختیار ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے یا مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ مگر میرے دل کی تمنّاؤں اور آرزوؤں کا مرکز اور میری حسرتوں اور ارمانوں کا

کعبۂ مقصود تو صرف اس قدر ہے کہ تو مجھے اپنے دیدارِ پرانوار کا ایک جلوہ دکھا دے۔
ایک بزرگ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم دوزخ سے اسی لیے ڈرتے ہیں اور پناہ مانگتے ہیں کہ وہ خداوند کریم کے قہر و غضب کا مقام ہے اور ہم جنّت کے مشتاق و طالب ہیں، تو صرف اسی لیے کہ وہ مولیٰ کی رضا و خوشنودی کا مقام ہے۔ بہر حال جہنّم سے بیزاری اور جنّت کی طلبگاری دونوں اسی جذبے سے ہے کہ مقصود ذاتِ باری تعالیٰ ہے!

خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس دنیا میں ہر دین و مذہب والا اپنا مقصدِ اصلی یہی بتاتا ہے کہ کس طرح انسان خدا تک پہنچ جائے؟ اور کس طریقے سے اللّٰہ کا بندہ اللّٰہ والا بن جائے؟ چنانچہ ہر دین و مذہب والوں نے اپنے اپنے نظریات کے مطابق خدا تک پہنچنے کا راستہ بتایا ہے۔ دوسرے ادیان و مذہب کے بتائے ہوئے راستے کون ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں اس وقت یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے مقدّس دین یعنی اسلام نے خدا تک پہنچنے کا جو سیدھا اور صاف راستہ بتایا وہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

برادرانِ گرامی! قرآن مجید کی جو آیت میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے، اس میں رب العالمین جل جلالہٗ نے اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اور خدا کا بندہ بارگاہِ کبریا میں کس طرح مقرب ہو کر اللّٰہ والا بن سکتا ہے۔ اس کا طریقہ کیا ہے؟

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	یعنی اے ایمان والو! تم اللّٰہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حضرات! اس آیت نے بتا دیا کہ فلاح یعنی اللّٰہ تک پہنچنے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ یہ چاروں منزلیں کون کون ہیں تو فرمایا کہ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا سب سے پہلے ایمان کی منزل ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ دوسری منزل خوفِ الٰہی ہے۔ وَابْتَغُوْٓا

اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ تیسری منزل وسیلہ ہے۔ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔

پہلی منزل ایمان

برادرانِ ملت! ایمان! یہ لفظ تو ہم اور آپ بہت زیادہ بولتے اور سنتے رہتے ہیں مگر کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ ایمان کے معنی کیا ہیں؟ مسلمانو! یہ بڑی عظمت والا لفظ ہے۔ ایمان اللہ اکبر کیا چیز ہے، ایمان! یہی ایمان ہی تو شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت تمام کمالات انسانیت کی جان ہے۔ یہی ایمان ہی تو دین محمدی کی رفیع الشان عمارت کا سنگِ بنیاد ہے۔ یہی ایمان ہی تو وہ دولت بے بہا ہے جس کی تحصیل و بقا کے لیے تمام انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے۔ خدا کی قسم! زمین و آسمان، سارے جہاں میں ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی انمول دولت ہی نہیں، مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہم مسلمان ایمان کو سمجھتے ہی نہیں اور نہ کبھی اس کی حقیقت پر غور ہی کرتے ہیں، بلکہ ہم لوگ اس لفظ کو اس قدر بے جا و بے جا استعمال کرنے لگے کہ سچ پوچھو تو یہ لفظ ہی مردہ ہو کر رہ گیا ہے۔ مسلمان بھائیو! یہ واقعہ ہے بعض الفاظ غلط استعمال سے مردہ ہو جایا کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے! ایک لفظ ہے "حق"، یہ لفظ کیسا باوزن، کس قدر جاندار اور کتنا پرمعنیٰ ہے؟ مگر آج کل اس کا استعمال اتنا غلط ہونے لگا ہے؟ کہ خدا کی پناہ! کچہری اور تھانے میں چلے جایئے! اور بالکل خلاف قانون، قطعاً غلط، بلکہ حق و انصاف کا خون کرنے والا کام کرا لیجئے۔ اس کے بعد کچہری کا پیش کار، اور تھانے کا تھانیدار، ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کہ مولانا صاحب میرا حق تو دید یجئے؟ دیکھا آپ نے؟ بے رہا ہے "ناحق"، مگر اس کا نام رکھتا ہے "حق"، بتایئے! لفظ حق جب غیر معنی میں استعمال ہوا تو یہ لفظ مر گیا یا نہیں؟ بالکل یہی حال لفظِ ایمان کا ہے، ایک چار سو بیس، پکا ابلیس، کافر اگر اتفاق سے اس نے کسی سودے کا دام ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ تو ہم کہنے لگتے ہیں کہ یہ بڑا ایماندار ہے سبحان اللہ! کافر اور ایماندار؟ کہیئے؟ لفظ "ایمان" مر گیا یا نہیں؟ بھلا سوچئے تو سہی کہ کہاں کفر، اور کہاں ایمان؟

برادرانِ ملت! اصل بات یہ ہے کہ ہم لفظِ ایمان کی عظمتِ شان سے واقف ہی نہیں۔ اور ہمارا ذہن اسلامی اس لفظ کے مفہوم و معانی کی لذتوں سے ذوق آشنا ہی نہیں۔ اس لیے بڑی ضرورت ہے کہ پہلے ایمان کے معنی سمجھ لیجئے۔ سنیے! ایمان عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ ہے "مان لینا" قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے کہ:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی اللہ و رسول کو مان لو!

حاضرین کرام! اللہ و رسول کو جان لینا اور پہچان لینا۔ یہ اور بات ہے اور جان پہچان کر پھر دل سے مان لینا یہ اور بات ہے۔ یاد رکھئے کہ اللہ و رسول کو صرف جان پہچان لینے سے ہرگز ہرگز کوئی مومن اور صاحبِ ایمان نہیں ہوتا۔ مومن اور صاحبِ ایمان تو اللہ و رسول کو مان لینے سے ہوا کرتا ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ یعنی یہود و نصاریٰ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے تھے

مگر یہود و نصاریٰ مومن اور صاحبِ ایمان ہوئے نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ رسول کو صرف جانتے پہچانتے تھے مانتے نہیں تھے۔ تو میرے بزرگو اور بھائیو! اچھی طرح سمجھ لو کہ ایمان نام ہے اللہ و رسول کو مان لینے کا اور یہ مان لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ماننے والے کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ مان لیا تو پھر مان لیا۔ ماننے والا جب کسی کو مان لیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو برگشتہ نہیں کرسکتی۔ پروانہ شمع کو مان گیا ہے۔ بلبل پھول کو مانے ہوئے ہے چکور چاند کو ماننے والا ہے۔ تو کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت ہے؟ جو پروانے کو شمع سے متنفر کردے۔ جو بلبل کو پھول کی محبت سے توبہ کرادے؟ کیا دنیا میں کسی کو یہ قدرت ہے کہ چاند دیکھ کر چکور کی مستانہ اڑان کو روک دے؟ نہیں ہرگز نہیں! تو پھر سمجھ لو کہ اللہ و رسول کے ماننے والے کی شان اور اس کی آن بان کا کیا عالم

ہو گا؟ ہزاروں آندھیاں چلیں، سینکڑوں طوفان آئیں، زمین پھٹ جائے، آسمان ٹوٹ جائے مگر کیا مجال ہے کہ ایک مومن کا اللہ و رسول کے ساتھ رشتۂ ایمان ٹوٹ جائے، مومن اپنا تخت و تاج، اپنی بادشاہی و شہنشاہی، اپنا مال، اپنی اولاد، اپنی جان ہر چیز قربان کر دے گا۔ مگر اللہ و رسول سے اپنی والہانہ گرویدگی جس کا نام ایمان ہے ہرگز ہرگز ایک سچا مسلمان اس کو برباد کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ بڑے سے بڑا خوف بڑی سے بڑی امیدیں اور لالچ بھی ایک صاحبِ ایمان کے قدم کو متزلزل نہیں کر سکتیں، صحابہ کرام کی مقدس پیٹھوں پر کوڑے برسائے گئے۔ چٹائیوں میں لپیٹ کر ان کے ناکوں میں دھوئیں پہنچائے گئے، انگاروں پر لٹائے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے مگر زمین و آسمان گواہ ہے خدا گواہ ہے کہ باوجودیکہ ان کے ایمان کو برباد کرنے کے لیے کافروں نے ہر قسم کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر یہ اللہ و رسول کے ماننے والے اور توحید و رسالت کے متوالے ایک بال کے کروڑویں حصے کے برابر بھی جادۂ ایمان سے منحرف نہیں ہوئے بلکہ صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر اپنے ایمان پر قائم رہے۔

عبداللہ بن حذافہ کی استقامت

حضرات! مجھے اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ کا دل ہلا دینے والا عبرت آموز واقعہ یاد آگیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی اسّی مجاہدین کے ساتھ جنگِ شام میں رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ہرقل بادشاہ روم نے عبداللہ بن حذافہ کو طرح طرح کا لالچ دے کر ورغلایا بلکہ یہاں تک کہا کہ اے عبداللہ! اگر تم عیسائی دین قبول کر لو تو میں اپنی چہیتی بیٹی سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ اور اپنی آدھی سلطنت کا تم کو بادشاہ بنا دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ نے انتہائی حقارت کے ساتھ ہرقل کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اور فرمایا کہ اے ہرقل! تیری بیٹی اور تیری آدھی بادشاہت تو کیا چیز ہے؟ میرے ایمان کا تو یہ جذبہ ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہی کو میں اللہ و رسول کی محبت پر قربان کرتا ہوں۔ بادشاہ نے انتہائی برہم ہو کر دھمکی دی اور کہا کہ اے عبداللہ! اگر تم نے عیسائی دھرم قبول نہیں کیا تو میں تم سب لوگوں کو کڑاہی

میں کھولتے ہوئے تیل کے اندر ڈال کر جلادوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اے ہرقل! تیری ایسی لاکھوں دھمکیاں بھی ہمیں دینِ محمدی سے نہیں ہٹا سکتیں۔ اور تو کان کھول کر سُن لے! کہ جب تک ہمارے جسم میں خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس باقی رہے گی ہم اسلام پر قائم رہیں گے اور ہرگز ہرگز ہم کبھی بھی نصرانیوں کا دین قبول نہیں کر سکتے۔ عبداللہ بن حذافہ کی تقریر سن کر ہرقل مارے غصّے کے سُرخ ہوگیا اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں تیل ڈال کر پکایا جائے اور اسی کھولتے ہوئے تیل میں ان مجاہدین اسلام کو ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جب دیگ میں تیل کھولنے لگا تو ہرقل نے کہا کہ پہلے قید خانے سے ایک مجرم کو لا کر عبداللہ بن حذافہ کے سامنے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دو۔ چنانچہ ایک قیدی کو لایا گیا اور کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایک لمحہ میں اس طرح جل بھُن گیا کہ ہڈیوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حذافہ کو جلادوں نے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنا چاہا تو عبداللہ بن حذافہ رونے لگے۔ ہرقل نے پوچھا کہ تم روتے کیوں ہو؟ آپ نے فرمایا اے ہرقل! تم ہرگز ہرگز کبھی یہ گمان نہ کرنا کہ میں جان کے ڈر سے رو رہا ہوں۔ توبہ توبہ حاشا و کلّا! اے ہرقل میں تو اس وقت اس خیال سے رو پڑا کہ افسوس! میری ایک ہی جان ہے جو راہِ مولیٰ میں قربان ہو رہی ہے۔ حیف صد حیف! کہ دربارِ خداوندی میں یہ میرا کتنا حقیر تحفہ ہے۔ کاش مجھے ہزاروں لاکھوں جانیں ملی ہوتیں اور میری ہر ایک جان اسی طرح میرے مولیٰ کی راہ میں قربان ہو جاتی تو شاید میرے لیے رضائے الٰہی کا کچھ سامان ہو جاتا۔ بادشاہ حضرت عبداللہ کے استقلال سے حیران اور اس کی تقریر سے انتہائی متاثر و متعجب ہوگیا۔ اور جلادوں کو حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کو کچھ دنوں اور مہلت دی جائے اور ان لوگوں کو جیل خانوں میں بند کر دو۔ اتنے میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم کا مشہور فرمان ہرقل کے نام آگیا کہ اے ہرقل میرا یہ خط ملتے ہی تو عبداللہ بن حذافہ سہمی کو رہا کر دے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرے لیے بہتر ہوگا۔ ورنہ میں تیرے پاس ایسے جوانمردوں کا لشکر بھیجدوں گا جنہیں کوئی بیوپار اور تجارت ذکرِ الٰہی اور نماز سے روک نہیں سکتی۔ ہرقل حضرت فاروق کے فرمان والا شان

کو پڑھ کر خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ اور عبداللہ بن حذافہ کو اسی مجاہدین کے ساتھ رہا کر دیا۔ (اسد الغابہ)

مسلمانو! دیکھ لو۔ ایمان پر استقامت کی بدولت عبداللہ بن حذافہ کی جان بھی بچ گئی اور ان کا ایمان بھی سلامت رہا۔

مجاہد دولہا اور جنّتی باراتی

حضرات گرامی! مجاہدین کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنے کا ذکر آ گیا تو مجھے تین دوسرے بھی مجاہدین اسلام کا واقعہ یاد آ گیا۔ ملک شام کے تین بھائی جو اعلیٰ درجے کے بہادر سوار اور بہترین مجاہد تھے۔ رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ بادشاہ روم نے ان تینوں کی نوجوانی اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر کہا کہ تم لوگ اگر نصرانی ہو جاؤ تو میں اپنی شہزادیوں سے تمہارا نکاح کر دوں گا۔ اور تم تینوں کو بادشاہت بھی عطا کر دوں گا۔ ان تینوں بھائیوں نے انکار کر دیا تو تین دیگوں میں بادشاہ نے روغن زیتون پکانے کا حکم دیا۔ تین دن تک تیل کھولتا رہا۔ اور روزانہ ان تینوں کو دکھایا جاتا رہا کہ یا تو نصرانیت قبول کر لو یا اس کھولتے ہوئے تیل میں غوطہ لگاؤ۔ مگر یہ ایمان کے مجسّمے پہاڑوں کی طرح ایمان پر مستقیم رہے۔ پہلے بڑے بھائی کو ظالموں نے تیل میں ڈالا۔ پھر منجھلے بھائی کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈبو دیا اور دونوں بھائیوں نے یا محمداہ کا نعرہ لگاتے ہوئے کھولتے ہوئے تیل میں غوطہ مارا اور شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ جب چھوٹے بھائی کو دیگ کے قریب لایا گیا تو بادشاہ کے ایک درباری کو رحم آ گیا۔ اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ اس کو چالیس دنوں کی مہلت دیدیجئے۔ میں اس کو بہلا پھسلا کر نصرانی بنا لوں گا۔ درباری اس مجاہد کو اپنے گھر لایا اور اپنی خوبصورت جوان لڑکی کو اس کے پاس رکھ دیا تاکہ وہ لڑکی اس مجاہد کو اپنے حُسن پر فریفتہ کر کے اس کو نصرانی بنا لے۔ مگر یہ متقی مجاہد دن بھر روزہ رکھتا اور ساری رات نوافل پڑھتا۔ درباری کی لڑکی اس مجاہد کے تقویٰ اور عبادت سے اس قدر متاثر ہو گئی کہ وہ اس مجاہد پر خود عاشق ہو گئی اور کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئی اور رات کو دو گھوڑے لا کر مجاہد سے کہا کہ چلو ہم دونوں اس شہر سے

دور نکل جائیں اور وہاں ہم نکاح کر کے ایک ساتھ رہیں۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں سے اس طرح نکل گئے کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں ایک رات چلے جارہے تھے کہ چند سواروں کے گھوڑا دوڑانے کی آواز آئی۔ مجاہد نے قریب پہنچ کر دیکھا تو اس کے وہ دونوں بھائی تھے جو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیئے گئے تھے اور ان کے ساتھ چند فرشتوں کی جماعت بھی تھی۔ مجاہد نے اپنے دونوں بھائیوں کو سلام کیا۔ اور حال دریافت کیا تو وہ دونوں کہنے لگے کہ بس ہم نے تیل میں ایک غوطہ لگایا۔ اس کے بعد ہم جنّت الفردوس میں پہنچ گئے۔ اور اب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے یہاں آئے ہیں تاکہ اس نیک لڑکی کے ساتھ تمہارے نکاح میں شرکت کریں۔ چنانچہ دونوں شہید بھائیوں نے فرشتوں کے ساتھ نکاح میں شرکت کی اور پھر روانہ ہو گئے اور یہ دولہا دولہن سلامتی کے ساتھ ملک شام میں پہنچ گئے۔ (شرح الصدور)

مسلمانو! دیکھو یہ ہے ایمان کی شان کہ کھولتے ہوئے تیل میں یا محمداہ کا نعرہ لگاتے ہوئے کود پڑے اور جنّۃ الفردوس میں پہنچ گئے۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ آج کا مسلمان اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ایک کرسی کے لیے قرآن کی آیۃ الکرسی کو بیچ ڈالتا ہے۔ صرف حکومت کی خوشنودی کے لیے کفّار و مشرکین کے مرگھٹوں پر پھول چڑھاتا پھرتا ہے اور اسلامی شعائر کو کفّار و مشرکین کے چشم و ابرو کے اشاروں پر برباد و غارت کر رہا ہے۔ آہ آہ مسلمانو! کہاں ہمارے ان اسلاف جیسے مجسمۂ ایمان؟ اور کہاں آج کل کے غارت گر ایمان؟ افسوس ہائے افسوس ؎

ہائے گزری ہوئی شوکت مرے ایمانوں کی!
گردنیں خم تھیں کلیسا کے نگہبانوں کی!
کیا قیامت ہے کہ اب ناقہ سواران عرب
پیروی کرتے ہیں کفّار حُدی خوانوں کی
اَب خدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے!
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

بہر حال برادرانِ ملت! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دربارِ خداوندی میں رسائی کی چار منزلوں میں سے پہلی منزل ایمان ہے۔ یاد رکھیئے کہ کوئی بے ایمان ہرگز ہرگز خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہٰذا مسلمان بھائیو! اگر خدا تک پہنچنے کی آرزو ہے تو پہلے صاحبِ ایمان اور کامل الایمان مسلمان بن جائیے!

دوسری منزل خوفِ الٰہی

بہر حال ایمان کے بعد دوسری منزل کیا ہے؟ اب اس کو بھی سن لیجئے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

اِتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی تم لوگ خدا سے ڈرو۔

سبحان اللہ! خوفِ خداوندی کا کیا کہنا؟ مسلمان بھائیو! یاد رکھو کہ ہر نیکی کا سرچشمہ خدا سے ڈرنا ہے اور ہر گناہ کا سرچشمہ خدا سے نہ ڈرنا ہے۔ جو خدا سے ڈرے گا وہ رات کے اندھیرے میں بند کوٹھری کے اندر بھی گناہ سے بچے گا۔ اور نیک عمل کرے گا اور جس کے دل میں خوفِ الٰہی نہیں ہوگا۔ وہ مکان میں، میدان میں، تنہائی میں، مجمع میں ہر جگہ گناہ کرے گا۔ اور کہیں بھی نیک عمل نہیں کرے گا۔

مسلمانو! خوفِ الٰہی کا بڑا مرتبہ ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

یعنی جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو نفسانی خواہشوں سے روک لیا تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے!

صاحبو! بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگلی امتوں میں ایک ایسا مومن تھا جس نے اپنے لڑکوں سے مرتے دم وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور میری راکھ کو کچھ دریاؤں میں ڈال دینا اور کچھ خشکی میں اڑا دینا۔ چنانچہ اس کے لڑکوں نے یہی کیا لیکن فوراً ہی پروردگارِ عالم نے اس کے جسم کے تمام ذرات کو جمع کر دیا اور اس سے دریافت فرمایا کہ اے میرے بندے! تو نے ایسی وصیت

کیوں کی تھی؟ تو اس بندۂ مؤمن نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا تھا۔ میں نے اپنی ناقص عقل سے یہ سمجھا تھا کہ اگر میرے جسم کے ذرّات اس طرح بکھر جائیں گے تو پھر میں خدا کے دربار میں حاضری سے بچ جاؤں گا۔ ارحم الراحمین نے فرمایا کہ اے میرے بندے! تیرے اس خوفِ الٰہی کی وجہ سے میں نے تجھ کو بخش دیا۔

(مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

برادرانِ اسلام! خوفِ الٰہی کا رتبہ سُننا چاہتے ہو تو حضرت امام غزالی سے پوچھو جو شریعت و طریقت دونوں سمندروں کے پیراک، اور جامع الفریقین و مجمع البحرین ہیں۔ وہ اپنی کتاب منہاج العابدین میں تصوّف کے چار درجات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ مَوْتٰی اِلَّا الْعُلَمَاءَ۔

یعنی تمام انسان مردہ ہیں زندہ صرف وہی لوگ ہیں جن کے سینوں میں علم نبوّت کی روح ہے۔

وَالْعُلَمَاءُ کُلُّھُمْ نِیَامٌ اِلَّا الْعٰمِلِیْنَ ۝

اور علماء اگرچہ زندہ ہیں مگر سب سو رہے ہیں جاگتے صرف وہی علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل بھی کرتے ہیں۔

وَالْعٰمِلُوْنَ کُلُّھُمْ فِیْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِیْنَ ۝

اور عمل کرنے والے بھی سب کے سب گھاٹے میں ہیں۔ نفع اٹھانے والے صرف وہی لوگ ہیں جن کے عمل میں اخلاص بھی ہے۔

وَالْمُخْلِصُوْنَ کُلُّھُمْ عَلٰی خَطَرٍ اِلَّا الْخَآئِفِیْنَ ۝

اور عمل میں اخلاص رکھنے والے بھی سب کے سب خطرے میں رہتے ہیں۔ تمام خطرات سے نجات پانے والے وہی ہیں جو علم و عمل و اخلاص کے باوجود خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

تصوّف کے چار درجات

برادرانِ ملت! حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ تصوّف کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ علم شریعت ہے۔ اس کے اُوپر دوسرا درجہ عمل ہے۔ اس کے اُوپر تیسرا درجہ اخلاص ہے اس کے اوپر چوتھا درجہ خوف ہے۔

مسلمان بھائیو! اب ذرا ان درجات کی تھوڑی سی تفصیل بھی سنتے چلئے۔ سب سے پہلا درجہ علم شریعت ہے۔

علم

امام غزالی نے فرمایا کہ:

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ مَوْتیٰ اِلَّا الْعُلَمَآءُ — یعنی علماء کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں۔

بھائیو! یہ سمجھنے کی بات ہے کہ لوگ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ سوتے جاگتے بھی ہیں چلتے پھرتے بھی ہیں مگر پھر بھی سب کے سب مردہ ہیں۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ کھانے پینے سونے جاگنے اور چلنے پھرنے کا نام ایمانی زندگی نہیں ہے۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا چلنا، پھرنا یہ تو حیوانی زندگی کے آثار ہیں، ایمانی زندگی تو درحقیقت دل کی زندگی ہے جس کو کسی صاحبِ دل نے خوب کہا ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اور یہ دل کی زندگی جو ایمانی زندگی ہے۔ درحقیقت اس کی روح علمِ نبوّت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے فرمایا کہ:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ — کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

نہیں ہرگز نہیں کیونکہ علم والے زندہ ہیں اور بے علم مُردہ ہیں اور زندہ و مردہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا خوب سمجھ لیجئے کہ بغیر علم نبوّت کے دل کی زندگی محال ہے اور یہی وجہ ہے کہ تصوّف کا سب سے پہلا درجہ علم ہے۔ چنانچہ کسی عارف نے کہا ہے ؎

علم ہی جب نہیں تم ہیں تو عمل کیا ہوگا
جس خیابان میں شجر ہی نہیں پھل کیا ہوگا

عمل اب علم کے اُوپر دوسرا درجہ عمل کا ہے جس کو امام غزالی نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ:

وَالْعُلَمَاءُ كُلُّهُمْ نِيَامٌ إِلَّا الْعَامِلِيْنَ ○ — یعنی تمام علماء سورہے ہیں۔ بیدار صرف وہی علماء ہیں جو عمل کرنے والے ہیں۔

علم کے بعد عمل بڑی اہم چیز ہے اور بے عمل عالموں کے لیے بڑی زبردست وعیدیں ہیں۔ قرآن مجید میں بے عمل عالموں کی بڑی عبرت خیز مثال بیان فرماتے ہوئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا — یعنی جن لوگوں کو توریت کا علم دیا گیا پھر ان لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابوں کا بوجھ اپنے اُوپر لادے ہوئے ہے۔

حضرت شیخ سعدی اسی آیت کے مضمون کا کتنے حسین پیرایہ میں ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چو عمل در تو نیست نادانی

یعنی تم کتنا ہی زیادہ سے زیادہ علم پڑھ لو لیکن اگر تم میں عمل نہیں ہے تو تم بے علم و نادان ہی ہو ؎

نہ محقق بود نہ دانش مند
چار پائے برو کتابے چند

نہ تم محقق ہو سکتے ہو۔ نہ تم دانشمند کہلا سکتے ہو بلکہ تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی چوپائے کے اُوپر چند کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

آں تہی مغز را چہ علم و خبر
کہ برو ہیزم است یا دفتر

اس خالی مغز چوپائے کو کچھ علم و خبر نہیں ہے کہ اس کی پیٹھ پر لکڑی لدی ہوئی ہے یا کتابوں کا دفتر ہے۔

بزرگانِ ملت! اس بے عملی اور بد اعمالی کے دور میں علماء حق کے نمونے میں تمہیں کہاں سے دکھاؤں جو علومِ نافعہ و اعمالِ صالحہ کے خزانوں کی دولت سے مالا مال تھے!

چند با عمل علماء حق

حضرات! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باوجودیکہ درس فقہ و حدیث اور فتاویٰ کی بے پناہ مصروفیات تھیں پھر کپڑوں کی تجارت کا مشغلہ بھی تھا، صاحب اہل و عیال بھی تھے۔ مگر چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے اور ساری رات نوافل میں مشغول رہتے تھے۔ جیل خانہ کی جس کوٹھڑی میں آپ کی وفات ہوئی اس میں آپ نے سات ہزار ختم قرآن مجید پڑھا، عمر بھر نہ کبھی جھوٹ بولے نہ کسی کی غیبت کی۔ نہ کوئی مشتبہ لقمہ کھایا۔

امام احمد بن حنبل حدیث شریف کا درس دیتے تھے اور فتاویٰ لکھتے تھے۔ ان مصروفیتوں کے باوجود روزانہ بلاناغہ تین سو رکعت نفل نمازیں پڑھتے تھے۔ ابوبکر بن محمد انصاری نے چالیس برس تک رات میں بستر سے پیٹھ نہیں لگائی۔ تمام رات نوافل پڑھتے اور اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ ان کی پیشانی اور ناک پر سجدوں کا بہت نمایاں نشان پڑ گیا تھا۔ ابوبکر بن عیاش کوفی کے انتقال کے وقت ان کی صاحبزادی رونے لگیں، تو فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! تم کیوں روتی ہو؟ کیا تم ڈرتی کہ تمہارے باپ کو عذاب دیا جائے گا؟ اے نورِ نظر! تمہیں کیا خبر! کہ میں نے اپنے مکان کے صرف ایک کونے میں چوبیس ۲۴ ہزار ختم قرآن مجید پڑھا ہے۔ بشر بن مفضل روزانہ چار سو رکعت نفل پڑھتے تھے، اور تمام عمر صوم داؤدی کے پابند رہے۔ یعنی ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے۔ ثابت بن اسلم بنانی رات بھر نوافل پڑھتے۔ اور روزانہ ایک ختم

قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے اور ہمیشہ روزہ دار بھی رہتے اور صبح کو یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر تو کسی بندے کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائے تو مجھ کو ضرور یہ توفیق دینا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھتا رہوں۔ چنانچہ آپ کی دعا مقبول ہوئی کہ آپ کے دفن کے بعد اچانک نیچے سے ایک اینٹ ٹوٹ گئی اور قبر میں سوراخ ہو گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ تو آپ کی مشہور کرامت ہے کہ مدتوں آپ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز ہزاروں انسان سنتے رہے (ان واقعات کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب اولیاء رجال الحدیث پڑھو)

برادرانِ اسلام! علمائے سلف کیسے عالم باعمل تھے اگر اس کے نمونے آپ کو سناتا رہوں تو رات ختم ہو جائے گی مگر بات ختم نہیں ہوگی۔

اخلاص

اچھا اب تصوف کا تیسرا درجہ اخلاص ہے۔ اس کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ فِيْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِيْنَ ۝ یعنی علم بھی پڑھا، عمل بھی کیا، مگر پھر بھی سراسر نقصان ہی نقصان میں رہیں گے۔ نفع میں صرف وہی عمل کرنے والے رہیں گے جن کے عمل میں اخلاص بھی ہو۔ عمل کی مقبولیت کے لیے اخلاص شرط ہے۔ بغیر اخلاص کے کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہی نہیں ہوتا۔ اخلاص کیا ہے؟ محترم سامعین! اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے مکر و ریا کے لیے یا شہرت یا لذتِ نفس کے لیے جو عمل کیا جاتا ہے، وہ ہرگز خدا کے دربار میں مقبول نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے اس طرح اخلاص کا حکم فرمایا کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

یعنی اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

ایک قاری، ایک سخی، ایک شہید

برادرانِ اسلام! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آگئی۔ یہ وہ حدیث ہے

کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور قال رسول اللہ کہا تو دہشت و ہیبت سے بیہوش ہو گئے اسی طرح تین مرتبہ قال رسول اللہ کہا اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب سنبھلے تو یہ حدیث بیان فرمائی کہ قیامت کے دن ایک قاری، ایک سخی، ایک شہید دربار خداوندی میں پیش ہوں گے۔ خداوند عالم قاری سے سوال کرے گا کہ اے میرے بندے میں نے تجھ کو اپنی قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟ قاری عرض کرے گا کہ خداوندا! میں نے علم پڑھا، دوسروں کو پڑھایا، تبلیغ کی۔ پھر خداوند عالم فرمائے گا کہ اچھا! اے میرے بندے! اتنا اور بتا دے کہ یہ ساری خدمات تو نے میری رضا کے لیے کی تھی۔ یا اس لیے تو نے یہ کارنامے انجام دیئے تھے کہ دنیا میں لوگ تجھے قاری کہیں گے؟

قاری عرض کرے گا کہ الٰہی واقعہ تو یہی ہے کہ میری نیت یہ تھی کہ لوگ مجھے قاری کہیں گے۔ خداوند قہار و جبار فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تیری یہ مراد تو میں نے دنیا ہی میں پوری کر دی کہ ہر شخص سے تجھ کو قاری کہلا دیا۔ اب میرے دربار میں تیرے لیے کوئی جزا نہیں ہے۔ اور یہ شخص منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا

پھر سخی سے خداوند عالم سوال فرمائے گا کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا! تو وہ عرض کرے گا! اے میرے پروردگار میں نے ہر نیک کام میں اپنی دولت خرچ کی ہے۔ مالکِ عالم فرمائے گا کہ اتنا اور بتا دے کہ تیری نیت کیا تھی؟ میری رضا کے لیے سخاوت کرتا تھا یا اس نیّت سے تو سخاوت کرتا تھا کہ دنیا والے تجھے سخی کہیں گے۔

سخی عرض کرے گا کہ الٰہی! میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھے سخی کہیں گے۔ خلّاق عالم فرمائے گا کہ تیری یہ مراد تو میں نے دنیا میں پوری کر دی۔ ہر چھوٹے بڑے سے تجھے سخی کہلا دیا۔ اب تیرے لیے میرے دربار میں کوئی جزا نہیں ہے۔ اور یہ شخص بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ پھر شہید سے رب العزت یہی سوال فرمائے گا! کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار میں نے جہاد کیا! اور تیری راہ میں لڑتے لڑتے اپنے خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی

آخری سانس قربان کر کے شہید ہو گیا۔ مالک الملک اس سے فرمائے گا کہ میری رضا کے لیے سر کٹایا تھا۔ یا دنیا میں بہادر کہلانے کی نیت تھی؟ شہید اقرار کرے گا کہ الٰہ العالمین! واقعی میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھ کو بہادر کہیں گے۔ رب بے نیاز فرمائے گا کہ تیری جو نیت تھی وہ تو میں نے دنیا ہی میں پوری کر دی کہ اپنے بندوں سے تجھ کو بہادر کہلا دیا۔ اب تیرے لیے میرے یہاں کوئی جزا نہیں ہے۔ اور قہار و جبار حکم فرمائے گا کہ اے فرشتو! اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دو۔

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ قاری، سخی، شہید تینوں اپنے اپنے اعمالِ صالحہ کے باوجود اس لیے جہنم میں ڈالے گئے کہ ان کے اعمال میں اخلاص نہیں تھا۔ بلکہ یہ لوگ ریاکاری اور شہرت کے طالب تھے۔ اسی لیے امام غزالی نے فرمایا کہ:

وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ فِيْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِيْنَ ○	یعنی عمل کرنے والے بھی گھاٹے میں ہیں انہیں لوگوں کا عمل نفع بخش ہوگا جن کے اعمال میں اخلاص بھی ہوگا۔

شیرِ خدا کا اخلاص

حضرات! صحابہ کرام اپنے اعمال میں کیسے پیکرِ اخلاص تھے؟ اس کا بھی ایک نمونہ دیکھ لیجئے۔ فاتح خیبر علی حیدر شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ میدانِ جہاد میں ایک کافر پہلوان کے مقابلے کے لیے نکلے۔ پہلوان نے آپ پر تلوار سے دو خطرناک وار کیے مگر اس کے دونوں وار خالی گئے۔ اب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے حملہ کی باری تھی۔ آپ نے ذوالفقار کی ایک چمکی دی اور ناگہاں حریف کا پٹکا پکڑ کر جو ایک جھٹکا دیا تو پہلوان بدحواس ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ آپ جھپٹ کر اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قدرت پکار اٹھی کہ ؎

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ اِلّا علی لا سیف الا ذوالفقار

آپ نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ فرمایا کہ اتنے میں اس بدنصیب نے کیا

حرکت کی؟ توبہ نعوذ باللہ! مولائے روم فرماتے ہیں ؎

او خیو انداخت بر روئے علی!
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی؛

اس ظالم نے شیرِ خدا کے اس مقدس چہرے پر تھوک دیا جس چہرے پر تمام انبیاءؑ کو بھی فخر ہے کہ علی جیسا دُلدل سوار ہمارا فرمانبردار ہے، اور تمام اولیاء کو بھی فخر ہے کہ علی جیسا سیدالاولیاء ہمارا مولیٰ ہے۔ جونہی اس نے آپ کے چہرے پر تھوکا۔ آپ نے تلوار کو میان میں رکھ کر فرمایا کہ جا! اب میں تجھ کو قتل نہیں کروں گا۔ پہلوان حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ اے علی! میں اس فلسفے کو نہیں سمجھ سکا کہ تم نے مجھ جیسے دشمنِ اسلام کو قابو میں پاکر اس طرح کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ افسوس! تو نے اسلام کو نہیں سمجھا اگر تو اسلام کے فلسفۂ عمل کو سمجھ لیتا تو ہرگز ہرگز کبھی تو اسلام کے خلاف تلوار نہ اٹھاتا سُن! جب میں گھر سے جہاد کے لیے نکلا تھا تو صرف رضائے مولا کے لیے۔ جب میں تیرے حملوں کو روک رہا تھا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے۔ جب تیرا سر کاٹنے کے لیے تیرے سینے پر بیٹھا تھا تو صرف رضائے مولا کے لیے۔ لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میں بھی آخر انسان ہوں، اس وقت میرا کیا حال ہو گیا؟ سُن!

چوں تو خیو انداختی بر روئے من
نفس جنبید و تبہ شد خوئے من

جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے نفس میں جوشِ انتقام پیدا ہو گیا اور میرا حال بدل گیا۔ اب اس حال میں اگر تجھ کو قتل کر دیتا تو:

نیم بہر حق شدے نیمے ہوا
شرکت اندر کارِ حق نبود روا

تیرا قتل آدھا تو خدا کی رضا کے لیے ہوتا...... اور آدھا میرے نفس کے لیے ہو جاتا اور خدا کے کام میں یہ شرک جائز نہیں ہے۔ اس لیے مسلمان کا ہر عمل صرف خدا کی رضامندی کے لیے ہونا چاہیئے۔

سبحان اللہ! حضرات! شیرِ خدا کی اس ایمان افروز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پہلوان کے دل و دماغ میں ایمان کا نور جگمگا اٹھا۔ اس نے اپنی تلوار سے اپنے زنار کو کاٹ کر پھینک دیا۔ اور کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ اے علی! گواہ رہنا کہ میری یہ تلوار جو اسلام کے خلاف میان سے نکلی تھی، اب تمام عمر یہ تلوار اسلام کی نصرت اور حمایت کے لیے بے نیام رہے گی۔

حضرات! دیکھ لیجئے! یہ ہے اخلاص عمل کی تاثیر کا جلوہ! مگر بھائیو! آجکل اخلاص کہاں؟ اس زمانے کا مسلمان جو بھی عمل کرتا ہے اس میں نام و نمود اور شہرت و ریا کا شائبہ ضرور ہو جاتا ہے۔

حاجی عبدالکریم نمازی عبدالرحیم

آج کل تو وہی بات ہے کہ بمبئی میں ایک صاحب نے کسی سے پوچھا کہ تمہارا بھائی نام کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ "حاجی عبدالکریم"، پھر اس نے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف؟ تو یہ بولا کہ میرا نام ہے "نمازی عبدالرحیم"، حاجی عبدالکریم نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ بھائی! یہ نمازی عبدالرحیم کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اجی! تم نے بلیک مارکیٹ کے پیسے سے ایک مرتبہ حج کر لیا تو کہتے ہو حاجی، لکھتے ہو حاجی، سائن بورڈ پر حاجی، یہاں تک کہ اپنا نام بتاتے ہو تو اسمیں بھی حاجی کا پخّر لگاتے ہو۔ اور میں روزانہ دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں تو میں نے اگر اپنے نام کے ساتھ نمازی کا ٹائیٹل لگا لیا تو کون سا گناہ ہو گیا؟ جو نمازی عبدالرحیم سن کر آپ کے کان کھڑے ہو گئے۔

ایک عابد اور شیطان

حضرات! ایک دلچسپ واقعہ سنئے! ایک گاؤں کے کچھ لوگ شیطان کے ورغلانے سے ایک درخت کی پوجا کرنے لگے۔ اس گاؤں میں ایک بہت بڑے عابد رہتے تھے۔ انہیں جلال آگیا اور کلہاڑی لے کر اس درخت کے کاٹنے کے لیے چل پڑے۔ راستے میں شیطان ان سے لڑنے لگا کہ میں ہرگز اس درخت کو کاٹنے نہیں دوں گا۔ عابد صاحب اور شیطان میں کشتی ہونے لگی۔ اور عابد صاحب نے کئی مرتبہ شیطان کو پچھاڑ۔ آخر

شیطان عاجز ہو کر کہنے لگا کہ حضرت! آپ کیوں اس درخت کو کاٹنے کی زحمت اٹھا رہے ہیں؟ آپ اپنے عبادت خانے میں تشریف لے جائیے، میں روزانہ آپ کے مصلّے کے نیچے ایک اشرفی رکھ دیا کروں گا۔ آپ اس سے اپنی سحری اور افطاری کا انتظام بھی کیجئے۔ اور خیرات بھی کرتے رہیئے اور سکونِ قلب کے ساتھ خدا کی عبادت بھی کرتے رہیئے۔ عابد صاحب ایک اشرفی کا نام سُن کر لالچ کے پھندے میں گرفتار ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ ایک ہفتہ تک تو شیطان ان کے مصلّے کے نیچے اشرفی رکھتا رہا۔ پھر اشرفی رکھنا بند کر دیا۔ عابد صاحب روز مصلّیٰ جھاڑتے رہے مگر اشرفی ندارد۔ اب پھر عابد صاحب کو جلال آیا۔ اور شیطان کی وعدہ خلافی پر آگ بگولہ ہو کر کلہاڑی اٹھائی اور درخت کاٹنے کے لیے چل پڑے۔ راستہ میں شیطان ملا۔ عابد صاحب غصہ میں تھے ہی شیطان کو دیکھتے ہی بدن میں آگ لگ گئی اور شیطان کو پچھاڑنے کے لیے جھپٹے تو شیطان نے عابد کو اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹخا کر ان کا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا۔ عابد صاحب بار بار شیطان سے لڑتے رہے۔ مگر ہر مرتبہ شیطان ان کو پچھاڑتا رہا۔ جب عابد صاحب حیران ہو گئے تو شیطان کہنے لگا کہ حضرت جی! اب خیریت اسی میں ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں جا کر حق ہو کرتے رہیئے، پہلی مرتبہ آپ مجھ پر اس لیے غالب آ گئے تھے کہ آپ اخلاص کے ساتھ محض خدا کی رضا کے لیے درخت کو کاٹنے جا رہے تھے اب آپ میں اخلاص نہیں رہا۔ اب تو آپ اس لیے درخت کو کاٹنے جا رہے تھے کہ میں نے آپ کو اشرفی نہیں دی۔ یاد رکھیے کہ صرف اخلاص والے بندے ہی شیطان پر غالب ہو سکتے ہیں۔ اب آپ میں اخلاص نہیں رہا تو آپ ہرگز ہرگز شیطان پر غالب نہیں ہو سکتے۔

برادرانِ ملت! حقیقت تو یہی ہے کہ بغیر اخلاص کے عمل بیکار ہے۔ مگر آجکل اخلاص کہاں؟ جس کو دیکھئے نام و نمود اور شہرت کا بھوکا ہے!

خوفِ خداوندی

خیر اچھا اب تصوف کا آخری اور سب سے بلند درجہ بھی سن لیجئے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ: وَالْمُخْلِصُوْنَ کُلُّھُمْ عَلٰی خَطَرٍ اِلَّا الْخَائِفِیْنَ ہ یعنی علم و عمل اور اخلاص کے باوجود بھی مسلمان خطروں میں گھرا ہوا ہے کہ کہیں یہ سب غارت نہ ہو جائے خطرہ سے محفوظ وہ مسلمان ہے جو علم و عمل اور اخلاص کے بعد خدا سے ڈرتا ہے۔ حضرات! گناہ کر کے کوئی شخص خدا سے ڈرے اگرچہ یہ خوفِ خدا بھی بڑا درجہ رکھتا ہے، مگر علم و عمل اور اخلاص کی دولتوں کا پونجی پتی ہوتے ہوئے جو مسلمان خدا سے ڈرتا ہے۔ اس خوفِ خداوندی کی عظمتِ شان کا کیا کہنا؟ حضرت امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا؟ عید کے دن لوگ کاشانۂ خلافت پر حاضر ہوئے تو کیا دیکھا؟ آپ دروازہ بند کر کے زار و قطار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے حیران ہو کر تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین آج عید کا دن ہے۔ آج تو شادمانی و مسرت اور خوشی منانے کا دن ہے یہ خوشی کی جگہ رونا کیسا؟ آپ نے آنسو پوچھتے ہوئے فرمایا کہ:

ھٰذَا یَوْمُ الْعِیْدِ وَھٰذَا یَوْمُ الْوَعِیْدِ۔	اے لوگو! یہ عید کا دن ہے اور وعید کا دن بھی ہے۔

آج جس کا تمام روزہ مقبول ہو گیا۔ بلاشبہ اس کے لیے آج عید کا دن ہے۔ لیکن آج جس کا روزہ مردود کر کے اس کے منہ پر مار دیا گیا ہو۔ اس کے لیے تو آج وعید کا دن ہے۔ اور میں اس لیے رو رہا ہوں کہ:

وَاَنَا لَا اَدْرِیْ اَمِنَ الْمَقْبُوْلِیْنَ اَمْ مِنَ الْمَطْرُوْدِیْنَ۔	یعنی مجھے یہ پتا نہیں ہے کہ میں مقبول ہوا ہوں یا پھٹکار دیا گیا ہوں۔

اللہ اکبر! مسلمانو! غور کرو۔ فاروقِ اعظم کا روزہ؟ اور مقبول نہ ہو؟ کیا معنی؟ یقیناً آپ کا روزہ مقبول تھا، بلاشک مقبول تھا، بلاشبہ مقبول تھا۔ مگر یہ وہی خوفِ الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ علم و عمل اور اخلاص سبھی کچھ ہے مگر اس کے بعد بھی خوفِ الٰہی سے تھرّا رہے ہیں کہ نا معلوم میرا روزہ مقبول ہوا یا نہیں؟ پڑھیے درود شریف:

اللّٰھم صل علیٰ محمد و بارک وسلم

حضرات! سلف صالحین میں خوفِ الٰہی کے عجیب عجیب نمونے ملتے ہیں۔ صرف دو واقعات سُن لیجئے۔

فُضَیل بن عیاض

حضرت فُضَیل بن عیاض جو ایک مشہور صاحبِ کرامت ولی ہیں۔ یہ پہلے بڑے زبردست ڈاکو تھے۔ ایک رات ڈاکہ ڈالنے کے لیے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہے تھے۔ مالک مکان تلاوت کر رہے تھے ناگہاں فضیل بن عیاض کے کان میں یہ آواز پڑی کہ:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ط	کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی کے لیے نرم پڑ جائیں۔

یہ آیت تاثیرِ ربانی کا تیر بن کر فضیل بن عیاض کے دل میں چبھ گئی۔ خوفِ خداوندی سے تھرّا گئے اور بے اختیار منہ سے نکل گیا کیوں نہیں اے میرے رب اب اس کا وقت آگیا۔ روتے ہوئے دیوار سے اتر گئے، اور ایک سنسان کھنڈر میں بیٹھ کر رونے لگے۔ اتنے میں وہاں ایک قافلہ آیا اور قافلہ والے آپس میں کہنے لگے کہ یہیں رات کو ٹھہر جاؤ، رات میں سفر مت کرو۔ کیونکہ فضیل ڈاکو اسی اطراف میں رہتا ہے۔ آپ قافلہ والوں کی باتیں سن کر اور زیادہ رونے لگے کہ ہائے افسوس! میں کتنا بڑا گنہگار ہوں کہ میرے ڈر سے امتِ رسول کے قافلے رات کو سفر نہیں کرتے۔ روتے روتے سچّی توبہ کرلی اور عہد کیا کہ اب باقی زندگی بیت اللہ شریف کی مجاوری اور عبادت میں گزاروں گا۔ صبح کو اُٹھ کر پہلے درس گاہِ حدیث میں گئے، اور اس قدر محنت سے علمِ حدیث پڑھا کہ علمِ حدیث کے امام ہو گئے۔ پھر عبادت میں یکتائے روزگار ہوئے۔ ان پر خوفِ الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ اگر کوئی ان کی مجلس میں اللہ کا نام لے لیتا تو یہ خوف سے کانپنے لگتے۔ اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ حاضرینِ مجلس کو ان پر رحم آجاتا۔ جس دن ان کا انتقال ہوا تو امام وکیع یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ اے لوگو! آج خوفِ خدا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (تہذیب التہذیب)

بغداد کا شہزادہ

اسی طرح ہارون رشید خلیفۂ بغداد کا ایک لڑکا جو صالحین میں سے تھا۔ ایک مرتبہ دربارِ شاہی کے کسی جشن میں کسی قاری نے خوفِ الٰہی کی ایک آیت تلاوت کردی۔ سُن کر اس شہزادہ کا دل خوفِ خداوندی سے لرز اٹھا۔ جشن چھوڑ کر یہ شاہزادہ صرف ایک قرآن شریف اور زنبیل لے کر شاہی محل سے نکل پڑا۔ اور کسی گمنام گاؤں کے ایک کھنڈر میں جاکر رہنے لگا۔ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ معمار بن کر مزدوروں کے ساتھ مزدوری کرتا اور اسی مزدوری کی رقم سے خورد و نوش کا انتظام کرکے ہفتہ بھر عبادت میں مصروف رہتا۔ اور رات بھر سجدے میں سر رکھ کر خوفِ الٰہی سے رویا کرتا۔ ابو عامر نامی ایک رئیس ایک مرتبہ معمار کی تلاش میں بازار گیا۔ دیکھا کہ چاند جیسی صورت والا معمار مزدوروں کے جھرمٹ میں تلاوت کر رہا ہے ابو عامر نے جب کام کے لیے کہا تو اس معمار نے فرمایا کہ میری شرط یہ ہے کہ نماز کے وقت کام چھوڑ دوں گا۔ اور ہفتہ میں ایک ہی دن کام کروں گا۔ ابو عامر نے شرط منظور کرلی۔ اور گھر لاکر دیوار بنانے کا کام سپرد کردیا۔ اس معمار نے ایک دن میں اتنا کام کر دیا کہ دوسرے معمار ایک ہفتہ میں بھی نہیں کرتے۔ ابو عامر نے شام کو مزدوری دے دی۔ اور طے کرلیا کہ آٹھویں دن پھر اسی معمار کو لاؤں گا۔ مگر جب ابو عامر معماروں کے بازار میں گیا تو پتا چلا کہ وہ معمار فلاں کھنڈر میں بیمار پڑا ہے۔ ابو عامر نے جاکر دیکھا تو معمار زمین پر پڑا ہوا ایک کچی اینٹ کا تکیہ لگائے ہوئے نزع کی حالت میں ہے۔ ابو عامر نے سلام کیا اور معمار کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ معمار نے آنکھیں کھول کر منع کیا اور کہا کہ میرا سر اسی طرح اینٹ پر رکھ دو اور روتے ہوئے یہ دو شعر پڑھے ؎

يَا صَاحِبِيْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ　　فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ

وَإِذَا حَمَلْتَ إِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً　　فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

یعنی اے میرے ساتھی! دنیا کی نعمتوں پر دھوکا مت کھانا کیونکہ عمر فنا ہونے والی ہے اور نعمت زائل ہونے والی چیز ہے اور جب بھی تو کسی جنازہ کو قبرستان لے جائے تو یقین کر لے کہ اس کے بعد اسی طرح ایک دن تجھ کو بھی لوگ قبرستان لے جائیں گے۔

اس کے بعد معمار نے کہا کہ اے ابو عامر! بہت ہی اچھا ہوا کہ تم اس وقت میرے پاس آ گئے۔ اب تم میری چند وصیتیں سن لو۔ جب میری روح پرواز کر جائے تو تم مجھے سنت کے مطابق غسل دینا۔ اور میرے بدن کے پرانے کپڑوں ہی کا کفن مجھ کو پہنا کر گور غریباں میں دفن کر دینا۔ اور میری یہ زنبیل، اور یہ تہبند گورکن کو دے دینا۔ اس کے بعد میری یہ انگوٹھی، اور میرا قرآن مجید خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے پاس لے کر تم خود جانا اور کہہ دینا کہ یہ ایک غریب الوطن نوجوان مسلمان کی امانت ہے جو طیّان تھا یعنی مٹی گارے کا کام کرتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے یہ انگوٹھی، اور قرآن مجید آپ کے پاس بھیجا ہے اور سلام کے بعد یہ پیغام عرض کیا ہے کہ:

يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَمُوْتَنَّ عَلٰى غَفْلَتِكَ هٰذِهٖ۔

یعنی اے امیر المومنین! خبردار! تم اپنی اس غفلت کی حالت میں مت مر جانا بلکہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔

معمار نے ابو عامر سے یہ سب کہا۔ اس کے فوراً ہی بعد معمار کی وفات ہو گئی۔ ابو عامر نے معمار کو اس وصیّت کے مطابق اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنا کر گور غریباں میں دفن کر دیا۔ اب ابو عامر نے معمار کی آخری وصیت پر عمل کرنے کے لیے انگوٹھی اور قرآن مجید لے کر بغداد کا سفر کیا۔ عجیب اتفاق کہ ابو عامر جس دن بغداد پہنچا اس دن خلیفہ ہارون رشید کا شاہی جلوس نکلا ہوا تھا۔ ابو عامر سڑک کے کنارے ایک اُونچی جگہ پر کھڑے ہو کر جلوس کا منظر دیکھنے لگا جب ابو عامر کی نظر خلیفہ پڑی تو چلّا کر ابو عامر نے کہا کہ اے امیر المومنین! ایک غریب الوطن مسلمان طیّان کی دو امانتیں ہیں جو بیکسی کی حالت میں انتقال کر گیا۔ آپ ان دونوں امانتوں کو مجھ سے لے لیجئے۔ ابو عامر کی پکار سُن کر خلیفہ نے سواری روک دی۔ ابو عامر نے بڑھ کر انگوٹھی اور قرآن مجید خلیفہ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ اس مرنے والے نوجوان طیّان نے سلام کے بعد آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ "اے امیر المومنین! تم اپنی غفلت کی حالت میں مت مر جانا بلکہ اللہ سے ڈرتے رہنا" خلیفہ نے جوں ہی انگوٹھی اور قرآن مجید کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں

لگیں اور بھرائی ہوئی آواز میں یا طیّانُ یا طیّانُ کہہ کر رو پڑا۔ پھر مصاحبوں کی طرف اشارہ کیا کہ اس شخص کو ساتھ لے لو۔ جب جلوس ختم کر کے خلیفہ شاہی محل پہنچا تو ابو عامر کو طلب کیا۔ ابو عامر جب دربار پہنچا تو دیکھا کہ خلیفہ قرآن مجید کو سینے سے لگائے ہوئے اور انگوٹھی پر نظر جمائے زار و زار رو رہا تھا۔ جب خلیفہ کی نظر ابو عامر پر پڑی تو کہنے لگا کہ اے ابو عامر! تو نے اس معمار طیّان کو پہچانا؟ ہائے اے ابو عامر! تو نے اس کو نہیں پہچانا۔ ارے وہ تو میرا نورِ نظر، میرا شاہزادہ تھا۔ قرآن مجید کی ایک آیت سن کر خوفِ الٰہی سے اس کے سینے میں دل پاش پاش ہو گیا۔ اور اسی وقت وہ میرا لختِ جگر خوفِ خداوندی کا مجسمہ بن کر میرے شاہی محل کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ میں نے برسوں اس کو تلاش کیا۔ مگر کہیں اس کا پتا نہیں چلا۔ ہائے آج معلوم ہوا کہ میرا لعل! معمار طیّان بن کر مزدوری کرتا تھا۔ اور اسی حالت میں وہ ایک گمنام گاؤں کے سنسان کھنڈر میں وفات پا گیا۔ اے ابو عامر! یہ وہی انگوٹھی ہے جو میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے شہزادے کو پہنائی تھی۔ اور یہ وہی قرآن مجید ہے جو میں نے اس شہزادے کے پڑھنے کے لیے بہترین کاتب سے لکھایا اور سنہرے روپہلے نقش و نگار سے اس مرصع و مزیّن کیا تھا۔ پھر خلیفہ نے ابو عامر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ہائے ابو عامر! تم نے اسی ہاتھ سے میرے بچے کو غسل دیا۔ اور کفن پہنا کر دفن کیا؟ پھر ابو عامر کے ہاتھ کو خلیفہ کبھی بوسہ دیتا۔ اور کبھی اپنے سینے پر رکھ کر زار و قطار روتا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ روتے روتے نڈھال ہو گیا۔ (روض الریاحین)

برادرانِ ملت! غور کیجئے! اور عبرت پکڑیئے! عباسی سلطنت کا شاہزادہ ہو کر خوفِ الٰہی کا یہ پیکر کس طرح شاہی محل کو ٹھوکر مار کر ایک گمنام کھنڈر، اور غار میں غریب الوطنی کی موت مرنے کو پسند کرتا ہے۔ اور شاہی دستر خوان کی نعمتوں سے منہ موڑ کر مزدوری کی کمائی سے خشک روٹی کے ٹکڑوں کو نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر کھاتا ہے اور اس طرح خوفِ ذوالجلال، صدقِ مقال، رزقِ حلال کی سعادتوں سے سرفراز ہو کر اپنے ربِ کریم کے غفران و رضوان کی دولتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

تیسری منزل وسیلہ

خیر! بہرحال میں نے عرض کیا کہ خدا تک پہنچنے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایمان اور خوفِ الٰہی دو منزلوں کا بیان تو آپ سُن چکے۔ اَب تیسری منزل کا حال بھی سنیے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔ یعنی دربارِ خداوندی میں پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

حضرات! وسیلہ کا مسئلہ آگیا ہے تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ ذرا اس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے عرض کر دوں۔ دیکھئے اس دنیا کا ایک نام ہے "عالم اسباب"۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ دنیا عالم اسباب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کا کوئی کام بے سبب، بے ذریعہ، بے وسیلہ کے ہوتا ہی نہیں۔ دیکھئے خداوند کریم بڑا قادر ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہمارے گھروں میں روزانہ پکا ہوا کھانا بھیج سکتا ہے یہ اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ چالیس برس تک بنی اسرائیل پر منّ وسلویٰ اترتا رہا۔ شہد جیسا حلوہ اور بھُنی ہوئی بٹیریں۔ خداوند کریم آسمان سے نازل فرماتا تھا۔ اور بنی اسرائیل کھاتے تھے۔ قرآن مجید گواہ ہے کہ رب کریم ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی۔ ہم نے اے بنی اسرائیل! تم پر منّ وسلویٰ نازل کیا۔

اسی طرح جب حضرت عیسٰے علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ اے پروردگار! ہمارے اوپر آسمان سے ایک دستر خوان اتار دے۔

تو خداوند عالم نے آسمان سے ایک دستر خوان اتار دیا۔ جس میں روٹی اور مچھلی تھی۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کی امّت نے آسمانی دستر خوان کے نفیس پکوان کو کھایا۔ بہرحال یہ عرض کرتا ہے کہ خداوند کریم اگر چاہے تو ہمارے گھروں میں بھی پکا ہوا کھانا بھیج سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ خدا کی قدرت تو ہے لیکن اس کی عادت نہیں

ہے بلکہ غذا کے بارے میں بھی اس کا دستور یہی ہے کہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور اس دنیا کا کوئی کام بے سبب، بے ذریعہ، بے وسیلہ نہیں ہوتا ۔

چنانچہ ربّ العزّت خود ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (عبس)

یعنی آدمی کو چاہیئے کہ اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی برسایا، پھر زمین کو خوب چیرا، تو اس میں اناج اگایا، اور انگور اور چارہ، اور زیتون، اور کھجور، اور گھنے باغ اور میوے اور دوب، تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے!

عزیزانِ ملّت! کون نہیں جانتا کہ ایک روٹی تک پہنچنے کے لیے ہمیں کتنے اسباب اور وسیلوں کی ضرورت ہے۔ پہلے بارش ہوتی ہے۔ پھر زمین کو گوڈ کر ہم اس میں بیج ڈالتے ہیں۔ پھر پودا زمین پھاڑ کر نکلتا ہے۔ پھر ہم اس کو کاٹتے ہیں۔ پھر مالش کر کے اناج نکالتے ہیں۔ دیکھ لیجئے ہل بیل کا وسیلہ، آبپاشی کا وسیلہ، ہنسیا کا وسیلہ، پھر اناج کو پیستے ہیں۔ پھر آگ جلاتے ہیں۔ پھر آٹا گوندھتے ہیں، پھر توا آگ پر رکھتے ہیں۔ تب جا کر روٹی پکتی ہے۔ غور کیجئے کہ آگ کا وسیلہ، توے کا وسیلہ، ہاتھوں کا وسیلہ، اتنے وسائل کے بعد روٹی تیار ہوئی۔ اب بھی کام نہیں چلا۔ اب روٹی کو سامنے رکھ کر کہیئے کہ آجا روٹی منہ میں۔ تو ہرگز روٹی منہ میں نہیں جا سکتی بلکہ ہاتھ سے توڑیئے پھر لقمہ بنا کر منہ میں ڈالیے۔ پھر منہ کی سنگر مشین چلایئے۔ غرض ہاتھ کا، دانت کا، زبان کا وسیلہ پکڑیئے تب کہیں جا کر خدا خدا کر کے روٹی حلق کے اندر گئی۔

حضرات! دیکھا آپ نے؟ ایک روٹی تک پہنچنے کے لیے ہمیں کتنے وسیلوں کی ضرورت پڑی؟ کیوں؟ اس لیے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں کا کوئی کام بے سبب بغیر ذریعہ، بلا وسیلہ نہیں ہوتا!

اسی طرح خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے گھروں میں لڑکے لڑکیاں آسمان سے برسا

دے اور شادی بیاہ اور ازدواجی زندگی کے تمام جھنجھٹوں سے ہمیں فرصت مل جائے۔
کیونکہ بلاشبہ خداوند تعالیٰ تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اگر چاہے تو تنہا مرد سے سیکڑوں انسان پیدا کر دے۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ حضرت حوّا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرما دیا۔ اسی طرح اگر خدا چاہے تو تنہا عورت سے سیکڑوں انسان پیدا فرما دے۔ چنانچہ ہمارا، آپ کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند عالم نے کنواری مریم سے پیدا فرما دیا۔ اسی طرح اگر خدا چاہے تو بغیر مرد وعورت کے ہزاروں انسان پیدا فرما دے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلاقِ عالم نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرما دیا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝	یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہو گئے تو ان کا حال ایسا ہے جیسے آدم علیہ السلام کہ خدا نے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ فرمایا کہ ہو جا تو آدم علیہ السلام ہو گئے۔

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ خدا کی قدرت تو یہ ہے کہ بلا مرد وعورت کے ہزاروں انسان پیدا فرما دے۔ مگر اس کی عادت نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں کوئی کام چونکہ بلا سبب، بغیر ذریعے اور وسیلے کے نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے اس کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو مرد وعورت کے ملاپ سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آپ کو اگر ایک بچّہ حاصل کرنا ہے تو شادی کیجئے۔ پھر میاں بیوی کے تعلقات قائم کیجئے۔ پھر نطفہ سے جما ہوا خون، پھر گوشت کی ایک بوٹی، پھر کہیں جا کر ایک بچّہ ہو گا۔
برادرانِ اسلام! آپ نے غور کیا؟ کہ جب ایک روٹی اور ایک بچّے تک پہنچنے کے لیے بہت سے اسباب اور وسیلوں کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر بھلا خدا تک پہنچنے کے لیے کیا ہمیں کسی وسیلے کی ضرورت نہیں پڑے گی؟ کہئے کہ پڑے گی، ضرور پڑے گی، کیونکہ جس طرح اس دنیا میں ہر کام کے لیے ذرائع، اسباب اور وسیلوں کی ضرورت ہے اسی طرح ہمیں خدا تک پہنچنے کے لیے بھی یقیناً بلاشبہ وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اسی

لیے ارشادِ خداوند عالم ہے کہ:

وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔ یعنی تم لوگ خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا تک پہنچنے کے لیے پہلی منزل ایمان ہے اور دوسری منزل تقویٰ ہے اور تیسری منزل وسیلہ ہے۔

اللہ والے وسیلہ ہیں

اب رہا یہ سوال کہ خدا تک پہنچنے کے لیے کس کو وسیلہ بنائیں؟ تو حضرات اس کو سمجھنا بہت ہی آسان ہے دیکھو اگر تم کو لندن پہنچنا ہے، تو یقیناً تم کو اس سے ملنا پڑے گا جو لندن تک پہنچ چکا ہو۔ اسی طرح اگر تم کو بمبئی پہنچنا ہے تو تمہیں اس سے ملنا پڑے گا جو بمبئی تک پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ وہی تم کو راستہ اور سفر کا طریقہ وغیرہ بتائے گا۔ تو اسی طرح اگر تم کو خدا تک پہنچنا ہے۔ تو اس سے ملنا پڑے گا جو خدا تک پہنچ چکا ہے۔ بس مسئلہ حل ہو گیا کہ جو لوگ خدا تک پہنچے ہوئے ہیں وہی خدا تک پہنچنے کے لیے تمہارا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے ہمیں بتادیا کہ خدا تک پہنچنے والوں کے چار گروہ ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۝

پہلا گروہ نبیوں کا، دوسرا گروہ صدیقوں کا۔ تیسرا گروہ شہیدوں کا، چوتھا گروہ صالحین یعنی اولیاء کا اور یہ لوگ بہترین مددگار ہیں۔

برادرانِ ملت! اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہمیں خدا تک پہنچنے کے لیے ان چار مقدس جماعتوں کا وسیلہ پکڑنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک جتنے اولیاء ہوئے اگرچہ وہ مادرزاد ولی کیوں نہ ہوں مگر سب نے کسی نہ کسی شیخ اور مرشد سے ضرور وابستہ ہو کر ان کا وسیلہ پکڑا۔ اسی طرح حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا کہ آپ مادرزاد ولی ہیں۔ مگر باوجودیکہ آپ آسمانِ ولایت و کرامت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ پھر بھی شیخ ابو سعید مخزومی کے مرید ہو کر ان کا وسیلہ پکڑا۔ اسی طرح خواجہ حضرت بہاء الدین نقشبند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہم سب

کے سب ماں کے شکم ہی سے آفتاب ولایت بن کر چمکے تھے۔ مگر سب نے مشائخ کا وسیلہ پکڑا اور وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔ پر عمل کیا۔ اب اگر اس چودھویں صدی کے کچھ سر پھرے یوں کہتے پھریں کہ ہمیں وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو تم خود ہی سمجھ لو کہ ضرور ان کے دماغوں کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے۔ ورنہ کون عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت غوث اعظم، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ شہاب الدین سہروردی کو وسیلہ کی ضرورت تھی۔ مگر اس زمانے کے بدھو، خیراتی، نتھو، شبراتی کو وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے معاذ اللہ! مولائے روم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہیں مرو تنہا کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس دور و دراز و پُر خطر

یعنی خبردار! بغیر پیر کا وسیلہ پکڑے ہوئے اس راستے میں اکیلے مت چل پڑو کیونکہ بغیر پیر کے وسیلہ کے یہ راستہ بہت دور دراز اور خطرناک ہے۔

برادرانِ ملت! یاد رکھو کہ اللہ والوں سے محبت وعقیدت رکھنا، ان سے توسل کرنا، ان سے بیعت کرنا، ان کی قبروں پر مراقبہ کر کے فیض حاصل کرنا یہ سب وسیلہ پکڑنے کی صورتیں ہیں، اسی لیے اہل سنّت و جماعت اس کے قائل و عامل ہیں۔

چوتھی منزل مجاہدہ

بہر حال اب چوتھی منزل کے بارے میں بھی کچھ مختصر عرض کرتا ہوں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ۔ یعنی تم لوگ خدا کی راہ میں مجاہدہ کرو۔

حضرات! چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ کیا ہے؟ خدا کی راہ میں کوشش کرنا نفس کشی، ریاضت، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، ہر قسم کی نفلی عبادت زیادہ سے زیادہ کرتے رہنا۔ اور ہر دم ہر لحظہ معبود حقیقی کا مراقبہ اور دھیان رکھنا۔ یہ سب مجاہدہ کی صورتیں ہیں۔ اللہ اکبر! اولیاء کرام نے کیسے کیسے مجاہدے کئے ہیں کہ اس دور میں تو ہم ان کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بغداد کے بُرج عجمی میں کیسے کیسے نفس کش مجاہدات کئے، مہینوں اناج کا ایک دانہ نہیں کھایا اور

صرف پانی پی کر روزے رکھتے رہے۔ اور مہینوں پانی نہیں پیا۔ انگور کے ایک یا دو دانوں سے سحری و افطاری کرتے رہے۔ بہت سے اولیاء پہاڑوں کے غاروں میں معتکف ہو کر برسوں مراقبہ میں رہ گئے۔ بہت سے اولیاء عمر بھر صائم الدہر اور قائم اللیل رہے۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوئے۔ حضرت بہاء الدین نقشبند فرماتے ہیں کہ ؎

یک لحظہ دلا! غافل ازاں ماہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

یعنی ایک سیکنڈ بھی اے دل! تو اس محبوب سے غافل نہ رہنا۔ نہ معلوم کب وہ تجھ پر نگاہِ کرم فرما دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جب نگاہِ کرم فرمائے اس وقت تو بے خبری میں رہے۔ اور اس کی نگاہِ کرم کے فیضان سے محروم رہ جائے۔ غرض اولیائے کرام نے بڑے بڑے دشوار مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں تب جا کر ان پر معرفتِ الٰہی کے دروازے کھلے ہیں۔ اور وہ بارگاہِ قدس میں مقرب ہو کر سلطنت ولایت و کرامت کے تاجدار بنے ہیں۔ سچ ہے ؎

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

مگر افسوس! صد ہزار افسوس! کہ آج نوافل کے ذریعہ مجاہدہ تو کجا؟ ہم مسلمان خدا کے فرائض سے بھی غافل ہیں۔ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے اور ہمارے سروں پر غفلت و سرکشی کا ایسا عفریت مسلط ہو گیا ہے کہ ہم نہ حقوق اللہ کی پروا کرتے ہیں نہ حقوق العباد کی۔ پھر بھلا ہمیں کس طرح معرفتِ الٰہی کی راہیں نظر آ سکتی ہیں۔ افسوس! عوام تو عوام آجکل کے پیروں کا حال دیکھ کر تو اور بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کم کھانا، کم بولنا، کم سونا بہترین مجاہدہ ہے۔ مگر آجکل خدا کی پناہ! ایسے ایسے ہم مسلمانوں میں کھانے والے پیر ہیں کہ ان کے پاس پیٹ نہیں ربڑ کے تھیلے ہیں۔ غالباً آپ لوگوں نے سنت خور پیر کی حکایت سُنی ہوگی۔

سنّت خور پیر

صاحبو! ایک پیر صاحب کسی مرید کے یہاں نازل ہو گئے ان کے پیٹ کی ٹنکی بہت بڑی تھی۔ مرید نے گوشت روٹی جو کچھ پکایا تھا۔ پیر صاحب سب کھا گئے مگر ربڑ کی تھیلی نہیں بھری۔ تو ڈانٹ کر فرمایا کہ نمکین کے بعد کچھ میٹھا بھی کھلاؤ؟ تم کو نہیں معلوم کہ نمکین کے بعد میٹھا کھانا بھی سنّت ہے۔ غریب مرید سیر بھر گلاب جامن لایا۔ پیر صاحب سب کھا گئے مگر پیٹ اب بھی "ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ" کا نعرہ لگا رہا تھا۔ پھر پیر صاحب نے گرم ہو کر کہا کہ اب کچھ نمکین کھانا لاؤ؟ میٹھے کے بعد نمکین کھانا بھی سنّت ہے۔ مرید پھر ہوٹل سے گوشت روٹی لایا۔ پیر صاحب یہ بھی چپٹ کر گئے۔ پھر کہا کہ اب پانی لاؤ۔ پانی پی کر بولے کہ کچھ اور کھانا لاؤ۔ کھانے کے بیچ میں پانی پینا سنّت ہے۔ مرید کچھ اور لایا۔ پیر صاحب اس کو بھی کھانے لگے۔ اتنے میں مرید کا لڑکا آگیا۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ اس لڑکے کا کیا نام ہے؟ مرید نے کہا کہ حضور! اس کا نام فرض ہے۔ پیر صاحب کہنے لگے کہ کیسا بھونڈا نام تم نے رکھا ہے؟ مرید کہنے لگا کہ حضور! کیا کرتا اگر میں کہہ دیتا کہ لڑکے کا نام سنّت ہے تو حضور اس لڑکے کو بھی کھا جاتے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور ہر سنّت کو کھاتے چلے جاتے ہیں اسی ڈر سے میں نے لڑکے کا نام فرض بتایا ہے۔

بہرحال عزیزانِ ملّت! خداوند عالم نے فرمایا کہ دربار خداوندی میں مقرب ہونے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ پہلی منزل ایمان ہے، دوسری منزل تقویٰ ہے، تیسری منزل وسیلہ ہے، چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم ان منزلوں کو طے کریں۔ پھر خداوند قدوس سے یہ امید رکھیں کہ وہ اپنے کرم سے ضرور ہمیں اپنے دربار کا قرب عطا فرمائے گا۔

حضرات! یاد رکھئے کہ رب کریم کو کرم فرماتے دیر نہیں لگتی۔ وہ کریم اگر چاہے تو ایک لمحہ میں اپنے بندے کو اپنے دربار میں باریاب فرما کر اپنے دیدار پُر انوار سے نواز دے!

بہلول دانا اور خلیفہ بغداد

حضرات! مجھے اس موقع پر حضرت بہلول دانا علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ خلیفہ بغداد

ہارون رشید بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنا قاصد بھیج کر آپ کو دربار میں بلایا۔ قاصد نے آکر عرض کیا کہ جناب! آپ کو امیر المومنین شاہی محل میں یاد فرما رہے ہیں۔ آپ نے بڑی حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہوگا۔ میں تو اس کو کبھی یاد نہیں کرتا۔ قاصد نے ہزار کوشش کی مگر آپ کسی طرح دربار میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوئے ایک دن آپ شاہی محل کے نیچے مست مولیٰ بنے چلے جا رہے تھے کہ ہارون رشید بادشاہ نے محل کے اوپر سے آپ کو دیکھ لیا۔ فوراً حکم دیا کہ کمند ڈال کر بہلول دانا کو محل میں کھینچ لاؤ۔ چنانچہ اوپر سے کمند پھینکی گئی اور آپ ایک لمحہ میں محل کے اندر پہنچ گئے۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ حضرت یہ بتا دیجئے؟ کہ آپ خدا تک کیسے پہنچے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ میرے پاس آپ کیسے پہنچے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے خدا تک پہنچا۔ خلیفہ نے کہا حضور! میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! دیکھئے اگر میں آپ کے دربار میں پہنچنے کی کوشش کرتا، تو میں پہلے عرضی لکھتا۔ پھر گھنٹوں میں نہا دھو کر اچھے لباس پہن کر ملاقات کی تیاری کرتا۔ پھر محل کے دروازے پر آکر آپ کی اجازت کا انتظار کرتا۔ پھر بھی نہ معلوم میں دربار میں باریاب ہوتا یا نہیں ہوتا۔ مگر آپ نے جب مجھے باریاب فرمانا چاہا تو کمند ڈال کر ایک لمحہ میں باریاب فرما دیا۔ بس یہی حال خدا تک پہنچنے کا ہے کہ وہ مالک و مولیٰ جس کو اپنے دربار میں سرفراز فرمانا چاہتا ہے تو اس کو ایک لمحہ میں اپنے کرم کی کمند ڈال کر اپنے دربار میں اپنا قرب عطا فرما دیتا ہے اور اگر وہ نہیں چاہتا تو سینکڑوں برس تک اس کی یاد اور تمنّا کرنے کے باوجود بھی کوئی اس کے دربار میں باریاب نہیں ہو سکتا!

بہرکیف سامعین کرام! میری گزارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک ایمانی انقلاب پیدا کیجئے اور قرآن مجید کی بتائی ہوئی چار منزلوں کو طے کر کے قرب خداوندی کی سعادت حاصل کیجئے۔ مولیٰ عزّ وجلّ کا ارشاد ہے کہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی اگر تم لوگ ایمان و تقویٰ اور وسیلہ و مجاہدہ کی چار منزلوں کو طے کر لو گے تو تم فلاح

پا جاؤ گے۔ مسلمانو! سب سے بڑی فلاح اور کامیابی کیا ہے؟ خدا کی قسم! سب سے بڑی فلاح یہی ہے کہ اللہ کا بندہ اللہ والا ہو جائے۔ یاد رکھو کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے ساری کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔ اگر تم اللہ والے ہو گئے تو ساری کائنات تمہاری فرمانبردار ہو جائے گی اور تم دونوں جہاں کی عزتوں اور کرامتوں کی سلطنت کے تاجدار بن جاؤ گے۔

بس اب میں اپنی تقریر کو ختم کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیے۔ میں بارگاہِ صمدیت میں ایک مناجات عرض کرتا ہوں۔ آپ لوگ صدقِ دل سے آمین کہیں۔

مناجات

کفر و ظلمت سے بچا صاحب ایماں کر دے
یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

ہم ہیں محتاجِ کرم تجھ کو کوئی بات نہیں
تُو جو چاہے تو بیاباں کو گلستاں کر دے

روحِ توحید کو ہر قلب میں پیدا کر دے
نُورِ اسلام سے عالم کو فروزاں کر دے

ہم کو پھر اپنی حقیقت سے خبردار بنا
ہم کو اسلاف کا پھر تابع فرماں کر دے

پھر جہاں پھونک دیں آتشکدۂ شوق سے ہم
پھر زمانے میں ہمیں شعلہ بداماں کر دے

پھر ہمیں سجدۂ مقصود کا دیوانہ بنا
پھر جبینوں کو ہماری مہِ تاباں کر دے

❋

وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ○

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ

واصحبہ اجمعین ط

❋

ساتواں وعظ

فضیلتِ نماز

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبال)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الذی فرض الصلوٰۃ علی المؤمنین ہ بقولہ تعالیٰ وارکعوا مع الراکعین ہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی جعل الصلاۃ عماد الدین ہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ المصلین ہ وعلینا معھم اجمعین ہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ہ (ھود)

برادرانِ ملت! میری سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف کا ورد کریں۔ اللّٰهم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلِ سیدنا محمد وبارک وسلم۔

برادرانِ گرامی! خداوند عالم کے فرائض اور اس کی عبادتیں تو بہت ہیں اور در حقیقت

تخلیق انسان کا مقصد ہی فرائضِ خداوندی کی ادائیگی اور عبادات ہے۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝ — یعنی انسان اور جن کو ہم نے اس لیے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔

لیکن نماز تمام فرضوں میں اہم الفرائض اور تمام عبادتوں میں افضل العبادات ہے۔ اسی لیے خداوند عالم نے قرآن مجید میں تمام فرائض و عبادات سے کہیں زیادہ بڑھ کر اہتمام کے ساتھ نماز کا حکم دیا۔ اور بار بار نئے عنوانوں کے ساتھ نماز کی فرضیت و اہمیت کا ذکر فرمایا۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ — یعنی نماز قائم کرو۔

کہیں یوں حکم فرمایا کہ:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ — یعنی تمام نمازوں، خصوصاً بیچ والی نماز یعنی عصر کی محافظت کرو اور اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

کہیں اس طرح حکم دیا کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ — اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کیا کرو۔

کہیں اس انداز میں امر فرمایا کہ:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ — اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے۔ اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیئے۔

کہیں اس طرح ترغیب دلائی کہ:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۝ — نماز یقیناً بے حیائی اور بُری باتوں سے روک دیتی ہے۔

کہیں نماز ترک کرنے والوں پر یوں وعید فرمائی کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ہ

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں۔ اور وقت گزار کر پڑھنے اُٹھتے ہیں۔

حضرات! اس آیت میں ویل کا لفظ آیا ہے "ویل" کیا ہے ؛ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے۔ قصداً نماز چھوڑنے والوں کو جہنم کی اس وادی میں داخل کیا جائے گا۔ جس کا نام "ویل" ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں رب عزّوجل اس طرح نماز ترک کرنے والوں پر وعید شدید فرماتا ہے کہ :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ہ

یعنی ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کردیا۔ اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی، تو عنقریب انہیں سخت عذاب سے ملنا ہوگا جو بہت ہی طویل وشدید ہوگا۔

اس آیت میں غیّ کا لفظ ہے۔ حدیث شریف سے پتا چلتا ہے کہ "غیّ" بھی جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے۔ اس میں بے نمازیوں زنا کاروں اور شرابیوں، اور سود خواروں، اور ماں باپ کو ایذا دینے والوں کو عذاب دیا جائے گا، کہیں خداوند عالم نے نماز کی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا کہ :

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہ

یعنی صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ اور بیشک یہ نماز بہت ہی دشوار چیز ہے۔ مگر ان لوگوں پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں ان پر کچھ دشوار نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے قیامت

میں بلنے والے ہیں۔ اور مرنے کے بعد اسی کی طرف
لوٹ کر جانے والے ہیں۔

الغرض نماز کی فرضیت و فضیلت پر جتنی تاکیدیں، اور نماز چھوڑنے پر جس قدر وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اتنی کسی دوسرے فرائض کے بارے میں تاکیدیں اور وعیدیں نازل نہیں ہوئیں کیوں؟ اس لیے کہ نماز اہم الفرائض اور افضل العبادات ہے۔

نماز عرش پر

برادرانِ ملّت! نماز کے اہم الفرائض اور افضل العبادات ہونے کا اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ خداوند عالم نے تمام فرائض و عبادات کا حکم زمین پر نازل فرمایا، مگر جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی تو مالکِ عرشِ مجید نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس عرش پر مہمان بلا کر شبِ معراج میں یہ تحفہ عطا فرمایا۔

اسلام کا ستون

حضرات! حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ
شَہَادَۃِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ
اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ
وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ط

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔
سب سے اوّل اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں پھر اس کے بعد نماز قائم کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرات! اس حدیث میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو ایک ایسے خیمے سے تشبیہ دی ہے، جو پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ان میں سے کلمہ شہادت تو وہ ستون ہے جو خیمہ کے بیچ میں ہوتا ہے۔ اور باقی چار ارکان یعنی نماز و زکوٰۃ اور حج و روزہ ان چار ستونوں کے مانند ہیں جو خیمہ کے چاروں کونوں پر ہوتے ہیں۔ اب اگر خیمہ کے بیچ کا ستون گر پڑے جب تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر درمیان کا ستون تو موجود ہو مگر چاروں کونوں کے ستون گر پڑیں تو اگرچہ خیمہ کھڑا ہو جائے گا۔ مگر اس کے چاروں کنارے

قائم نہیں رہیں گے اور اگر ان چاروں ستونوں میں سے کوئی ایک ستون گر پڑا تو خیمہ کے اس جانب کا حصہ گرا ہوا ہوگا۔ اور پورا خیمہ اپنی استقامت و خوبصورتی کے ساتھ قائم نہیں رہے گا۔ تو اس تمثیل و تشبیہ کا حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی نے کلمۂ شہادت ہی کو چھوڑ دیا۔ جب تو اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا ہی نہیں ہوگا۔ اور وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا، اور اگر کسی نے نماز و زکوٰۃ اور حج و روزہ چاروں ارکان کو چھوڑ دیا۔ تو اگرچہ اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا تو ہو جائے گا۔ اور وہ مسلمان تو کہلائے گا۔ مگر اس کے اسلام میں چاروں طرف نقصان ہی نقصان اور خلل ہی خلل رہے گا۔ اور اگر ان چاروں ارکان میں سے کسی ایک رکن کو چھوڑ دے گا۔ تو اگرچہ اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا تو رہے گا مگر اس میں استقامت اور خوبصورتی نہیں رہے گی۔ یعنی اگرچہ وہ مسلمان تو کہلائے گا۔ مگر اس کا اسلام ناقص اور عیب دار ہوگا۔

ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل تعلیم فرمائیے جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے، تو ارشاد فرمایا کہ تو خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کر اور نماز قائم رکھ اور زکوٰۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھ۔ اور حج کر۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز اسلام کا ستون ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

بہر حال اسلام کے پانچوں ارکان اگرچہ سب کے سب انتہائی اہم ہیں، مگر ان چاروں ارکان میں نماز سب سے زیادہ اہم الفرائض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ۔ مَنْ اَقَامَہَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَہَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے دین کو برباد کر دیا۔

نماز احبّ الاعمال ہے

حضرات! مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سرکار دو جہان

صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! تمام اعمال میں سب سے زیادہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل محبوب ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ نماز۔ پھر میں نے عرض کیا کہ نماز کے بعد کس عمل کی محبوبیت زیادہ ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ بہترین سلوک کرنا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل خداوند تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو فرمایا کہ جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

حضرات! دیکھئے۔ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد محبوبیت وافضلیت میں نماز تمام اعمال سے مقدم اور بڑھ کر ہے۔ سبحان اللہ! نماز کی محبوبیت کا کیا کہنا؟ ایک نمازی جب نماز پڑھ لیتا ہے۔ تو ارحم الراحمین خوش ہو کر اس بندے کے سر سے گناہوں کا بوجھ اتار کر اس بندے کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیتا ہے۔

نمازی کے گناہ جھڑ جاتے ہیں

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاڑوں میں مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے۔ پت جھڑ کا زمانہ تھا۔ ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکڑ کر ہلایا تو ان کے پتے گرنے لگے۔ پھر آپ نے حضرت ابو ذر کو پکارا۔ تو انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ! اور حاضر خدمت ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے بدن سے اس طرح گناہ گر پڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے!

نمازِ پنجگانہ کا ثواب

حضرات! خطبہ کے بعد میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اب اس کی شانِ نزول اور ترجمہ بھی سُن لیجئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ایک صحابی سے کوئی گناہ صادر ہو گیا وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ مجھ سے فلاں گناہ ہو گیا ہے۔ مجھے اس کی سزا دیجئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تھوڑی دیر کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ۝

یعنی نماز قائم کیجئے۔ دن کے کناروں میں اور رات کے کچھ حصہ میں بیشک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

حضرات! دوپہر دن کا درمیانی حصہ ہے۔ دن کا ایک کنارہ دوپہر کے پہلے ہے اس میں نماز فجر ہے۔ اور دن کا دوسرا کنارا دوپہر کے بعد ہے۔ اس میں نماز ظہر و عصر ہے۔ اور رات کے کچھ حصوں میں نمازِ مغرب و عشاء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز پڑھ لینے سے گناہ صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔ ان صحابی سے کوئی گناہ صغیرہ ہوا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نماز پنجگانہ کی بدولت ان کا گناہ مٹ گیا۔ چنانچہ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم خاص میرے ہی لیے ہے؟ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! بلکہ یہی حکم میری تمام امت کے لیے ہے۔ میری امت میں جو شخص بھی پنج وقتہ نماز پڑھے گا۔ ان نمازوں سے اس کے تمام گناہ صغیرہ مٹتے اور دُور ہوتے رہیں گے۔

آسمانی فرشتوں کی عبادتیں

حضرات! ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شب معراج میں جب صاحب لولاک سیارات الافلاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی سیر فرمائی۔ تو پہلے آسمان کے فرشتوں کو یہ عبادت کرتے دیکھا کہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ اور دوسرے آسمان کے فرشتوں کو رکوع میں دیکھا۔ اور تیسرے آسمان کے فرشتوں کو سجدے میں پایا۔ اور چوتھے آسمان کے فرشتے التحیات پڑھ رہے تھے اور پانچویں آسمان کے فرشتوں کو تسبیح پڑھتے ملاحظہ فرمایا اور چھٹے آسمان کے فرشتوں کو تکبیر پڑھتے دیکھا۔ اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کو سلام پڑھنے میں مشغول دیکھا۔ فرشتوں کی ان عبادتوں کے مناظر دیکھ کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! رب العزت میری امت کو کسی ایسی عبادت کا حکم فرماتا جس میں ان فرشتوں کی یہ ساری عبادتیں جمع ہوتیں۔

چنانچہ پروردگار عالم نے اپنے حبیب کی یہ تمنا پوری فرمادی کہ شب معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر نماز فرض فرمادی۔ جس میں ذکر الٰہی، رکوع، سجدہ، التحیات، تسبیح، تکبیر سلام سبھی کچھ ہے اور فرمادیا کہ اے محبوب! آپ کی امت میں جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھے گا۔ وہ ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کی عبادتوں کا ثواب پائے گا۔ (درۃ الناصحین)

روزانہ پانچ مرتبہ غسل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آقائے نامدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ؟ اگر کسی بندے کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو۔ اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہ جائے گا؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ نہیں! یا رسول اللہ اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی نہیں رہے گا۔ تو ارشاد فرمایا کہ:

فَكَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا (صحیحین)

یعنی یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ عزوجل ان پانچوں نمازوں کی وجہ سے نمازی کے تمام گناہوں کو دُور فرما دیتا ہے۔

آنکھ کی ٹھنڈک

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث سنیئے! ارشاد مبارک ہے کہ:

حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔

یعنی تمہاری دنیا کی تین ہی چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ اوّل خوشبو، دوسرے بیویاں اور تیسری چیز یہ ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

اللہ اکبر! سُن لیا آپ نے؟ نماز وہ عبادت ہے کہ اس سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔

حضرات! آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ سُنیئے آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اعلیٰ درجے کی خوشی

حاصل ہوئی تو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے نماز سے انتہائی فرح وسرور اور اعلیٰ درجے کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حضرات! آج ہم میں سے کون ہے؟ جو محبتِ رسول کا دعویٰ نہیں کرتا۔ مگر کبھی ہم نے اور آپ نے غور کیا؟ کہ کون ایسا محب اور عاشق ہے جو اپنے محبوب کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے اور اپنے محبوب کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر للہ انصاف سے بتایئے کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں؟ مسلمانو! تمہاری غیرتِ ایمانی کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے تم غور کرو۔ اور سوچو! کہ وہ نبی رؤف ورحیم جو ہم تم پر اس قدر مہربان ہیں کہ جب پیدا ہوئے تو یَارَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ کہتے ہوئے پیدا ہوئے، زندگی بھر ساری ساری رات بیدار رہ کر، اور تہجد گزار بن کر ہماری مغفرت کی دعائیں فرماتے رہے۔ آج قبرِ انور میں بھی وہ نبی رحمت ہماری بخشش کے لیے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں۔ کل میدانِ محشر میں بھی ہم گنہگاروں کی شفاعت کے لیے بے قرار رہیں گے۔ مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے؟ کہ ؎

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ	مرے حضور کے لب پر انا لہا ہوگا
عزیز بچے کو جس طرح ماں تلاش کرے	خدا گواہ! یہی حال آپ کا ہوگا
کوئی کہے گا دہائی ہے یارسول اللہ	تو کوئی قدموں سے ان کے لپٹ گیا ہوگا

کسی کو لے کے فرشتے چلیں گے سوئے جحیم
یہ اُن کا راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہوگا!

الغرض وہ نبیِ رحمت قبر میں، میدانِ محشر میں، پل صراط پر، میزانِ عمل پر، حوضِ کوثر پر ہر جگہ ہماری محبت میں بے قرار رہیں گے مگر ہم اتنے بے مروت، جفا پیشہ اور احسان فراموش ہیں کہ ایسے رحمت ومہربانی والے نبی رحیم ورسولِ کریم کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچاتے۔ انہیں خوش نہیں کرتے۔ اور وہ بھی کس طرح؟ دھن دولت لٹا کر نہیں۔ اولاد کو قربان کرکے نہیں۔ اپنی جان دے کر نہیں۔ صرف اس طرح کہ پنج وقتہ اپنے خالق ومالک کے حضور

سربسجود ہوکر نماز ادا کرلیں۔ افسوس! صد ہزار افسوس! اس سے بڑھ کر ہماری بے مروتی و بے غیرتی اور کیا ہوگی؟ مسلمانو! غور کرو! اگر واقعی ہم کو حضور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہوتی تو ضرور ضرور ہم ان کی تمام محبوب چیزوں سے بھی محبت کرتے اور پنج وقتہ نماز پڑھ کر ضرور ضرور ہم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے۔ صاحبِ تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ:

فَمَنِ ادَّعٰی مَحَبَّةَ اللّٰہِ وَخَالَفَ سُنَّةَ نَبِیِّهٖ فَهُوَ كَذَّابٌ بِنَصِّ كِتَابِ اللّٰہِ۔

یعنی جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے نبی کی سنّت کی مخالفت کرے اس کے جھوٹے ہونے پر خدا کی کتاب صراحت کے ساتھ اعلان کرتی ہے۔

لِاَنَّ مَنْ اَحَبَّ اٰخَرَ يُحِبُّ خَوَاصَّهٗ وَالْمُتَّصِلِيْنَ بِهٖ فَهٰذَا هُوَ قَانُوْنُ الْعِشْقِ۔

کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرے گا تو یقیناً وہ اپنے محبوب کی خواص اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے محبت کرے گا۔ یہی عشق و محبّت کا قانون ہے۔

اسی مضمون کو کسی عربی شاعر نے کتنے نفیس انداز میں کہا ہے ؎

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو ضرور ان کی فرمانبرداری کرتا۔ کیونکہ بلاشبہ ہر عاشق اپنے معشوق کا فرمانبردار ہوا کرتا ہے۔ پڑھیئے درود شریف: اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد وعلیٰ اٰل محمّد وصحبه وبارك وسلّم۔

سجدہ اور خدا کا تقرب

حضراتِ گرامی! فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ۔

یعنی بندے کو سب سے زیادہ خدا کی نزدیکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ سجدے

میں ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۸۴)

مسلمانو! بتاؤ؟ کون ایسا مسلمان ہوگا؟ جو خداوند قدوس کی نزدیکی اور اس کے قرب کا طالب نہ ہو۔ ہر مومن کی سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ خداوند کریم اس کو اپنی بارگاہ میں مقرب بنا لے مگر افسوس! اس پروردگار عالم نے اپنے سب سے زیادہ تقرب کا جو ذریعہ بتایا ہے یعنی نمازوں کا سجدہ۔ آج ہم اس سے انتہائی غافل ہیں!

برادرانِ اسلام! یاد رکھیے کہ ارحم الراحمین ہمارا مالک و مولیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم و کریم ہے اور وہ قادر و قیوم بڑا غیّور بھی ہے۔ اس لیے جو بندہ اس کے حضور سجدہ میں گر کر ناک زمین پر رگڑتا ہے تو پھر وہ غیرت والا مالک و مولیٰ اپنے اس بندے کی پیشانی کو کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتا بلکہ اس بندے کی پیشانی کو اتنا سر بلند فرما دیتا ہے کہ آسمان کی رفعت و سر بلندی بھی اس بندے کی عظمت کو جھک جھک کر سلام کرنے لگتی ہے سچ ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز فلاحِ دارین ہے

عزیزانِ ملت! آپ یہ نہ سمجھئے کہ نماز صرف آخرت ہی میں کام آنے والی چیز ہے۔ نہیں نہیں! نماز مومن کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہاں کی فلاح کا سامان ہے جہنم کے عذاب اور دنیا کی مصیبتوں کے حملوں سے بچنے کے لیے مومن کے پاس نماز سے بہتر کوئی ڈھال نہیں۔ جناب حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلٰوةِ۔ (ابوداؤد وغیرہ)

یعنی جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی سخت معاملہ درپیش ہوتا تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

کیوں؟ اس لیے کہ نماز اللہ کی رحمت کا سامان ہے۔ اور ہر مصیبت اور بلا کے وقت نماز کی طرف دوڑ پڑنا۔ گویا اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ

میں اور اس کے حفظ و امان میں پہنچ گیا، پھر کیا مجال ہے؟ کہ دنیا و آخرت کی کوئی مصیبت بھی اس کا بال بیکا کر سکے۔ چنانچہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ وہ مصائب و آلام کے ہجوم کے وقت نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ہمارے سلف صالحین صحابہ و تابعین، اور مومنین و صالحین پر بھی جب بلائیں اور مصیبتیں حملہ آور ہوتیں تو وہ نماز کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ اور نماز کی برکت سے ارحم الراحمین غیب سے ان کی فتح و فلاح کا سامان پیدا فرما دیتا تھا۔

جان و مال کی سلامتی

عزیزانِ ملت! مجھے اس وقت کوفہ کے ایک قلی کا واقعہ یاد آ گیا۔ ذرا غور سے سنیے بڑا ہی عبرت آموز واقعہ ہے کوفہ میں ایک بہت ہی امین اور قابلِ اعتماد قلی رہتا تھا۔ جو لوگوں کی قیمتی امانتیں دُور دُور کے شہروں میں پہنچایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں کا قیمتی سامان اور نقدی وغیرہ لے کر خچر پر سوار ہو کر سفر میں روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک مکّار ڈاکو جو اپاہج بن کر بیٹھا ہوا تھا ملا۔ مکّار ڈاکو قلی سے گڑگڑا کر کہنے لگا۔ بھائی میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ خدا کے لیے تم مجھے اپنے خچر پر سوار کر لو۔ میں تمہیں ایک دینار کرایہ دوں گا۔ بھولا بھالا قلی مکّار ڈاکو کے دامِ فریب میں آ گیا۔ اور رحم کھا کر مکّار ڈاکو کو خچر پر سوار کر لیا۔ قلی عام سڑک پر چلنے لگا تو مکّار ڈاکو نے کہا کہ بھائی! یہ راستہ تو بہت لمبا ہے۔ میں تمہیں بہت قریب کا راستہ بتاتا ہوں۔ اس راستے میں گھاس پانی بھی بہ افراط ملے گا۔ قلی اس مکّار ڈاکو کے فریب میں آ گیا اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑا۔ لیکن ابھی تھوڑی ہی دُور چلا تھا کہ ایک خوفناک جنگل آ گیا۔ قلی نے دیکھا کہ وہاں بہت سی لاشوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں پڑی ہیں۔ اور آگے راستہ بند ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ مکّار ڈاکو خچر سے اترا۔ اور کمر سے خنجر نکال کر قلی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قلی نے حیران ہو کر کہا کہ بھائی! یہ کیا کر رہے ہو؟ مکّار ڈاکو گرج کر بولا کہ خبردار! اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ دیکھ لو یہ سب تمہارے جیسے مسافروں کی کھوپڑیاں ہیں۔ جن کو میں نے فریب سے یہاں لا کر قتل کیا ہے۔ اور ان کا مال لوٹ لیا ہے۔ قلی نے نہایت عاجزی سے کہا کہ بھائی! تم سارا مال و سامان لے لو مگر خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرو۔

ہر چند قلی عاجزی کے ساتھ روتا اور گڑگڑاتا رہا اور جان کی امان مانگتا رہا مگر وہ سفاک ڈاکو جس نے کے سینے میں دل کی جگہ شاید سخت پتھر کا ٹکڑا تھا۔ بالکل رحم نہیں کھایا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر قلی نے کہا کہ اچھا! تم مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر دینا جلاد ڈاکو نے قہقہہ لگایا۔ اور کہا اچھا جلد کر۔ قلی نے نماز شروع کر دی۔ الحمد شریف پڑھنے کے بعد پریشانی میں کوئی سورت یاد نہیں آئی۔ ادھر جلاد ڈاکو خنجر چمکا چمکا کر تقاضا کر رہا تھا کہ جلدی نماز ختم کر بے اختیاری میں قلی کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی کہ:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ۔ یعنی خدا کے سوا کون ہے؟ جو مجبور کی پکار کو سنے۔ جب وہ مجبور اس کو پکارے۔

قلی اس آیت کو پڑھنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو کی دھار اس کے رخسار پر بہنے لگی۔ ابھی ایک رکعت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اچانک جنگل میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ اور اس مکار ڈاکو کی گردن پر ایسی شمشیر ماری کہ اس کا سر کٹ کر گر پڑا اور ایک دم اس کی لاش پر غیبی آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ قلی نے سلام پھیر کر دیکھا تو ڈاکو کی لاش جل کر خاک ہو چکی تھی۔ قلی نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور غیبی سوار سے دریافت کیا کہ خدا کے لیے اتنا بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ اور کس طرح یہاں تشریف لائے؟ غیبی سوار کہنے لگا کہ میں اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ فرمانے والے مالک و مولیٰ کا ایک بندہ ہوں۔ اور اسی کے حکم سے میں تمہاری مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اب تم بے خوف ہو جاؤ۔ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ (نزہۃ المجالس)

نماز جنت سے زیادہ پیاری

مسلمان بھائیو! یہی وجہ ہے کہ تمام صالحین امت نماز سے والہانہ عشق رکھتے تھے۔

سرکارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو رکعت نماز دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ صحابہ کرام کے نماز سے عشق و شغف کا کیا کہنا؟ دور تابعین میں امام محمد بن سیرین کا یہ مقولہ سن لو! آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے یہ اختیار دے دیا جائے کہ یا تو میں جنت میں داخل ہو جاؤں یا دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ تو میں دو رکعت نماز پڑھنے کو جنت میں

داخل ہونے سے زیادہ پسند کروں گا۔ کیونکہ جنّت میں داخل ہونا میری اپنی خواہش کا ذریعہ ہے۔ اور دو رکعت نماز میرے رب کی رضا کا سامان ہے۔

ایک مجددی کا نماز سے عشق

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ایک نامی گرامی خلیفہ شیخ عبدالواحد لاہوری علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ عالموں سے پوچھا کہ جنّت میں تمام نعمتیں تو ہوں گی بتائیے کہ جنّت میں نماز بھی ہوگی یا نہیں؟ عالموں نے کہا کہ حضرت! جنّت میں نماز کہاں سے ہوگی؟ جنّت تو اعمالِ صالحہ کی جزا کا مقام ہے۔ وہاں اعمالِ صالحہ کی تکلیف کہاں سے ہوگی؟ یہ سُن کر شیخ عبدالواحد لاہوری علیہ الرحمہ نے ایک سرد آہ کھینچی اور رونے لگے۔ پھر نہایت حسرت کے ساتھ فرمایا کہ بغیر نماز کے جنّت میں کس طرح چین نصیب ہوگا۔ مسلمانو! ان سعید و پاکباز روحوں سے نماز کی لذّت پوچھو کہ انہیں جنّت میں بھی بغیر نماز کے کوئی لطف نصیب نہیں ہوگا!

نماز کے انعامات

حضرات! امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے والے کو نو چیزیں انعام میں ملیں گی۔ اوّل خداوند تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ دوسرے اس کو تندرستی عطا فرمائے گا۔ تیسرے فرشتے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ چوتھے اس کے گھر میں برکت ہوگی۔ پانچویں اس کے چہرے پر صالحین کا نور ہوگا۔ چھٹے اس کا دل نرم ہو جائے گا۔ ساتویں وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ آٹھویں جہنّم سے نجات پائے گا۔ نویں جنّت میں اس کو ایسے لوگوں کا پڑوس نصیب ہوگا۔ جن کی شان میں لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کی بشارت آئی ہے یعنی قیامت میں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(منبہات ابن حجر)

اسی طرح ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز:

۱۔ رضائے الٰہی کا سبب ہے۔ ۲۔ فرشتوں کی محبوب چیز ہے۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔ ۴۔ نورِ معرفت ہے۔

۵۔ برکت رزق ہے۔ ۶۔ ایمان کی جڑ ہے۔
۷۔ بدن کی راحت ہے۔ ۸۔ دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار ہے۔
۹۔ شفاعت کرنے والی ہے۔ ۱۰۔ قبر کا چراغ ہے۔
۱۱۔ وحشت قبر کی مونس ہے۔ ۱۲۔ مقبولیت دعا ہے۔
۱۳۔ منکر نکیر کے جواب میں آسانی کرنے والی ہے۔
۱۴۔ ظلمت میں روشنی ہے۔ ۱۵۔ آتش جہنم کے لیے آڑ ہے۔
۱۶۔ میزانِ عمل کا بوجھ ہے۔ ۱۷۔ پلصراط پر جلدی سے گزارنے والی ہے۔
۱۸۔ جنت کی کنجی ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

نماز نور و برہان و نجات ہے

حضرات! نمازی کے اجر عظیم اور بے نمازی کے وبال کے بارے میں ایک اور حدیث بھی سُنیے اور عبرت حاصل کیجئے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔

(در منثور وغیرہ)

یعنی جو نمازوں کی پابندی کرے گا تو نماز قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی۔ اور حساب کے وقت دلیل ہوگی اور نجات کا سامان ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام کرے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ دلیل ہوگی نہ نجات ہوگی اور اس کا حشر فرعون اور ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

توبہ توبہ! نعوذ باللہ! خدا کی پناہ بے نمازیو! عبرت پکڑو۔ دیکھ لو بے نمازیوں کا حشر کتنے بُرے بُرے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کو تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ وہ کافر ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا یہاں تک کہ قہر الٰہی نے اس کو دریائے نیل میں غرق فرما دیا۔ ہامان بد نصیب اسی فرعون کا وزیر تھا یہ بھی فرعون کے ساتھ غرق ہوگیا۔ ابی بن خلف کے بارے میں بھی سن لیجئے کہ یہ کون تھا؟

ابی بن خلف

حضرات! ابی بن خلف مکہ کا وہ کافر ہے جس نے قبل ہجرت حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دھمکی دی تھی کہ اے محمد! میں نے ایک گھوڑا خاص اس لیے پالا ہے کہ اس پر سوار ہو کر میں تم کو قتل کروں گا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تجھ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ چنانچہ جنگِ اُحد کے دن اس خبیث نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ صحابہ نے اس کی گردن اڑا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو منع فرما دیا۔ اور خود ایک صحابی کا نیزہ لے کر اس مردود کی گردن پر مارا۔ ایک ہلکی سی خراش آئی مگر ابی بن خلف اس مار کی تاب نہ لا کر بلبلاتے ہوئے بھاگ نکلا اور چلانے لگا کہ خدا کی قسم محمد نے مجھے قتل کر ڈالا۔ کفّار نے اس کو غیرت دلائی کہ اتنا بہادر ہو کر ایک ذرا سی خراش لگ جانے پر اس قدر بلبلا رہا ہے؟ ابی بن خلف کہنے لگا کہ محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ میں لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے جب بھی میں مر جاتا۔ اے لوگو! یہ خراش تمہاری نظر میں ایک معمولی خراش ہے۔ مگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مار ہے مجھے اس میں اتنی تکلیف ہو رہی ہے کہ اگر میرا یہ درد تمام لشکر میں تقسیم کر دیا جائے۔ تو سارا لشکر ہلاک ہو جائے۔ غرض اسی طرح تڑپتے اور بلبلاتے ہوئے ابی بن خلف مکہ مکرمہ پہنچنے سے ایک دن پہلے ہی راستہ میں ہلاک ہو گیا۔

برادرانِ ملت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین کافر جہنمی وہ بدنصیب ہے، جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو۔ آپ نے سن لیا کہ ابی بن خلف وہ ملعون کافر و جہنمی ہے جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی مار سے فی النار ہوا ہے۔

بے نمازی صحابہ کی نظر میں

حضرات! امام ترمذی عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر جانتے تھے سوا نماز کے۔ چنانچہ امیر المومنین فاروقِ اعظم و عبدالرحمان بن عوف و ابوہریرہ و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس و جابر بن عبداللہ و معاذ بن جبل و ابو درداء رضی اللہ

تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب تھا کہ بلا عذر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے۔ اور بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل، و اسحٰق بن راہویہ، و عبداللہ بن مبارک، و امام نخعی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ تارکِ نماز کافر ہو گیا۔ اگرچہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تارکِ نماز کی تکفیر نہیں فرماتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس نے بلا عذر نماز کو چھوڑ دیا وہ اگرچہ کافر تو نہیں ہوا مگر اس نے کافر کا کام کیا۔ کیونکہ نماز چھوڑ دینا کافر کا کام ہے۔ بہر حال پھر بھی یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ بے نمازی کچھ صحابہ اور کچھ اماموں کے نزدیک کافر ہے۔ توبہ، نعوذ باللہ!

جماعت کی فضیلت

برادرانِ ملت! نماز کی فرضیت و اہمیت کے بارے میں تو میں بہت کافی عرض کر چکا ہوں، اب کچھ جماعت کی اہمیت و فضیلت کے متعلق بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بہت سے لوگ نماز تو پڑھ لیتے ہیں مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ جس طرح نماز کے بارے میں سخت تاکیدیں اور ترک پر بہت شدید وعیدیں آئی ہیں۔ اسی طرح جماعت کے لیے بھی حدیثوں میں بہت زیادہ تاکیدی احکام آئے ہیں۔ چند احادیث پیش کر دیتا ہوں۔ ہدایت فرمانا رب العالمین کا کام ہے!

نجات کے دو پروانے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ لَّا يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔

(ترمذی)

یعنی جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز باجماعت پڑھے کہ اس کی تکبیر اولیٰ نہ چھوٹے۔ تو اس کے لیے دو نجات نامے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ایک دوزخ سے چھٹکارا پانے کا۔ اور دوسرا نفاق سے بری ہونے کا!

حضرات! نماز باجماعت کے اجر و ثواب کا یہ حال ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوۃِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً۔

(بخاری)

یعنی جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز پر ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور بعض روایات میں پچیس درجے کا ذکر ہے۔

بہرحال اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جن لوگوں کی نمازوں میں زیادہ اخلاص ہوتا ہے انہیں ستائیس درجے کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے۔ اور جن کی نمازوں میں اخلاص کی کچھ کمی رہتی ہے تو انہیں پچیس درجے کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے۔ بہرکیف جماعت کا ثواب پچیس درجے کا ہو یا ستائیس درجے کا، سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا مال اپنے شہر میں ایک روپے کا بکے گا۔ اور اگر ہم سمندر پار جا کر اس مال کو فروخت کریں تو یہ پچیس یا ستائیس روپے میں بکے گا، تو برادرانِ ملت! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص سمندر پار جا کر اپنا مال فروخت کرے گا۔ کیونکہ پچیس گنا یا ستائیس گنا کا نفع چھوڑنا کوئی بھی گوارا نہیں کرے گا۔ مگر کس قدر حیرت ہے کہ گھر سے صرف چند قدم چل کر مسجد میں نماز با جماعت پڑھنے میں ایک نماز پر ستائیس نماز کا ثواب ملتا ہے۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور جماعت کی پروا نہیں کرتے۔ مسلمانو! کاش ہم اپنے سلف صالحین کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے کہ وہ خوش نصیب مسلمان نماز تو نماز جماعت تو جماعت، کبھی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہونے دیتے تھے۔

محمد بن سماعہ اور جماعت

حضرات! غالباً آپ لوگوں نے میری کتاب "اولیاء رجال الحدیث" میں محمد بن سماعہ محدّث کا تذکرہ پڑھا ہو گا، یا علماء سے ان کا حال سنا ہو گا۔ یہ حضرت امام ابو یوسف و حضرت امام محمد شاگردانِ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ ایک سو تین برس کی عمر پائی۔ یہ روزانہ دو سو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ یہ فرماتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا۔ اس دن ایک وقت کی جماعت چھوٹ گئی۔ تو میں نے اس خیال سے کہ جماعت کی نماز کا پچیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اس نماز کو میں نے اکیلے پچیس مرتبہ پڑھا۔ اسی درمیان

میں مجھے غنودگی آگئی تو کسی نے خواب میں آکر کہا۔ کہ پچیس نمازیں تو تم نے پڑھ لیں۔ مگر فرشتوں کی آمین کا کیا کرو گے؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ امام جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو کہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو اس فضیلت کو تم بغیر جماعت سے نماز پڑھتے ہوئے کس طرح حاصل کر سکتے ہو؟ (تہذیب التہذیب وغیرہ)

حضرات! اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے والا اگرچہ ہزاروں مرتبہ اس نماز کو پڑھے مگر پھر بھی جماعت کا ثواب اس کو ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا۔

رحمت عالم کا غضب

حضرات! یہی وجہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تارک جماعت پر اتنا شدید غضب فرماتے ہیں کہ الاماں الاماں! ایک حدیث میں یہاں تک فرمایا کہ:

لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ فِتْيَتِيْ فَيَجْمَعُوْا اِلَىَّ حَطَبًا ثُمَّ اٰتِيْ قَوْمًا يُصَلُّوْنَ فِيْ بُيُوْتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَاُحَرِّقُهَا عَلَيْهِمْ۔ (ابوداؤد)

یعنی میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میں اپنے نوجوانوں کو یہ حکم دے دوں کہ وہ لکڑیاں جمع کر کے میرے پاس لائیں۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں تاکہ ان کے گھروں کو جلا دوں۔

اللہ اکبر! رحمت عالم جن کی رحمت کا اپنی امت پر یہ عالم ہے کہ:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

کہ امت کا کسی مشقت میں پڑ جانا ان پر شاق ہے امت کے انتہائی خیر خواہ ہیں۔ مومنین پر بے حد مہربان اور رحم فرما ہیں۔

مگر جماعت چھوڑنے والوں پر ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہے کہ اپنے ہاتھوں سے ان کے گھروں کو پھونک دینے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

تارک جماعت پر بارہ بلائیں

حضرات! تارک جماعت پر رحمت عالم کے غضب کا حال تو آپ سن چکے۔ اب

ارحم الراحمین کے قہر و غضب کا منظر بھی ملاحظہ فرمائیے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَنْ تَهَاوَنَ بِالصَّلٰوةِ مَعَ الْجَمَاعَةِ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِاَثْنَيْ عَشَرَةَ بَلِيَّةً۔

جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے کو بارہ بلاؤں کے ساتھ عذاب دے گا۔

یہ بارہ بلائیں کون کون سی ہیں؟ سُنیے!

ثَلَاثٌ فِي الدُّنْيَا وَثَلٰثٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَثَلٰثٌ فِي الْقَبْرِ وَثَلٰثٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

تین بلائیں دنیا میں اور تین بلائیں موت کے وقت اور تین بلائیں قبر میں اور تین بلائیں میت قیامت کے دن۔

اب ان کی تفصیل بھی سُن لیجئے۔ تین بلائیں دنیا میں کون کون سی آئیں گی۔ تو ارشاد فرمایا کہ:

اَمَّا الثَّلٰثُ الَّتِيْ فِي الدُّنْيَا فَالْاُوْلٰى رَفَعَ اللّٰهُ الْبَرَكَةَ مِنْ رِزْقِهٖ وَالثَّانِيَةُ يَذْهَبُ مِنْهُ نُوْرُ الصَّالِحِيْنَ وَالثَّالِثَةُ يَكُوْنُ مُبْغَضًا فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

تین بلائیں جو دنیا میں آئیں گی ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں سے برکت اٹھالے گا اور دوسری بلا یہ ہے کہ اس سے صالحین کا نور چلا جائے گا اور تیسری بلا یہ ہے کہ وہ تمام ایمان والوں کے دلوں میں مبغوض ہو جائے گا۔

اللہ اکبر! برادرانِ ملت! آپ نے دنیا کی ان بلاؤں کو کیا سمجھا ہے؟ بھلا رزق کی برکت کا چلا جانا کوئی معمولی بلا ہے؟ اسی طرح صالحین کے نور سے محروم ہو جانا کوئی کم مصیبت ہے؟ یونہی تمام اہل ایمان، انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین، اولیاء کاملین سب کے دلوں میں قابلِ نفرت ہو جانا یہ کوئی معمولی عذاب ہے؟ ذرا غور کیجئے کہ آدمی جس محلے میں رہتا ہے اگر پورا محلہ اس سے نفرت کرنے لگے تو پھر ایک غیرت مند آدمی اس محلے میں نہیں رہ سکتا، بلکہ وہ محلہ تو کیا اس شہر کو چھوڑ دے گا۔ پھر بھلا اس شخص کی بے عزتی و

بے آبروئی کا کیا ٹھکانا ہے؟ جس سے خدا کے تمام انبیاء، تمام فرشتے، تمام اولیاء، تمام صالحین نفرت کرنے لگیں۔ کیا بھلا یہ شخص دنیا میں رہنے کے قابل ہے؟ توبہ، نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھے (آمین)

اچھا اب ان تین بلاؤں کا ذکر سنئے جو موت کے وقت تارکِ جماعت پر آتی ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاَمَّا الَّتِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ فَالْاُوْلٰی یُقْبَضُ رُوْحُهٗ عَطْشَانًا وَّ لَوْ شَرِبَ مَآءَ الْاَنْهٰرِ وَالثَّانِیَةُ یَشْتَدُّ عَلَیْهِ نَزْعُ رُوْحِهٖ وَ الثَّالِثَةُ یُخَافُ عَلَیْهِ مِنْ زَوَالِ الْاِیْمَانِ۔

یعنی موت کے وقت آنے والی تین بلائیں یہ ہیں پہلی بلا یہ ہے کہ اس کی روح اس حالت میں قبض کی جائے گی کہ وہ پیاسا ہوگا۔ اگرچہ وہ تمام نہروں کا پانی پی لے مگر پھر بھی مرتے وقت پیاسا ہی مرے گا اور دوسری بلا یہ ہے کہ اس کی جان کنی بڑی سخت ہوگی۔ اور تیسری بلا یہ ہے کہ اس کے ایمان کی بربادی کا خطرہ رہے گا۔

اللہ اللہ! مسلمانو! غور کرو اور عبرت پکڑو کہ پیاسا مرنا، جان کنی کی سختی، ایمان کی بربادی کا خطرہ یہ کتنی ہولناک اور خوفناک بلائیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ان بلاؤں سے بچائے (آمین) آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاَمَّا الَّتِیْ فِی الْقَبْرِ فَالْاُوْلٰی یَضِیْقُ عَلَیْهِ سُؤَالُ مُنْکَرٍ وَّنَکِیْرٍ وَالثَّانِیَةُ تَشْتَدُّ عَلَیْهِ ظُلْمَةُ الْقَبْرِ وَالثَّالِثَةُ یَضِیْقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی یَنْضَمَّ اَضْلَاعُهٗ۔

یعنی وہ تین بلائیں جو قبر میں آئیں گی۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال میں سختی ہوگی۔ اور دوسری بلا یہ ہے کہ قبر میں بہت ہی سخت اندھیرا ہوگا۔ اور تیسری بلا یہ ہے کہ قبر اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ تمام پسلیاں آپس میں مل جائیں گی۔

اچھا اب قیامت کی تین بلاؤں کا حال بھی سن لیجئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے کہ:

وَ اَمَّا الَّتِیْ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَالْاُوْلٰی یَشْتَدُّ عَلَیْهِ حِسَابُهٗ وَ الثَّانِیَةُ یَغْضَبُ عَلَیْهِ رَبُّهٗ وَ الثَّالِثَةُ یُعَاقِبُهُ اللّٰهُ بِالنَّارِ ۔ (درة الناصحین)

یعنی قیامت میں آنے والی تین بلائیں۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ اس کا حساب بڑی سختی کے ساتھ ہوگا دوسری بلا یہ ہے کہ اس پر رب عزّوجل کا غضب ہوگا تیسری بلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آگ کا عذاب دے گا۔

نماز میں خشوع

حضرات! نماز و جماعت کا بیان تو آپ حضرات کافی سن چکے اب ذرا نماز میں خشوع کا بھی بیان سُن لیجئے۔ خشوع یعنی قلبی جھکاؤ اور روحانی توجہ! سچ پوچھئے تو یہ نماز کی روح ہے۔ اگر نمازوں میں قلب کا جھکاؤ نہیں ہوا تو صرف سر کا جھکا لینا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ حق جل جلالہٗ کا ارشاد کتنا واضح ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔

یعنی وہی ایمان والے فلاح پانے والے ہیں جن کی نمازوں میں خشوع پایا جاتا ہے۔

برادرانِ ملّت! سُن لیا آپ نے؟ قابل فلاح وہی نماز ہے جس میں دل کی حضوری اور قلب کا جھکاؤ ہو جائے۔ یعنی خداوند قدوس کی عظمت اور اس کے جاہ و جلال کے تصوّر سے نمازی کا دل و دماغ خوف و خشیتِ الٰہی کا خزانہ بن جائے اور جسم کی بوٹی بوٹی اور بدن کا بال بال خدائے لم یزل ولا یزال کے عظمت و جلال سے تھرّا جائے اور خدا کی کبریائی اور اس کی شانِ جلال کے تصوّر کے سامنے ماسوی اللہ کا خیال ہی نہ آئے یہی وہ کیفیت ہے جس کی نشاندہی فرماتے ہوئے ———— حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ ۔ (مشکوٰۃ ص۱۱)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر اتنی قوی حضوری تمہیں حاصل نہ ہو سکے تو کم سے کم

اتنا تو دھیان رکھو کہ وہ مالک و مولیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱)

اسی مضمون کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

کیا تو نے نمازی! یہ کبھی غور کیا ہے
تو کون ہے؟ اور سامنے کس کے تو کھڑا ہے
کچھ رُعب شہنشاہی بھی ملحوظ ہے تجھ کو
یا منہ سے فقط کہتا ہے "اللہ" بڑا ہے

مگر برادرانِ ملت! ہماری نمازوں میں کتنا خشوع اور دل کا جھکاؤ ہوتا ہے؟ یہ تو ہمیں اور آپ کو خوب معلوم ہے۔ "سر سجدے میں اور دل دغابازی میں" یہ مثل تو مشہور ہی ہے۔ اور ایک امام چار مقتدیوں کی نماز کا قصہ تو آپ نے سنا ہوگا۔

لطیفہ سُنا ہے کہ پانچ آدمی نماز کی تبلیغ کے لیے چلے۔ دریا کے کنارے پانچوں نماز پڑھنے لگے۔ ایک امام بن گیا اور چار مقتدی ہو گئے۔ عین نماز کی حالت میں دریا کے اندر ایک مچھلی کودی۔ بس اب کہاں برداشت کی طاقت؟ جھٹ ایک مقتدی بول اُٹھا کہ کیا کودا۔ دوسرا بھلا کیسے چُپ رہتا وہ بولا جی مچھلی ہو گی۔ تیسرے صاحب جو ذرا بقراط تھے تڑپ کر بولے۔ چپ رہو بولنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ چوتھے کو غصہ آ گیا وہ بھی چلّا کر بولا کہ تم کیوں بولے تمہاری نماز بھی تو ٹوٹ گئی۔ چاروں کو سُن کر امام صاحب بول اُٹھے کہ الحمد للہ! میں نہیں بولا۔ اس لیے میری نماز نہیں ٹوٹی۔ مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ آجکل کے مسلمان ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ نماز کو مچھلی مارکیٹ بنا ڈالتے ہیں۔

افسوس برادرانِ ملت! کاش ہم سلف صالحین کی نمازوں پر ایک نظر ڈالتے کہ نمازوں میں ان کی توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع کا کیا عالم ہوتا تھا؟ اچھا آئیے! اب چند بزرگوں کی نمازوں کا حال سن لیجئے۔

حضرت علی کی نماز حضرات! مشہور واقعہ ہے کہ فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ میدانِ جہاد میں تھے کہ کسی کافر کا تیر آ کر آپ کی مقدس ران میں چبھ گیا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا مگر نہ نکل سکا۔ پھر لوگوں نے یہ طے کیا کہ

جب آپ نماز میں مشغول ہوں گے اس وقت تیر نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ جب مولائے کائنات نے نماز کی نیت باندھ لی تو لوگ آئے اور جونہی آپ سجدے میں گئے لوگوں نے تیر زور سے کھینچ کر نکال لیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ شاید تم لوگ تیر نکالنے کے لیے جمع ہوئے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم نے تیر نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ (مثنوی شریف)

حضرت عبداللہ بن عباس کی نماز

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں موتیا کا پانی اُتر آیا طبیب نے کہا کہ آپ کی آنکھوں کا اپریشن کر کے میں علاج کرسکتا ہوں۔ مگر چند دنوں آپ نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر بھر اندھا رہنا گوارا ہے۔ مگر ایک وقت کی نماز چھوڑنا مجھے گوارا نہیں ہو سکتا۔

منقول ہے کہ آپ اذان کی آواز ہی سُن کر زار و زار رونے لگتے تھے۔ اور پھر نماز میں تو اس قدر روتے تھے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

حضرت ابو عبیدہ کی نماز

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح مشہور صحابی ہیں یہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کبھی کوئی وسوسہ یا دنیاوی خیال ان کو نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے نماز پڑھائی۔ اور نماز کے بعد فرمایا کہ آج نماز میں شیطان نے مجھ پر بہت بڑا حملہ کیا۔ اس نے میرے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ میں پوری جماعت میں سب سے افضل ہوں۔ کیونکہ سب لوگوں نے مجھے امام بنایا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے آئندہ اب میں کبھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔

امام زین العابدین کی نماز

خاندانِ اہل بیت کے چشم و چراغ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ روزانہ بلاناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ وضو فرماتے تو خوفِ الٰہی سے آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور آپ کے جسم مقدس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ

رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی مگر آپ نماز میں مشغول رہے ۔ لوگوں نے آگ بجھا کر عرض کیا ۔ حضور آپ کا مکان جلتا رہا اور آپ نماز پڑھتے رہے ؟ ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ میں جہنّم کی آگ کے خیال میں اس قدر محو ہو گیا تھا کہ مجھے اس دنیا میں آگ کی خبر بھی نہیں ہوئی ۔

حاتم بلخی کی نماز

حضرات ! حاتم بلخی جن کا کبارِ اولیاء میں شمار ہوتا ہے ۔ اور یہ حاتم زاہد کے لقب سے مشہور ہیں ۔ ایک مرتبہ عصام محدّث نے ان سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے کہ گویا کعبہ میری نگاہوں کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پلصراط پر ہے ۔ اور جنّت میرے داہنی جانب اور دوزخ میرے بائیں طرف ہے ۔ اور موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے ۔ اس کے بعد نماز شروع کرتا ہوں اور انتہائی خضوع اور خشوع کے ساتھ رکوع و سجود کرتا ہوں اور اس طرح نماز پڑھ کر خدا کی رحمت سے قبولیت کی امید بھی رکھتا ہوں ۔ اور اس خوف سے رقتا بھی ہوں کہ کہیں میری نماز میرے منہ پر نہ مار دی جائے ۔ یہ سُن کر عصام محدّث رونے لگے اور کہا کہ اے حاتم بلخی ! تم تیس برس سے اس طرح نماز پڑھتے ہو ۔ افسوس ! کہ تمام عمر میں مجھے ایک نماز بھی ایسی نصیب نہیں ہوئی ۔

حاتم بلخی عمر بھر نماز با جماعت کے پابند رہے ۔ ایک مرتبہ ساری زندگی میں ان کی ایک وقت کی جماعت چھوٹ گئی تو آپ رنج و غم سے نڈھال ہو گئے ۔ دو ایک احباب تعزیت کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر آج میرا بیٹا مر گیا ہوتا ، تو آدھا بلخ تعزیت کے لیے میرے پاس آتا ۔ مگر میری جماعت فوت ہو گئی ، تو دو ایک آدمی تعزیت کے لیے آئے ۔ افسوس ! لوگوں کی نظر میں دین کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے ہلکی نظر آنے لگی ۔

ذوالنون مصری کی نماز

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ اس کا بیان ہے کہ جب آپ نے "اللہ اکبر" کہا تو ان پر جلال ربانی کا ایسا غلبہ ہوا کہ گویا ان کی روح پرواز کر گئی۔ اور میرے قلب پر ان کی تکبیر کا یہ اثر ہوا کہ میرا دل خدا کی ہیبت سے لرز اُٹھا۔

محمد بن نصر مروزی کی نماز

حضرات! محمد بن نصر مروزی اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم حدیث تھے۔ ان کا لقب فقیہ ہے۔ ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ نماز کی حالت میں ان کی پیشانی پر ایک بھڑ بیٹھ گئی۔ اور اس نے اس زور کا ڈنک مارا کہ ان کے چہرے پر خون بہہ نکلا۔ مگر یہ سکون و اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ (اولیاء رجال الحدیث)

عبدالرحمٰن بن نعم بجلی کی نماز

عبدالرحمٰن بن نعم بجلی تابعی محدث ہیں۔ انتہائی عبادت گزار اور پرہیز گار عالم باعمل تھے۔ حجاج بن یوسف ظالم ان کی حق گوئی پر ان کا دشمن ہو گیا اور ان کو گرفتار کر کے اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اور پندرہ دن تک دروازے کو مقفل رکھا۔ پھر حجاج نے حکم دیا کہ تالا کھول کر ان کی لاش کو دفن کر دو۔ غالباً لاش سڑ چکی ہوگی۔ مگر جب تالا کھولا گیا۔ تو یہ نظر آیا کہ آپ نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ اطمینان سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حجاج ظالم آپ کی یہ کرامت دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے آپ کو رہا کر دیا۔ (اولیاء رجال الحدیث)

مُعلّٰی بن منصور کی نماز

حضرات! مُعلّٰی بن منصور رازی جو امام ابو یوسف و امام محمد کے شاگرد رشید اور حنفیوں کے مایۂ ناز محدث ہیں نماز میں ان کا خشوع حدِ کرامت کو پہنچا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عین نماز کی حالت میں بھڑوں کا چھتہ ان کے سر پر گرا۔ مگر یہ نہایت اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے نماز کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ بھڑوں نے ان کے سر میں اس قدر ڈنک مارے تھے کہ سر میں کافی ورم ہو گیا تھا۔ (اولیاء رجال الحدیث)

منصور بن مُعتمر کی نماز

منصور بن معتمر کوفی دور تابعین کے جلیل القدر محدث ہیں۔ سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ اگر تم منصور بن معتمر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو یہ سمجھتے کہ ابھی ان کا انتقال ہو جائے گا رداڑھی سینے سے لگی ہوئی خضوع وخشوع کا پیکر بنے ہوئے رات بھر نماز میں مشغول رہتے جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے پڑوسی کی ایک چھوٹی لڑکی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اے باپ ہمارے پڑوسی کی چھت پر جو ایک ستون تھا وہ کب گر گیا؟ بچّی کے سوال کی وجہ یہ تھی کہ منصور بن معتمر دن میں کبھی چھت پر نہیں چڑھتے تھے۔ صرف رات میں چھت پر کھڑے ہو کر ساری رات نماز پڑھتے تھے۔ تو وہ بچّی یہ سمجھتی تھی کہ یہ کوئی ستون ہے۔ آپ کی باکرامت عبادت کا اس سے اندازہ لگا لو کہ آپ نے ساٹھ برس تک روزانہ دن میں روزہ رکھا۔ اور ہر رات نفل نمازوں میں گزاری! (اولیاء رجال الحدیث)

اللہ اکبر! ؎ یہ جذب الٰہی کے پھندے کہاں ہیں

یہ اللہ کے پاک بندے کہاں ہیں

برادرانِ ملّت! میں کہاں تک سلف صالحین کی نمازوں کے خضوع وخشوع کا حال آپ کو سناؤں؟ بس رنج وقلق تو یہی ہے کہ ہم لوگوں نے سلف صالحین کے طریقوں پر چلنا چھوڑ دیا۔ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ سر سجدے میں اور دل دغا بازی میں ہوا کرتا ہے۔ میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ ہماری نمازوں کو نماز کہنا درحقیقت نماز کی توہین ہے۔ مجھے آجکل کے نئے نمازیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو نماز پڑھ کر اکڑتے پھرتے ہیں کہ ہم نمازی ہیں۔ کسی شاعر نے کتنی عبرت آموز بات کہی ہے ؎

نہیں ہے جوشِ بلالی و حیدری تجھ میں

ستم ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے

خودی کو چھوڑ کے محو نمازیوں ہو جا

کہ خود نماز ہی تیری ادا پہ ناز کرے

برادرانِ ملّت! مجھے اس موقع پر حضرت مرزا مظہر جانجاناں نقشبندی دہلوی رضی اللہ عنہ

کا ایک قطعہ یاد آگیا، غور فرمائیے کہ ان اللہ والے مقدّس اولیا پر خضوع و خشوع اور خوف و خشیتِ خداوندی کا کتنا غلبہ تھا؟ حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

بر نماز و روزۂ و بر سوز و ساز خود مناز

یار بے پرواست ہرگز بر نیاز خود مناز

انفعالِ جرم بہتر از غرورِ طاعت است

مظہرؔ! اے دور از حقیقت! بر نماز خود مناز

یعنی اپنی نماز و روزہ، اور اپنے سوز و ساز پر ناز مت کرو، کیونکہ یار حقیقی یعنی خداوند قدوس بے پروا ہے۔ لہٰذا تم اپنے نیاز پر ناز مت کرو۔ گناہ کر کے انسان اپنے جرم پر نادم و شرمندہ ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان کوئی عبادت کر کے غرور کرے۔ اے مظہر! اے حقیقت سے دور! تو اپنی نماز پر کبھی ناز مت کر!

اللہ اکبر! مسلمانو! دیکھ لو، یہ ہیں خضوع و خشوع کے پیکر، اور تواضع کے مجسّمے کہ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کی تمام منازل طے کر چکے ہیں مگر اپنے کو حقیقت سے دُور بتاتے ہوئے اپنے نفس کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ خبردار! ہرگز ہرگز کبھی تم اپنی نماز اور روزے پر غرور اور گھمنڈ نہ کرنا۔ کیونکہ خداوند عالم کی ذاتِ بے نیاز کو تمہارے عجز و نیاز کی کوئی پروا نہیں ہے۔ لہٰذا تم اپنی نماز، اپنے نیاز، اپنے سوز و ساز پر کبھی ناز نہ کرنا۔ اگر تم سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور تم اپنے جرم پر شرمندہ ہو کر اشکِ ندامت بہاتے ہوئے خداوند کریم کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کر لو تو تم اس عبادت گزار سے لاکھوں درجے بہتر ہو جو عبادت کر کے اپنی عبادت پر غرور سے اکڑتا پھرتا ہے۔

محترم بزرگو اور بھائیو! آجکل یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے۔ خصوصاً آجکل کے تبلیغی نمازیوں میں تو اس کی وبا پھیل چکی ہے۔ جس زمانے میں میں گجرات کے دیہاتوں کا دورہ کر رہا تھا، تو اکثر جگہ یہ سننے میں آیا کہ کچھ لوگ مسجدوں میں لوگوں کو کلمہ پڑھا کر یہ وعظ سنایا کرتے تھے کہ بھائیو! تم لوگ حضرت غوث پاک کی بزرگی بہت دنوں سے سُنتے آ رہے ہو، مگر کیا رکھا ہے؟ غوث پاک میں، تم لوگ بھی پانچوں وقت کی

نماز پڑھو اور تبلیغ کے چلّے میں نکلتے رہو۔ تو تم بھی غوث پاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا دیہاتیوں پر یہ اثر پڑا کہ بزرگانِ دین کی عظمت ان کے دلوں سے نکل گئی اور جس نے چار انگل کی داڑھی رکھ لی۔ اور پانچوں وقت نماز پڑھنے لگا وہ اپنے آپ کو یہی سمجھنے لگا کہ میں اب حضرت غوث پاک سے زیادہ جَو بھر چھوٹا ہوں۔

نماز کے بعد وحی کا انتظار

چنانچہ آپ لوگوں نے سُنا ہوگا کہ ایک ایسا سر پھرا نمازی تھا جو ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر آسمان کی طرف آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بھائی! تم ہر دو رکعت کے بعد اُوپر گھور گھور کر کیوں دیکھتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا کہ اجی! بات یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو یہی پانچ وقتوں کی نماز پڑھتے تھے تو ان پر حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن کی وحی لایا کرتے تھے۔ تو اب میں نے بھی جمعے کے دن سے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے۔ لہٰذا انتظار کرتا ہوں کہ پورا قرآن تو نہیں مگر دو ایک سورت تو لے کر حضرت جبرئیل میرے پاس بھی آتے ہی ہوں گے۔ اسی لیے سر اُٹھا کر اوپر دیکھا کرتا ہوں۔

سُن لیا آپ نے ان نئے نمازیوں کا غرور؟ دو رکعت نماز پڑھی اور وحی کا انتظار کرنے لگے۔ ہمارے یوپی کی مثل نئے نمازی اور بھلواڑی کی تسبیح تو آپ نے سُنی ہوگی مگر یہ آپ نے نہیں سُنا ہوگا کہ نئے نمازی اور وحی کا انتظار۔ اسی کو کہتے ہیں کہ سوئیں بھاڑ میں اور خواب دیکھیں عرشِ معلّٰی کا۔

مسلمانو! سنو۔ پنج وقتہ با جماعت نمازیں پڑھو اور انتہائی اخلاص اور خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھو۔ مگر نمازیں پڑھ کر خدا سے ڈرو اور رو رو کر اور گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگو کہ وہ اپنے کرم سے تمہاری نمازوں کو قبول فرما لے۔ اور ہرگز ہرگز اپنی نمازوں پر غرور اور گھمنڈ مت رکھو بلکہ ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کہیں تمہاری نمازیں تمہارے منہ پر نہ مار دی جائیں۔

مسلمانو! کون نہیں جانتا کہ شیطان کی لاکھوں برس کی عبادت ایک غرور و تکبر کی وجہ

سے اس کے منہ پر مار دی گئی۔ اور ابد الآباد تک کے لیے وہ مردود بارگاہ الٰہی ہو گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے پر
ہزاروں سال گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

خداوند کریم اپنے مقبول و محبوب بندوں کے طفیل ہم سب مسلمانوں کو اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز باجماعت کی توفیق عطا فرمائے اور غرور و تکبّر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ یا ربّ العٰلمین ۵

وما علینا الا البلاغ

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ط

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّد

واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین ط

الحمد للہ تعالیٰ
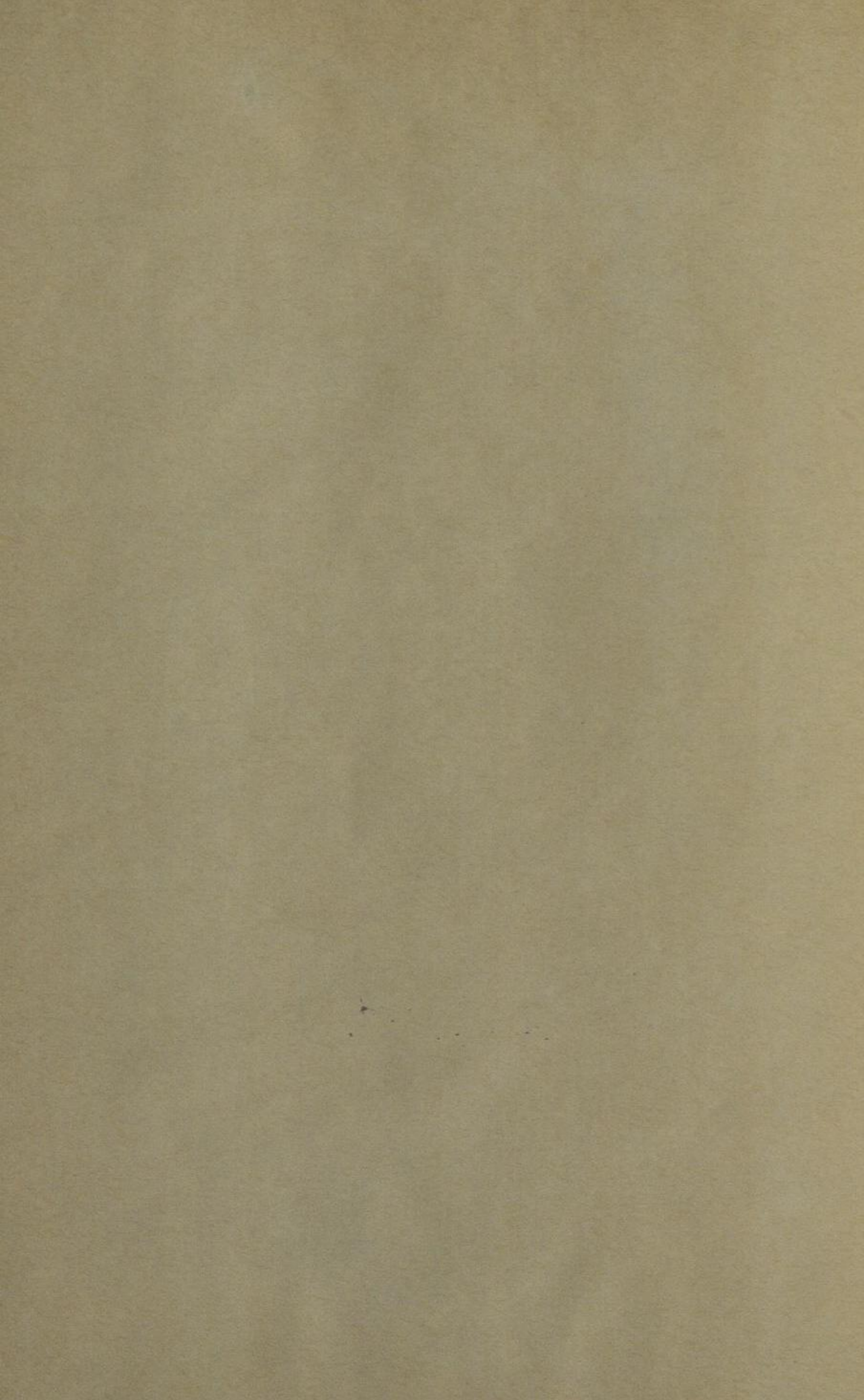
کہ فرید بک سٹال لاہور اشاعت و طباعت کے عظیم تر توسیعی پروگرام کے تحت انشاء اللہ برصغیر کے نامور عالم دین اور عظیم سُنّی مفکر شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی صاحب کے رشحاتِ فکر کو زیورِ طبع سے آراستہ کر رہا ہے۔ انشاء اللہ حضرت علامہ مدظلہ العالی کی جملہ تصنیفات بہت جلد منصۂ شہود پر آجائینگی۔

کارکنانِ فرید بک سٹال لاہور ربِ ذوالجلال کے بے پایاں فضل و کرم کیلئے سراپا سپاس گزار ہیں کہ اُس نے انہیں اکابر اہلسنت کی تصنیفات و تالیفات کو شائع کرنیکی توفیق بخشی، الحمد للہ علیٰ ذالک اس سلسلہ میں خلیل ملّت حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خاں برکاتی صاحب قدس سرہٗ اور سلطان الواعظین حضرت مولانا محمد بشیر صاحب مدظلہ کوٹلی لوہاراں کی تصنیفات نیز تراجم صحاح ستّہ از علامہ مولینا عبد الحکیم خانصاحب اختر شاہجہانپوری مدظلہٗ اور حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب مدظلہٗ شائع ہو چکے ہیں علاوہ ازیں بیسیوں کتب مشتمل بر تفسیر، حدیث، تاریخ، تصوف، فقہ سیرت اور دیگر موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں اور بیسیوں اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم اور حبیبِ ربِّ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نظر ہے

کہاں میں اور کہاں نکہتِ گل　　نسیمِ صبح تیری مہربانی